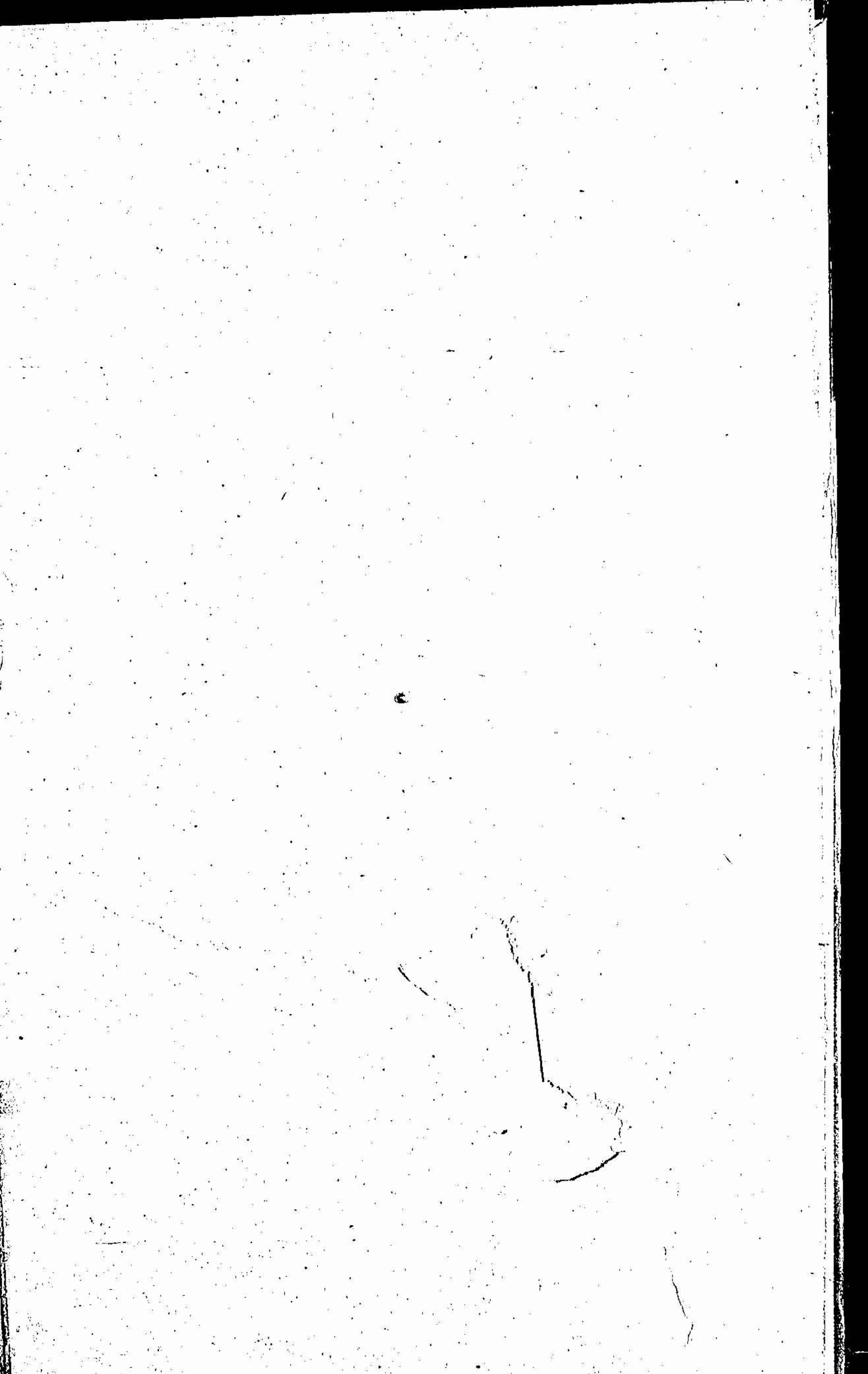


خلیفہ ہارون الرشید

اور

ان کا عہد





پیشانیہ

خلیفہ ہارون الرشید ^{اول} ان کا عہد

مؤلفہ

رئیس احمد حفیظی (ہندوی)

مقبول ایڈری سیکرٹری و ڈپٹی چوک اردو بازار لاہور



297.49924

25 8

94210

MAN

6663

2003ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اہتمام

ملک مقبول احمد

مقبول ایڈری

بیسکریوٹ چوک اردو بازار لاہور

قیمت : 350 روپے

جی ایف پرنٹرز، لاہور

02-04-2013

مذہب اہل اسلام

مہاجر ڈاکٹر خلیل الرحمن صدیقی کے نام

۳۵۵۰/۱

ملاحظات

یہ کتاب عہد ہارون الرشید کی مفصل اور مکمل تاریخ نہیں ہے۔ مفصل اور مکمل تاریخ لکھنے کے لیے جس علمی سرمایہ، یکسوئی اور فراغ خاطر کی ضرورت ہے وہ کہاں میسر۔ یہ تو صرف عہد ہارون اور خاص طور پر ہارون اور آل برمک کے اہم ترین واقعات و حواشی پر مشتمل ہے۔ اور پچ پوچھتے تو ہارون کی زندگی کا یہی دور سب سے زیادہ اہم اور قابل مطالعہ ہے۔

اس کتاب میں ہارون کی سیرت، کردار، اخلاق و عادات اور فتوحات و کشور کشائی، تنعم اور فارغ البالی کا تذکرہ کرنے کے بعد اس ہارون کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ جو روایات و حکایات الف لیلہ اور اغانی میں موجود ہے۔ ہارون کی زندگی اور کارناموں کا تجزیہ کرنے کے بعد آل برمک اور ہارون کے تعلقات، اور ان تعلقات کے انجام پر سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہارون اور اس کے عہد کا ایک دلائل و برہان منظر کے سامنے آجاتا ہے۔ اور یہی مولف کا مقصد ہے۔

رئیس احمد جعفری

۸۹ - میگو پارک، لاہور

استحاجہ

بنو امیہ کے کھنڈر پر عباسیوں نے اپنا قلعہ تعمیر کیا۔ ظلم و جور، سفاکی اور شقاوت ستم رانی اور خون ناحق جس طرح بنو امیہ کا (الاماشا - اللہ) شعار تھا۔ اسی طرح بنو عباس بھی وہ استثنائے معدودے چند، اس فن میں طاق اور شہرہ آفاق تھے۔ لیکن بعض خصوصیات کے اعتبار سے ان دونوں خاندانوں نے اپنا ایک خاص امتیاز بھی قائم رکھا۔ یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہ سے لے کر مروان حماد کے آخری فرمانروا تک صرف عمر بن عبدالعزیز کو مستثنیٰ کر کے ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اس دور کو خلافت راشدہ کا ہم پایہ کہا جاسکے یا کم از کم خالص اسلامی حکومت کے اثرات اس کے نظام مملکت پر نمایاں ہوں۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس دور میں فتوحات اور توسیع مملکت کا جو شاندار سلسلہ شروع ہوا وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ اسی طرح خاندان بنو عباس بھی اپنے سارے دور حکومت میں اس خصوصیت سے محروم نظر آتا ہے جو ایک خالص اسلامی حکومت کی ہونی چاہیے، نہ خلفاء میں وہ بات تھی کہ حقیقی معنوں میں ابوبکر و عمر و عثمان و علی کے جانشین کہے جاسکیں نہ نظام حکومت میں وہ شان تھی کہ جسے اس نظام حکومت کا نمونہ قرار دیا جاسکے جو فتح مکہ سے لے کر آخر عہد خلافت مرقنوی تک نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عباسیوں کا طویل دور حکومت جہاں کشور کشائیوں اور فتح یابیوں سے عبارت ہے وہاں علمی ترقیوں کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ دنیا کے تمام

علوم و فنون اس زمانہ میں عربی نے اپنے دامن میں سمیٹے۔ مردہ قوموں کے مردہ علوم کو بھی عجایبوں نے زندہ کیا اور انہیں چارچاند لگانے لگائے۔ اگر عجایبوں نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو منطق، کیمیا، فلسفہ، فلکیات، طب اور دوسرے علوم و فنون شاید آج ابتدائی حالت میں ہوتے۔ وہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے عجایبوں کے دور حکومت میں ان علوم کو اپنایا اور کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

تاریخ کا یہ بڑا دلچسپ موضوع ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے زمانہ علوم و فنون نے ترقی کے کیسے کیسے مدارج طے کیے۔ عباسیوں کے عہد کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں ایک نئے پلچرہ ایک نئی تہذیب اور ایک نئی معاشرت کی بنیاد پڑی۔ اس پلچرہ، اس تہذیب اور اس معاشرت کا اگرچہ اسلامی تعلیمات سے کوئی خاص تعلق نہ تھا لیکن اس کے کشش انیکز ہونے میں کلام نہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب خلفائے درباروں، اُمراء کی مجلسوں اور فن کاروں کی محفلوں میں جہاں شراب کا دور چلتا تھا چنگ و رباب کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، رقص و نغمے کے کمالات رہنرنگ تکیں و ہوش اور دشمن ایمان و آگہی نظر آتے تھے وہاں دولت کی فراوانی، مالِ غنیمت کی غلط تقسیم اور عیش و عشرت کی زندگی نے ایک عجیب ماحول پیدا کر دیا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں سوسائٹی کے یہ کمالات نصف النہار یعنی حدِ عروج پر نظر آتے ہیں۔ ہارون کا عہد حکومت اگر منظر کے سامنے ہو تو اس عہد کا پورا خلاصہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس لیے کہ ہارون اور وزیر اعظم جعفر برمکی کے اشتراک و تعاون نے بغداد کو معہد فضل و کمال، مرکز علم و ادب اور سرچشمہ فنون بنا رکھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ جعفر اپنی یادگار خدمتوں، شاندار کارناموں اور ناقابل فراموش فیاضیوں کے باوجود ہارون الرشید کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ قتل ایک شخص کا نہ تھا ایک پورے دور کا قتل تھا۔ ایک مخصوص تمدن، تہذیب اور معاشرت کا قتل تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہو گا کہ انسانیت کا قتل تھا۔ بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہی رہتے ہیں، چھوٹوں کے بھی اور

بڑوں کے بھی، غریبوں کے بھی اور امیروں کے بھی، وزراء اور شاہی خاندان ان کے افراد تک
 فرمانروا کی خوں آشامی کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ جو لوگ کسی سلطنت کے
 بنانے میں اس کی تعمیر و تشکیل میں، اس کے عروج و فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ انتہائی
 خلوص، بے نفسی اور وفاداری کا مظاہرہ کر چکنے کے بعد بھی فرمانروا کی تلوار سے نہیں بچ
 پاتے۔ تاریخ میں اس طرح کے صد ہا واقعات محفوظ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ
 پر ایک مستقل و فخرِ عبرت ہے۔ لیکن جعفر کا قتل اپنے اندر کچھ ایسی منظرِ مہیت رکھتا ہے
 کہ آج تقریباً بارہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اتنا تازہ ہے کہ کل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے
 جیسے یہ واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ اور کسی طرح بھی اس کا فراموش کرنا ممکن نہ ہو۔
 جعفر ایک نو مسلم خاندان کا فرد تھا۔ نو مسلم ہونے کے باوجود اس خاندان نے اسلام
 کی گراں بہا خدمات انجام دیں۔ یہ خاندان نہ ہوتا تو سلطنتِ عباسیہ استحکام حاصل نہ کر سکتی۔
 اسی خاندان نے ہارون کی خلافت کے لیے میدان صاف کیا۔ اس کے پاس وفا، خلوص
 اور بے لوثی کی جتنی پونجی تھی وہ سب اس نے اپنے فرمانروا پر صرف کر دی۔
 اس خاندان کے پاس مال و زر کی کمی نہ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہرامکہ کے
 گھر میں ہن برستا ہے۔ ان کے در سے کوئی محروم نہ گیا، علماء آتے تھے شاد کام و بامراد
 واپس جاتے تھے۔ حکماء آتے تھے اور ان کا دامن سیم و زر سے بھر دیا جاتا تھا، شعراء
 آتے تھے اور جو مانگتے تھے پلتے تھے۔ نادار اور حاجت مند آتے تھے اور اپنی مراد
 لے کر جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس گھر میں ہر درو کا درماں موجود ہے۔ ہر
 پریشان حال، آشفتمند روزگار اور برگشتہ وقت کے لیے ہرامکہ کے دروازے کھلے ہوئے
 تھے۔ یہاں آنے کے بعد نہ پریشان حالی باقی رہتی تھی نہ آشفتمند روزگاری نہ برگشتہ بختی
 یہاں عہدے اور مناصب ملتے تھے جاگیریں بخشی جاتی تھیں، انعامات عطا کیے جاتے
 تھے۔ ان کی آن میں نادر تو نگر اور بے زردار بنا دیا جاتا تھا۔ یہاں آنے کے بعد حالات
 بدل جاتے تھے۔ قسمت پلٹ جاتی تھی۔ گردشِ چرخ اور ستم ہاتے روزگار کے
 واقعات افسانہ کہن بن جاتے تھے۔

یہ تھا خاندانِ برامکہ!

یہ تھا جعفر برہمکی!

اور یہ خاندانِ برامکہ ان کی ان میں اس طرح برباد ہو گیا جیسے عالم وجود میں آیا ہی نہ تھا۔
یہ جعفر برہمکی اس طرح قتل کیا گیا جیسے اس سے بڑا مجرم و خطا کار دنیائے آج تک
پیدا ہی نہ کیا تھا۔

جو دوسروں کی قسمت بدل دیتا وہ اپنی قسمت نہ بدل سکا۔

جو دوسروں کو جلاؤ کی تیغ سے بچا لیتا تھا خود اس کی گردن جب زیر تیغ آتی تو اس
کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سر جھکا دے اور اپنی آخری پونجی یعنی زندگی بھی نثار کر دے۔ جعفر نے
ایسا ہی کیا اور تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید ہو گیا۔

ہارون اور جعفر کی دوستی اپنی مثال نہیں رکھتی تھی۔ ہارون اور جعفر کی دشمنی بھی
بے مثال تھی۔

تاریخ افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ کیونکہ افسانہ ذہن و دماغ کی پیداوار
ہوتا ہے اور تاریخ گزرے ہوئے واقعات کا آئینہ ہوتی ہے، ذہن و دماغ کے پیدا کیے
ہوئے افسانے وہیم باطل اور گمانِ فاسد بھی قرار دیے جاسکتے ہیں، لیکن زندگی کے
اسٹیج پر پیش آنے والے واقعات تو حقیقت ہوتے ہیں اور حقیقت کو جھٹلانے کی
جرات کوئی نہیں کر سکتا۔

دنیا کی تاریخ ملوکیت میں ہر طرح کے واقعات موجود ملتے ہیں، لیکن دل کو کھینچنے
والے اور طبیعت پر اثر ڈالنے والے واقعات وہی ہوتے ہیں جو اپنے اندر عبرت و مغفلت
کے پہلو پہنچا سکتے ہوں۔ عہدِ ہارون کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کا دور
حکومت ایسے واقعات سے پُر ہے جو حیرت و حسرت، نشاط و غم اور درد و لذت
کے اشتراک سے کچھ عجیب سے بن گئے ہیں۔

جب کوئی فرمانروائے مطلق کسی کو معتوب بارگاہ قرار دینا ہے تو نفسیاتِ عوام
کچھ ایسی واقع ہوتی ہے کہ لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی

کو قتل کرتا ہے تو عام اس سے کہ وہ بے گناہ ہو یا خطا کار لوگ اس فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں نہ صرف تسلیم کر لیتے ہیں بلکہ اس کے خلاف کوئی احتجاج بھی نہیں کرتے، اس کا ذکر بھی زبان پر نہیں لاتے، اسے بھول جاتے ہیں۔

ہارون کی تلوار نے کئی بڑی بڑی شخصیتوں کو قتل کیا، لیکن یہ قتل ایک حادثہ کی طرح رونما ہوا اور ذہن و دماغ نے اسے کچھ عرصے بعد فراموش کر دیا۔

لیکن کیا جعفر کے ساتھ بھی یہی ہوا؟
کیا جعفر کا قتل بھی لوگوں نے فراموش کر دیا؟

واقعات کا جواب نفی میں ہے۔

بے شک ہارون نے اپنی قوت کے بل سے کام لے کر خاندانِ برامکہ کو نابود کر دیا۔ جعفر کو قتل کر دیا، برامکہ کا ذکر خیر کرنے والا اور انہیں محبت سے یاد کرنے والا حکومت کا معتد بہ ہوتا تھا، مگر اس کے باوجود یہی ایک ایسا واقعہ ہے جس میں ہارون کی جبروت نے شکست کھائی، اس کی انا کو ہار مان لینا پڑی، وہ ایک لمحہ کے لیے بھی لوگوں کے دل و دماغ سے برامکہ کی عام طور پر اور جعفر کی خاص طور پر یاد نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ یاد۔ جو عظمت، محبت اور عقیدت کی یاد تھی۔

ذرا بھی اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ ہارون کا قہر و غضب کیا صورت اختیار کرے گا ان شعراء تک نے جو ہارون کے زر خریدتے تھے مرثیے لکھے، ایسے مرثیے جو جگر نگار تھے، ایک ایک شعر جوش اور درد و غم کی تصویر تھا، شعر کے ہر ہر لفظ میں محبت کے پھٹے ابلتے تھے، بغداد کے کوچے و بازار میں، مجلسوں اور محفلوں میں، مسجدوں اور خانقاہوں میں دیوانوں اور ایوانوں میں سستی کہ محل شاہی تک میں اس خونِ ناحق کا ذکر آہوں اور آنسوؤں کے ساتھ ہوتا رہا اور ہارون اپنی مسلمہ قوت و جبروت کے باوجود اسے نہ روک سکا۔ کون آنکھ تھنی جو اس غم میں اٹکبار ہو، کون دل تھا جو اس صدمے سے دو نیم نہ ہو۔ کون زبان تھی جو اس حاتمِ درراں کے ذکر میں شب و روز مصروف نہ ہو۔ خلیفہ ہارون نے جعفر کو قتل کر دیا لیکن اس کے مداحوں اور ماتم گساروں کو قتل نہ

کر سکا۔ وہ کس کس کی زبان کاٹتا، کس کس کا سر قلم کرتا، کس کس کا دل چاک کرتا؟ یہ ناممکن تھا ہارون جیسے عظیم و جلیل فرما تو اور شہنشاہ کے لیے بھی ناممکن تھا۔ صورتِ حالات یہ تھی کہ ہر تنقہ گو یا زبانِ حال سے جعفر کے معنی ابو زکار کا یہ شعر جو اس نے کبھی جعفر کی محفل میں گایا تھا زیر لب پڑھ رہا تھا۔

ولو فردیت من حدت اللیالی فدیتک بالظریف بالتلاد

اور حوادثِ زمانہ کے مقابلے میں فدیہ دے کر تجھ کو بچا یا جاسکتا، تو میں نہی پرانی سب چیزیں تیرے فدیے میں دے دیتا

اس کتاب میں ہارون کی رنگارنگ زندگی اور اس کے عہدِ حکومت کے متنوع اور چیدہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں لیکن زیادہ اسی تفصیل سے جعفر کے عہدِ حیات کے واقعات بھی زیر بحث لاتے جاتے ہیں تاکہ جہاں اس عہد کی حیرت انگیز ترقیاں منظر کے سامنے آجائیں وہاں اس عہد کی سفاکیاں اور خون آشتامیاں بھی منظر سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ایک باب میں مختصر طور پر ہم خلفائے عباسیہ کا تعارف کراہیں گے، اس کے بعد خاص طور پر ہارون رشید کا، پھر ایک اور باب میں خاندانِ براکہ کا اجمالی تعارف ہوگا اس کے بعد جعفر برمکی کے کارناموں پر تاریخی طور پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس تعارف کے بعد پوری صحت کے ساتھ اصل واقعات و حقائق پیش کیے جائیں گے۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے میں نے خاص طور پر مدد لی ہے۔

۱۔ البرامکہ فی ظلال الخلفاء

یہ کتاب محمد احمد برانق نے لکھی ہے اور دارالمعارف مصر سے شائع ہوئی ہے اپنے موضوع پر نہایت کامیاب کتاب ہے۔ اردو زبان میں اور عربی زبان میں اس کتاب کا نام پایہ مشکل سے کوئی کتاب ملے گی۔ اختصار اور جامعیت، صحت اور استناد کا بہت

دلچسپ مجموعہ ہے۔

مصنف کو نسبت بڑی سہولت یہ حاصل ہے کہ موضوع سے متعلق ایسے مصادر اور ماخذ تک بھی ان کی رسائی ہے جو کسی اور مصنف کو حاصل نہیں ہو سکی۔ خوش قسمتی سے گزشتہ کچھ عرصے سے تاریخ کی بعض نادر و نایاب کتابیں جو مرد دریا، آم اور حوادثِ دہرے سے بظاہر تعلق ہو گئی تھیں اور جن کا ذکر صرف کتبِ متداولہ میں ملتا تھا مستشرقین نے انتہائی جدوجہد کے بعد اور رقمِ خطیر صرف کر کے دنیا کے دور دراز گوشوں سے ان میں سے اکثر کتابوں کے نسخے فراہم کیے۔ پھر انہیں تصدیق و تصحیح اور اگر ممکن ہو تو دوسرے نسخوں سے مقابلے کے بعد شائع کر دیا۔ یہ دولت مصنف کو بڑی آسانی سے مل گئی اور انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ خود مصر میں بڑے بڑے کتب خانے موجود ہیں۔ ان کتب خانوں میں متعدد نادر و نایاب کتابوں کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ مصنف نے ان سے بھی پورا فائدہ اٹھایا۔ مشرق وسطیٰ کے بعض عرب ممالک میں بھی کچھ پرانے کتب خانے موجود ہیں۔ ان کتب خانوں میں بھی بعض گراں بہا کتابیں دستبردِ زمانہ سے اب تک محفوظ چلی آئی ہیں۔ مصنف نے حتی الامکان ان سے بھی فائدہ اٹھایا، وہ خود ان کی طبع و نقاد اور ذہن رسا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ ہزاروں صفحے پڑھ کر اور ان سے قیمتی مواد حاصل کر کے چند سو صفحات میں اس طرح سمیٹ لیا ہے کہ تمام اہم چیزیں آگئیں۔ کوئی بھی خاص اور قابل ذکر چیز چھوٹے نہیں پائی۔

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے زیادہ تر برامکہ کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔

۲- اعلام الناس بما وقع للبرامکہ مع بنی القباہ

یہ کتاب علامہ محمد المعروف بیدیاب الاثیری کی ہے۔ ۱۲۳۰ھ میں مصر میں چھپی۔ کتاب اپنے موضوع پر اچھی ہے لیکن اس میں بہت سی غیر متعلق باتیں بھی ہیں، مگر جو کام کی باتیں ہیں وہ کم نہیں ہیں۔ کافی مواد اس کتاب میں مل جاتا ہے۔ تقریباً دو سو صفحات

کی کتاب ہے۔ ٹائپ بہت باریک، ایک صفحہ میں اٹھائیس سطریں۔

۳۔ البرامکہ

یہ کتاب مولانا عبدالرزاق کانپوری کی ہے۔ مولانا نے تاریخ پر دو کتابیں لکھیں۔ ایک البرامکہ، دوسری نظام الملک طوسی، اور کوئی شبہ نہیں تاریخی تحقیق و تنقید کے اعتبار سے یہ دونوں کتابیں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مولانا کو خدا نے علم بھی دیا تھا اور علم کے ساتھ قوتِ مددکہ، اور قوتِ اخذ و التقاط بھی۔ یہ کتابیں لکھ کر انہوں نے علامہ شبلی جیسے مورخ بیگانہ سے خراجِ تحسین حاصل کیا جو ادیبینے میں بالکل فیاض نہیں تھے۔ یہ کتاب آج سے تقریباً پچاس برس پہلے لکھی گئی تھی۔ جس زمانہ میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اس وقت تک مصادر و ماخذ کا ذخیرہ عالم اسلام میں عام طور پر اور متحدہ ہندوستان میں خاص طور پر بہت کم تھا۔ لہذا مولانا کو انہی کتابوں پر قناعت کرنا پڑی جو ہندوستان میں دستیاب ہو سکیں۔ آج بھی اردو کا مصنف اتنی سکت نہیں رکھتا کہ تحقیقاتِ علمی کے سلسلے میں ممالکِ غیر کا سفر کر سکے۔ لیکن آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تو مصنف کے لیے علمی تحقیقات کے سلسلے میں ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانا بھی جوتے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ان مشکلات و موانع کے باوجود مولانا نے جو کچھ لکھا وہ انہی کا حق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

۴۔ ہارون رشید

یہ کتاب مسٹری ایچ پامر کی ہے جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے۔ اردو میں اس کا ترجمہ حسام الدین نے کیا ہے۔ بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ کتاب بہت اہم معلومات کی جامع ہے۔ کسی قوم کی تاریخ پر جب غیر قوم کا کوئی آدمی لکھتا ہے تو اگرچہ اس کی نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو اور تحقیق و تدقیق اس کا شعار ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ پامر سے بھی کہیں کہیں لغزشیں ہوئیں۔ لیکن ہم نے

خدا صفا اور روح پاکہ کے اصول پر عمل کیا ہے۔ بعض فرودگذاشتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پامرنے اس کتاب کے مرتب کرنے میں بے انتہا محنت کی ہے اور جتنے مصاویر اور ماخذ بہم پہنچ سکتے تھے ان سب سے کام لیا ہے۔

ہارون رشید کا زمانہ خاندان عباسیہ کے اوج و عروج کا زمانہ ہے۔ اسی زمانہ میں جملہ قسم کے علوم و فنون عربی زبان میں منتقل کیے گئے۔ یونان کے فلاسفہ، ہندوستان کے پنڈت، عیسائی علماء، مجوسی حکماء۔ ان سب کو گراں قدر مشاہرے دے کر اور انعامات عطا کر کے اس نے اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ اور بعد ازاں حقیقی معنی میں دارالعلمت اور بیت العلم بنا دیا تھا۔ یہ لوگ اپنے علم کو، اپنی زبان کے علوم کو خود اپنے نیا ہیچ فکر کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالتے تھے۔ اور پھر عرب محققین اور مفکرین کی جماعت ان کو نقد و نظر کی کسوٹی پر جانچتی اور پرکھتی تھی۔ اس کی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھی اور خود اپنی طرف سے پیش بہا اصلاح بھی کرتی تھی۔ سب کچھ اس لیے تھا کہ ہارون رشید خود بھی بہت بڑا عالم تھا۔ علم سے اسے غیر معمولی شغف اور لگاؤ تھا۔ وہ حدود پر علم دوست اور عالموں کا قدردان تھا۔ علوم و فنون اور شعروادب پر تعلیموں کے منہ کھول دیتا تھا اور ہر ممکن طریقے سے شائقین کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

پامر صاحب نے دیانتداری کے ساتھ ہارون کی رزم و بزم کی داستان بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔

۵۔ کتاب الاغانی

یہ کتاب عربی زبان میں شعروادب کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جس صفائی، چابک دستی اور مصورانہ فن کاری کے ساتھ اس کتاب میں شاعروں، ادیبوں، مغنیوں اور ان کے سرپرست امیروں، وزیروں اور بادشاہوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ اتنے دلچسپ ہیں کہ ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر قرار نہیں آتا۔ یوں تو یہ کتاب کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے اور عرصہ دراز سے نایاب بھی ہے

لیکن مصر سے اس کی تلخیص شائع ہو چکی ہے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو اور سید ہاشمی صاحب فرید آبادی نائب متمد انجمن ترقی اردو کے ایما پر سولہ سترہ سال ہوتے میں نے اس کا ترجمہ کیا تھا جسے فرید آبادی نائب متمد انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے شائع کیا تھا۔ میں نے اس کتاب کو بھی ہارون رشید اور اس کا عہد ترتیب دیتے وقت پیش نظر رکھا ہے۔ اس میں جو حکایتیں اور روایتیں بیان کی گئی ہیں۔ مورخانہ حیثیت سے وہ کچھ زیادہ بلند پایہ نہیں ہیں لیکن یہ سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی اہم یا نثری مسئلہ تاریخ کی روشنی میں بیان کرنا مقصود ہو۔ عہد ہارون رشید کے مخصوص حالات و کوائف پر تو اس سے استناد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عہد ہارون رشید کی معاشرت، سوسائٹی امرار کی داد و ہوش، خلیفہ کی فیاضی، فن کاروں کا عروج، ادیبوں اور شاعروں کے واقعات، مغنیوں کے فنی کمالات، کئیوں اور باندیوں کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی شوخی اور طراری، ادب و شعر میں ان کی دستگاہ کامل، ذوقِ سلیم اور انتہائی اونچا معیار زندگی، یہ سب چیزیں جو اپنے تو اترا اور تسلسل کے اعتبار سے تاریخ بن چکی ہیں۔ ہمیں صرف کتاب الاغانی ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر عہد عباسیہ اور خاص طور پر عہد ہارون رشید کی مجلس طرازیوں، رنگ آرائیوں، ادب نوازیوں اور عیش و تنعم کی زندگی کا سراغ لگانا ہو تو الاغانی سے بہتر اور اچھا ماخذ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ عام طور پر محققین اور فضلا کی جماعت اپنی تاریخی کتابوں میں جب شعر و ادب، رقص و نغمہ محفل و نشاط اور مجلس طرب کے واقعات بیان کرتے ہیں تو الاغانی، کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے یہی کتاب ہے جو انہیں اس موضوع سے متعلق نہایت مکمل اور جامع معلومات دیتا کرتی ہے۔

بلاشبہ عربی زبان میں محاضرات پر بہت سی کتابیں ہیں، قدیم بھی اور جدید بھی، لیکن کوئی کتاب بھی الاغانی، تک نہیں پہنچتی اور یہ ہے کہ جب تک الاغانی سے استفادہ نہ کیا جائے اس طرح کی کوئی اور کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی۔

میں نے عہد ہارون کی معاشرت اور ادبی ماحول کے سلسلے میں انہی کتاب کو پیش نظر رکھا ہے اگر ایسا نہ کرتا تو کتاب تشہ اور نامکمل رہ جاتی اور میں اسے گوارا نہیں کر سکتا۔

۴۔ تاریخ اسلام

علامہ سید سلیمان ندوی کی رہنمائی میں درالمصنفین کے فاضل رفقا نے تاریخ اسلام کے مختلف زمانوں پر مہابت مستند اور جامع و مانع کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں اتنی مکمل مستند اور تحقیقی اعتبار سے بلند پایہ کتاب نہیں مل سکتی۔

تاریخ اسلام کا وہ حصہ جو عہد بنو عباس پر مشتمل ہے مولانا شاہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمایا ہے اور بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ کتاب حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ عربی کے مستند ترین مصادر سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ میں نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے اور فخر کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اگر یہ کتاب میرے پیش نظر نہ ہوتی تو شاید اپنی کتاب آسانی سے مرتب نہ کر سکتا۔

۵۔ عصر الماموں

یہ ضخیم کتاب مصر سے شائع ہوتی ہے اور یوں تو ہارون کے بیٹے ماموں کے عہد حکومت اور اس کے عہد کے زیریں کارناموں پر مشتمل ہے، لیکن ان میں جسے عہد ہارون سے متعلق بھی خاصا مواد مل جاتا ہے جو مہابت مفید اور دلچسپ ہے۔ میں نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا تمام و کمال ترجمہ اردو زبان میں شائع کیا جائے۔

۸۔ الفخری

عربی زبان میں تاریخ کی جتنی مستند، متداول اور مافی ہوتی کتابیں ہیں، الفخری شاہ ان سب سے مختصر ہے لیکن اختصار کے باوجود جامعیت کا یہ عالم ہے کہ کئی ضخیم جلدات پر بھاری ہے کہ صحت و استناد میں کوئی کتاب اس سے ٹکر نہیں کھاتی۔ اس کتاب کا سب سے

بڑا قابل تعریف اور لائق تقلید پہلو یہ ہے کہ مصنف نے کہیں بھی تاریخی واقعات پر اپنے تاثرات اور رجحان کو اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دیا ہے یا کم از کم اسے ظاہر نہیں ہونے دیا، واقعات تاریخی کے ذکر میں تحقیق ہے اور ساتھ ہی ساتھ ناظر فدا راہ بیان۔ یہی چیز ہے جس نے اس کتاب کو حد درجہ دقیق بنا دیا ہے اور محققین کی بزم میں جب اس کا ذکر آتا ہے تو اعتراضات میں گردن جھک جاتی ہے۔ میں نے اس کتاب کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

۹- الہاروں

یہ مشہور عربی انشا پرداز اور مورخ عمر ابو النصر کی مختصر لیکن جامع و مانع کتاب ہے فاضل موقت نے موضوع کو سمیٹنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے ترجمہ محمد احمد صاحب پانی پتی نے کیا ہے اور اختتامیہ مولانا اسماعیل صاحب نے بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔

۱۰- الماموں

علامہ شبلی نعمانی نے مشاہیر اسلام کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کی ایک کڑی الماموں بھی ہے۔ مولانا عباسی خاندان میں سب سے با عظمت خلیفہ ماموں کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے نہایت تحقیق کے ساتھ اس موضوع پر انہوں نے قلم اٹھایا۔ ضمناً اس میں عہد ہارون کے بھی بعض واقعات ملتے ہیں جن کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

۱۱- سیرۃ النعمان

امام اعظم ابو حنیفہ کی سوانح عمری علامہ شبلی نعمانی نے مذکورہ نام سے تصنیف فرمائی تھی اس کتاب میں جہاں امام اعظم کے حالات و سوانح پر بسط و تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہاں اختصار و ایجاز کے ساتھ امام اعظم، تلامذہ، اور معاصرین کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے وہ لوگ جو عہد ہارون اور جعفر زبکی سے تعلق رکھتے تھے میرے موضوع میں شامل تھے۔ ان

کے حالات و سوانح کے سلسلے میں اس کتاب سے جو مدد ملی ہے اس کا اعتراف میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

۱۲- ادب الجاحظ

یہ کتاب حسن السدیوی کی تصنیف ہے۔ غالباً ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں مصر سے شائع ہوئی تھی اپنے استاد مولانا محمد سورتی صاحب کے پاس میں نے یہ کتاب دیکھی، پڑھنے کے لیے ان سے مانگ لایا، پھر اتنی پسند آئی کہ جب اردو میں ترجمہ کر لیا تب واپس کی۔

اوپر جن کتابوں کا مذکور ہوا ہے ان سے تو خاص طور پر موافق نے استفادہ کیا ہے لیکن ان کے علاوہ بھی موضوع زیر بحث سے متعلق عربی زبان کے جملہ متداول اور مشہور و معروف مصادر پیش نظر رہے ہیں۔

بارون رشید کے حالات و سوانح، اس کے عہد کے فتوحات، سیاسی معرکے، سازشیں، مخالفتیں، دراندازیاں، اس کی سیاسی قابلیت، اس کے مدبرانہ کارنامے، اس کی صولت و ہیبت، توسیع مملکت کے سلسلے میں اس کی سعی و کوشش، عرب قومیت سے اس کا تعلق خاطر، عربیت کے حفظ و بقا کے لیے اس کی جدوجہد، اس کے دربار گہر بارگہ کے مناظر، واقعات اور کیفیات، اس کے عادات و خصائل، اطوار و شمائل، خصوصیات مزاج، اس کی نفسیت اور جبلت، اس کے شمائل اور اوضاع، نیر انداز جہاں بانی اور فرمانروائی سے متعلق ایسی معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحیح مرقع نظر کے سامنے آجائے، نیز برائے کے عروج و زوال، داد و دہش، قدر دانی، علم و فن اور عام اطوار و اوضاع سے متعلق جو مواد پیش کیا ہے اس میں خیال رکھا ہے کہ کوئی اہم بات چھوٹے نہ پارتے اور تصویر بے جا کا ارتکاب بھی نہ ہونے پائے۔

احمد برائق کی کتاب "ابرامہ تحت ظلال الخلفاء" سے میں نے کافی استفادہ کیا ہے۔ یہ مصر سے شائع ہوئی ہے اور اس میں فاضل مصنف نے بڑا قیمتی اور نایاب مواد جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا تعارف میں آغاز میں کراچکا ہوں۔

عہد بارون، کی معاشرت، سوسائٹی اور عیاشی و تنعم سے جو مواد میں نے حاصل کیا ہے

وہ زیادہ تر کتاب الاغانی سے ماخوذ ہے کہ اس موضوع پر اغانی کے سوا کہیں اور مواد مل ہی نہیں سکتا۔
 مولانا عبدالعلیم شہر مرحوم نے اولگداز، کے صدر ہا پرچوں میں اور اپنی دلچسپ کتابوں
 کے ہزار ہا صفحات میں عربوں کے عہد نشاط و تنعم کی جو داستانیں بیان کی ہیں، خلفاء بنو عباس اور
 بنو امیہ کے جو اثر انگیز، دل نشیں اور ناقابل فراموش واقعات تحریر کیے ہیں وہ تقریباً سب کے سب
 کہ اغانی ہی سے ماخوذ ہیں جنہیں انہوں نے اب و رنگ کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں بیان کر
 دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا شہر کی عظمت و شہرت کا آغاز اغانی ہی کے مجلدات ہیں۔
 نکاد کے ابتدائی زمانہ میں مولانا نیاز پھوری بھی کبھی کبھی اپنے دلربا اور سحر طرازا انداز میں
 اسی طرح کے موضوعات چھیڑا کرتے تھے ان کا ماخذ بھی یہی کتاب تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اغانی ایسی کتاب ہے کہ جتنی پرانی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی جدید بنتی
 جا رہی ہے۔ آنے والے دور میں بھی اس کتاب کی عظمت و اہمیت میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔
 کماں کی حالت وہ ہے

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت!

یہ کتاب کتابِ دل، ہی تو ہے جس کی تفسیروں کا سلسلہ اردو زبان میں گزشتہ سو سال
 سے زیادہ مدت ہوتی جا رہی ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا اور عربی زبان میں تو اس کی
 عظمت اور علوتے مرتبت کی یہ کیفیت ہے کہ ادب و شعر اور حضرات کی کوئی کتاب اس سے
 اب تک ہمسر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

بہر حال میں نے کوشش کی ہے کہ ہارون رشید کے ساتھ انصاف کروں، اس کی شخصیت
 کو اس کے کارناموں کو، اس کے کمالات کو اجاگر کروں اور اس نے جو نقش قائم کیا ہے اسے
 جتنا زیادہ ابھار سکوں ابھاروں۔

لیکن میں نے خاندانِ برامکہ اور خاص طور پر کشتہ ستم جعفر برملی کے ساتھ بھی پورا پورا
 انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

شخصی حکومتوں کا سب سے زیادہ تاریک پہلو یہی ہے کہ یہ گاہے برسلائے برنجند
 گاہے بدوشانے خلعت دہندا، کوئی بات خلاف مزاج ہوتی اور معتب، جلاو کے حوالے

کیا گیا۔ اس کی املاک، جائیداد، جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اس کے عزیز اور رشتہ دار اور متوسلین چن چن کر ہدفِ جوہر بنالیے گئے۔ خاندان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے کی شخصی حکومتیں آج سے زیادہ مستبد تھیں۔ ان حکومتوں نے اپنے معماروں، محسنوں اور بھائیوں تک کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی اور خاندانِ عباسیہ نے تو اس سلسلے میں ریکارڈ قائم کر دیا۔

منصور نے ابو مسلم خراسانی کو موت کے گھاٹ دھوکا دے کر اتار دیا۔ حالانکہ وہ ابو مسلم خراسانی ہی تھا جس نے عباسی خاندان کو برسرِ اقتدار لانے کے لیے وہ سب کچھ کیا تھا جو ایک دجین، کسی کام کا بیڑا اٹھانے کے بعد کر سکتا ہے۔

ہارون نے جعفر کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ہارون کو ہارون بنانے والا صرف جعفر ہی تھا۔ ہارون کی عظمت و رفعت میں خاندانِ براہمہ کا عام طور پر اور جعفر برہکی کا خاص طور پر بڑا ہاتھ ہے۔

ماموں نے ذوالریاستین کی جان لی، حالانکہ اسی شخص کے طفیل وہ تختِ خلافت تک پہنچا تھا۔ اگر اس کی کارگزاری شامل نہ ہوتی تو شاید ماموں کو محروم تہا ہی رہنا پڑتا۔ اب اصل کتاب شروع کیجئے۔ تمہید و تعارف میں زیادہ وقت لینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

رئیس احمد جعفری
۸۹۔ ٹیگور پارک، لاہور

مندرجات

- ۱- مسند آرائے خلافت
- ۲- ہارون کا دور حکومت
- ۳- عہد فتوحات و کشور کشائی
- ۴- ہارون کی سفایاں اور بد عہدیاں
- ۵- غیر مسلموں سے رواداری، سخاوت اور عدل و انصاف
- ۶- ہارون کا بغداد
- ۷- سیر و شکار، تفریح و مشاغل
- ۸- ہارون اور زبیدہ
- ۹- عہد ہارون کی علمی ترقیاں
- ۱۰- عہد ہارون کے علماء، صلحاء، صوفیاء،
- ۱۱- امام ابو یوسف
- ۱۲- ابو معاویہ
- ۱۳- اسد بن عمرو
- ۱۴- ابن سماک
- ۱۵- حصص بن غیاث
- ۱۶- جعفر طیبی
- ۱۷- امام زفر
- ۱۸- عبداللہ بن مبارک
- ۱۹- فضیل بن عیاض
- ۲۰- امام مالک
- ۲۱- امام محمد
- ۲۲- عہد ہارون کے اطباء اور حکماء،
- ۲۳- منکہ
- ۲۴- صالح بن بہلہ
- ۲۵- کنکہ
- ۲۶- ضہیل، شاناق، جو در
- ۲۷- جبریل بن نجیشوع
- ۲۸- عہد ہارون کے ادیب، شاعر، فن کار
- ۲۹- ابوالفتاہیہ

- ۳۰- ابو نواس
 ۳۱- اصمعی
 ۳۲- ابن جامع
 ۳۳- اسحاق بن ابراہیم موصلی
 ۳۴- ابراہیم موصلی
 ۳۵- جاحظ
 ۳۶- عربوں کے علمی کارناموں پر ایک نظر
 ۳۷- شب گشت
 ۳۸- الف لیلہ کا ہارون رشید
- ۳۹- اغافی کا ہارون رشید
 ۴۰- ہارون کی وفات
 ۴۱- ہارون کے عہد پر بصرہ
 ۴۲- ہارون رشید اور پرامک
 ۴۳- خالد برمکی
 ۴۴- یحییٰ برمکی
 ۴۵- فضل برمکی
 ۴۶- جعفر برمکی
 ۴۷- تنظر باز گشت

تحقیقہ ہارون رشید

اخلاق و عادات، حالات و سوانح، شکل و شمائل،

دورِ کشور کشانی

۹۶۲۱۰

مسند آرائے خلافت

دورِ شاہزادگی ہارون کا دورِ شاہزادگی ذمہ نیک کش مکش، اضطراب اور ادبار و مصیبت کا دور تھا۔ اس کے باپ منصور نے ہادی کو ولی عہد نامزد کیا اور وصیت کی کہ ہادی کے بعد مسند آرائے خلافت اس کا چھوٹا بھائی ہارون ہوگا۔ تختِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد ہادی نے باپ کی وصیت کا لحاظ نہ کیا۔ اور اپنے بیٹے کو خلاف عہد ولی عہد نامزد کرنا چاہا۔ یہی برمیکی نے سمجھایا کہ ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس نے کہا اگر عہد کے خلاف ہارون کو ولی عہدی سے خارج کر کے آپ نے اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا تو جو فوج آج آپ کے اس ارادہ کی تائید کر رہے ہیں کل ان کے لیے بہت آسان ہو جائے گا کہ اس مثال کو سامنے رکھ کر جعفر کی بجائے کسی اور شخص کو اپنی مرضی سے ولی عہد بنالیں۔ لہذا قرین مصلحت یہ ہے کہ ہارون کے بعد وصیت کر دیے جائے کہ خلافت جعفر کو ملے گی۔ ہادی نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور یہی برمیکی کو خوالہ زندان کر دیا۔ ہارون کے یہ دن بڑے تعب اور کوفت میں گزرے اور ہر آن اُسے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قتل نہ کر دیا جائے۔ اسی دورِ ابتلا میں قسمت نے یادری کی۔ خیزران ہادی کی ماں تھی اور خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اس کے اقتدار و اختیار کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہادی نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ایک طرف تو اُسے معطل کر دیا، دوسری طرف ہارون پر نہ ختم ہونے والی زیادتیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آخر خیزران نے ہادی کو جب کہ ابھی اسے سریر آرائے خلافت ہوتے تھے صرف ایک

سال سے زیادہ مدت گزری تھی قتل کر دیا۔ اور اپنے چھوٹے بیٹے ہارون کے لیے میدان صاف کر دیا۔ یہ واقعہ شاہ کا ہے۔ ابن خلدون نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے، لیکن عام مورخین کا فیصلہ یہی ہے اور ابن خلدون کی رائے کو اس لیے اہمیت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اس طرح کی اُپدیح کا عادی ہے۔

ہادی کے انتقال کے بعد اسے یحییٰ یرمکی نے تختِ خلافت پر بٹھایا۔ عوام و خواص سے اس کے لیے بیعت لی۔ اور عالمِ اسلام میں اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری ہو گیا۔ ہارون نے یحییٰ کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائی تھی، وہی اس کا اتالیق تھا اور عین اس وقت جب کہ اس کے سر پر تلوار لٹک رہی تھی اور موت اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ وہ یحییٰ تھا جس نے اُسے ہلاکت سے بچایا۔

وہ یحییٰ تھا جس نے اُسے تختِ خلافت پر متمکن کیا۔

یہی وجہ تھی کہ ہارون اُسے بڑی محبت بھرے لہجے میں باپ کہا کرتا تھا۔ جب بھی اُسے مخاطب کرتا پدربزرگوار کے لفظ سے یاد کرتا: احسان شناسی کا مزید ثبوت یوں دیا کہ اسے اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔

صاحبِ ابرامک نے لکھا ہے:

تخت نشینی شنبہ کی رات ربیع الاول ۱۹۶ھ ۲۰ ستمبر ۸۱۱ء کی سولہویں تاریخ کو بڑی دھوم دھام سے بمقام عیسیٰ آباد ہارون رشید تخت نشین ہوا۔ مورخ صولی کا قول ہے کہ یہ رات بھی عجیب تھی جس میں ایک خلیفہ (موسیٰ ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون) تختِ خلافت پر بیٹھا۔ تیسرا (ماموں) عالم وجود میں آیا۔ جب صبح ہوئی تو ہارون کی بیعت عام طور پر ہو چکی تھی اور یحییٰ نے رات ہی رات کل انتظام کر کے ہارون الرشید کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔

ہارون کا سراپا سیدو طلی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں یہ الفاظ ذیل کہیںچا ہے۔

سراپا ہارون الرشید حسین، دراز قد، فصیح البیان، عالم اور اویب شخص تھا۔ ہر روز ایک سو رکعت نفل نماز ادا کرتا۔ اور روزانہ ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ اہل علم کو دوست رکھتا تھا، صوفیا کی عزت کرتا۔ ریاکاروں اور بے دینوں سے نفرت کرتا اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے اکثر روایا کرتا۔

تاریخ الخلفاء ص ۳۵

ہارون کا دور حکومت

ہارون الرشید کے دور حکومت کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر اعتبار سے اس کا دور ترقی اور کامرانی کا دور تھا۔ اس نے زندگی کے ہر گوشے کو اپنی حوصلہ مند یوں اور اولادوں میں سے نقطہ عروج پر پہنچا دیا۔ شعر و شاعری پر توجہ کی تو اس کی سرپرستی اور قدر دانی نے ایسے ایسے شاعر پائے تخت میں جمع کر دیے جو زبان و بیان، نطق و کلام اور فکر و خیال کے امام تھے۔ جب اُس نے فنِ غما پر توجہ کی تو اس کی داد و بخش لے ایسے ایسے فن کار اور موسیقار بغداد میں جمع کر دیے جن کا جواب آج تک تاریخ پیش نہیں کر سکی۔ علم و حکمت کی طرف متوجہ ہوا تو بیت الحکمہ قائم کر دیا جہاں دنیا کی تمام زبانوں کے علوم و فنون عربی زبان میں بڑی خوبی کے ساتھ منتقل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور انتہائے کمال کو پہنچ گیا جسکے یونانی اور دوسری زبانوں کے علوم و فنون سے متعلق جو کتابیں عربی میں منتقل کی گئیں انہیں ترجمہ کرنے والوں نے اس خوبی سے ترجمہ کیا کہ نئے نئے علوم و فنون کی بنیاد پڑ گئی عربی زبان میں تاریخ اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں الفخری، اپنی مثال آپ ہے۔ جامعیت اور استناد کے اعتبار سے اس کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی مورخ بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ابنِ طقطقی نے ہارون کے عہد حکومت پر جو رائے دی ہے وہ یہ ہے:-

”اس کا دور بہترین تھا، اُس کے زمانہ میں حکومت کا بڑا وقار تھا، اس

میں بڑی روتی اور بڑی بھلائیاں تھیں، اس کی سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع تھا۔ دنیا کے بڑے حصے سے خراج آتا تھا۔ والی مصر اس کا ایک عامل تھا، اس کے دربار میں جتنے علماء، فقہاء، شعراء، کاتب، ندیم اور گویے جمع ہوئے وہ کسی جلسہ کے دربار میں نہ تھے۔ وہ ان میں سے ہر ایک کو انعام دیتا تھا اور بڑے بڑے مدارج پر پہنچاتا تھا، خود بھی بڑا فاضل، شاعر، اخبار و آثار کاراوی اور صحیح المذاق تھا، خواص اور عوام سب کے دلوں میں اس کی اہلیت تھی۔

ہارون کے دور حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے وقت کے ایک بڑے مورخ نے لکھا ہے: دربارونی عہد میں سلطنت نہایت مضبوط، ملک شاد آبار، خزانہ معمور اور رعایا مرفحہ الحال تھی۔ اس کو رعایا کی صلاح و فلاح کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ بہ نفس نفیس اس کے حالات کی جستجو کرتا تھا۔ اس کی جستجو کے واقعات نے افسانوں کی شکل اختیار کر لی ہے لیکن یہ افسانے حقیقت سے خالی نہیں۔

اس نے خراسان کے اپنے ایک عامل کو معزول کرنے کے بارون کا انداز حکمرانی بعد کہ وہ انتہائی ظالم اور مستبد تھا، ہر قوم کو وہاں کا عامل بنا دیا، اور اس کے پروانہ تقریر میں جو ہدایتیں دیں طبری میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ خاص ہدایات یہ ہیں:

”میں تم کو خراسان اور اس کے تمام ماتحت علاقوں کا حاکم مقرر کرتا ہوں اور تم کو خدا کے خوف، اس کی اطاعت، اس کے احکام کی رعایت اور ان کی حفاظت کا حکم دیتا ہوں، جملہ امور میں کتاب اللہ کو اپنا رہنما بناؤ۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو، مشتبہ امور میں خود فیصلہ نہ کرو بلکہ دین کے واقف کاروں اور کتاب کے عالموں سے پوچھو۔ اور علی بن عیسیٰ اور اس کے متعلقین کے پاس حکومت، عام مسلمانوں اور ذمیوں کا جس قدر مل ناجائز ہو اس کو وصول کر کے ان کے مستحقین کو واپس پہنچا دو، اور بحرین کو موٹے کپڑے پہنا کر میرے پاس بھیج دو۔ میں نے اس حکم میں اپنے نفس کی خواہش کے

مقابلے میں (ہارون علی بن عیسیٰ کو بہت ماتا تھا) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور
 دین کی حرمت کو ترجیح دی ہے۔ اس لیے تم بھی اس کی تعمیل کرو اور جن جن
 علاقوں سے تمہارا گزر ہو وہاں کے حکام کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کرو
 کہ وہ تم سے متوحش، مشتبه اور خوفزدہ نہ ہوں۔ خراسان کے سرحدی علاقہ سکوک
 کے باشندوں کی خواہش کو پورا کرو اور ان کی معذرت قبول کر کے ان کو امان
 دو۔ سرحدی علاقوں کے باشندے علی بن عیسیٰ کے ظلم و جور کی وجہ سے
 آمادہ بغاوت ہو گئے تھے، اور ایسا طرز عمل اختیار کرو کہ جس سے اللہ
 تعالیٰ، خلیفہ اور رعایا سب کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو۔

علمی کارنامے جیسا کہ ہم نے شروع میں بتایا ہے علمی اعتبار سے ہارون کا عہد حکومت
 نہایت شاندار اور قابل فخر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو نعمتیں عطا فرمائی

تھیں ان میں سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ وہ بکھ لٹ تھا۔ عالموں، فن کاروں اور ضرورت مندوں
 پر بے دریغ روپیہ صرف کر دینا اس کا شعار تھا۔ خطیب بغدادی نے وضاحت اور تفصیل
 کے ساتھ علم اور علماء، حدیث و محدثین، فقہ اور فقہاء، شعرا اور شعراء سے اس کے
 غیر معمولی تعلق خاطر اور اس سلسلے میں بے محابا جود و عطا کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ ادیبوں
 اور عالموں کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔

اس کا دربار ہر صنف کے اصحاب کمال کام کرتا تھا۔ اس کے تمام وابستگان دولت
 اور متعلقین خاص اپنے اپنے کمالات میں منتخب روزگار تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہارون
 کے پاس جیسا نورتن جمع تھا وہ کسی فرمانروا کو میسر نہ آیا۔ اس کے وزیر برامکہ تھے، اس کے

قاضی ابویوسف تھے، اس کا درباری شاعر مروان بن ابی صفحہ جیسا قادر الکلام تھا جو اپنے
 زمانہ کا جریر شمار کیا جاتا تھا۔ اس کا ندیم عباس بن محمد تھا، اس کا حاجب فضل بن عباس
 جیسا مزاج خلعت تھا۔ اس کا منشی ابراہیم موصلی جیسا یگانہ روزگار گویا تھا۔ اس کی بیوی
 ام جعفر زبیدہ، مخیر خاتون تھی۔ جس نے نیکی اور رفاہ عامہ کے بہت سے کام انجام
 دیے۔

315000000/- سالانہ آمدنی (مروغی) بارون رشید کے زمانہ میں خراج کی

سالانہ آمدنی سات ہزار پانچ سو

قنطار تھی۔ ایک قنطار اٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے اور بموجب تحقیق گبن اور دیگر مورخین کے دینار کم از کم پانچ روپے کا ہوتا ہے۔ اگر اس آمدنی کو روپوں میں معلوم کیا جائے تو سلطنت کے خراج کی سالانہ آمدنی اس کو روپے چاس لاکھ روپے کی تھی۔ ہر صوبہ کا خراج الگ الگ مقرر تھا۔ علاوہ زر نقد کے خراج میں بہت سی دیگر اشیاء بھی سالانہ آتی تھیں مثلاً

حلی، لشکر، گلاب کی بوتلیں، زیت سیاہ، مین کے تھان، کھجور، عود ہندی، ریشمی تھان، خوشبودار

فانیفہ، گھوڑے، غلام، ہلید، نقرہ گچاندی، ریشم، شہد، فرشی چادریں، منڈیل، باز

(جانور) رب الرمانین، پختہ، پچھڑے، زقم (قسم پھل) سورماہی وغیرہ۔ ہر صوبہ کا گورنر

یا عامل ہوا کرتا تھا۔ اور یہ رقم گویا بطور ٹیکہ کے عاملوں سے لی جاتی تھی۔ اس طرح سے

گویا یہ آمدنی سالانہ صرف خراج کی تھی۔ ٹیکس کی آمدنی کسی قسم کی نہ تھی۔ اس کے علاوہ

عشر اور جزیہ اور زکوٰۃ کی الگ الگ آمدنی تھی۔ اور اگر وہ سب آمدنی اور ایشیا کی قیمت

ملالی جاتے تو قریباً چالیس کروڑ روپے سالانہ آمدنی تھی۔ سالانہ آمدنی

ماخذ: تاریخ اسلام حصہ سوم، المغزی، خطیب بغدادی، طبری، نیز ابراہیم،

بارون رشید (پامر)۔

صوبوں کے گورنروں کو فوجی اختیارات ہوا کرتے

خلیفہ بارون کی فوج کی تعداد تھی۔ ضرورت کے مطابق عامل جس قدر چاہے

فوج نوکر رکھ سکتا تھا۔ اگر کسی صوبہ میں کوئی بغاوت نمودار ہوتی تو اس وقت اور فوج

نوکر رکھ لی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں توپ، بندوق یا بارود کوئی چیز ایجاد نہیں ہوئی تھی

اس لیے صرف تیز تلوار اور نیزے سے لڑائی ہوا کرتی تھی۔ زمانہ حال کی طرح ہمیشہ قواعد

سکھانے یا ہمیشہ مشق کرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر کسی صوبے کا عامل یا گورنر بغاوت

پر آمادہ ہو جاتا تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بارون رشید کسی دوسرے صوبہ کے عامل کو اس کی

سرکوبی کے لیے روانہ کر کے بغاوت فرو کر دیا کرتا تھا۔ ایسا موقع بہت کم آتا کہ جس میں

خلیفہ کو اپنی خاص فوج بچھنے کی ضرورت ہوتی اور جب کبھی خلیفہ ہارون جہاد پر جانا تو جہاد کا نام سنتے ہی تمام ملک آج کے والیوں کی طرح لڑنے کے لیے اُمنڈا آتا تھا۔ اور ایسی ہی دیگر ضرورتوں کے وقت جس قدر فوج درکار ہوتی فوراً نوکر رکھ لی جاتی تھی۔ ماموں رشید کے زمانہ تک فوج کی تعداد دو لاکھ تھی اور یہ فوج ہمیشہ کے لیے تھی۔ اس فوج کے سپاہیوں کا نام، حکمیہ دفتر شاہی میں تحریر تھا اور ان کو ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔ یہی حال خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھا۔ غرضیکہ ہارون الرشید کی مقررہ فوج کی تعداد دو لاکھ تھی۔ اس جانناز فوج کے دلیرانہ کارنامے تاریخ شجاعت میں نہایت جلی اور سنہری الفاظ میں لکھے جائیں گے۔ اس میں عرب کی ایسی اقوام شامل تھیں جنہوں نے بہادری میں تمام دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا تھا۔

عہدِ فتوحات و کشور کشائی

بارون کا عہدِ فتوحات و کشور کشائی اتنا روشن اور تابناک ہے کہ اس کی مثال اموی اور عباسی اور بعد کی خلافتوں میں بھی مشکل سے ملے گی۔

وہ بڑا شجاع اور بہادر تھا، جنگ کے موقعوں پر لشکر کی قیادت خود کیا کرتا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی اس کے عہد میں دنیا کے اتنے وسیع رقبہ پر اس کا قبضہ نہ رہتا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں غصہ بھی بلا کا تھا۔ پھر ایک عجیب اس میں یہ تھا کہ وہ انتہا درجہ کا وہمی تھا۔ چنل خوروں کی باتیں غور سے سنتا تھا اور ان پر فوراً یقین کر لیتا تھا۔ اگر اسے سلطنت کے کسی عہدہ دار کے خلاف جھوٹی سچی کوئی شکایت پہنچتی تو اس کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس وقت کوئی شخص اس سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر دشمن اس کے قابو میں آجاتا تو اسے عبرتناک سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ اس نے کسی دشمن کو معاف کر دیا ہو۔

پامرنے بارون کے عہدِ فتوحات و کشور کشائی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے :

بارون الرشید کے زمانہ کے بعض مورخین اس کی اس قدر تعریف نہیں کرتے لیکن یہ بات خوب ذہن نشین کر لیں اور یاد رکھنی چاہیے کہ خلافت کی تاریخ میں بارون کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ ایک نہایت ہی اعلیٰ ترین اور شوکت و رونق کا زمانہ ہے۔ اس کی حکومت میں سلطنت کی حدود اتنی

وسیع ہو گئی تھیں کہ اتنی پھر کسی زمانہ میں نہیں ہوئیں۔ مشرقی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اور مغربی افریقہ کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے زیرِ نگیں اور تابع فرمان تھا اور ان ملکوں سے اس کے خزانہ میں خراج آیا کرتا تھا۔ شہر بغداد اس زمانہ میں اپنے کامل عروج اور کامل رونق پر تھا۔

ہارون کی وفات کے فوراً بعد ہی بغداد کی رونق کم ہونا شروع ہو گئی اور سلطنت سے یکے بعد دیگرے صوبے نکلنا شروع ہو گئے اور خود خلیفہ کی طاقت اور حکومت جلد جلد کم ہونے لگی۔ مسلمان مورخین اس سبب سے بھی گزشتہ شان و شوکت کے زمانہ کی تعریف کرتے ہیں اور ہارون کی سلطنت اور شوکتِ عظیم کو بیان کیے جاتے ہیں۔

ایک اہم معرکہ ہارون کا عہد بیرونی فتوحات کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ اس کے زمانہ میں رومیوں کے ساتھ خاص طور سے بکثرت معرکہ آریاں ہوئیں۔ بعض مہموں میں خود ہارون شریک ہوتا تھا اور بعض میں خاندانِ شاہی کے معزز ارکان کو افسر بنا کر بھیجتا تھا۔ رومی ممالک پر تقریباً ہر سال فوج کشی ہوتی تھی۔ ۱۸۱ھ میں خود ہارون نے صفصات کا قلعہ فتح کیا اور اسی سن میں عبد الملک بن صالح ایشیائے کوچک میں انقرہ تک بڑھتا چلا گیا اور مظمورہ فتح کر لیا۔ ۱۸۷ھ میں قاسم بن رشید نے قرہ کا محاصرہ کیا اور عباس بن جعفر نے حصن سنان کا، یہاں کے لوگوں نے محاصرہ سے گھبرا کر تین سو بیس مسلمان قیدیوں کو جو ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے رہا کر کے صلح کر لی۔

اس سلسلے کا سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک پر حملہ تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی ملکہ رینی (ایرینی) ہارون کی باجگزار۔ رومیوں نے جب اس کو معزول کر کے نقتنودر نیسی فوراً کو مقرر کیا تو اس نے ہارون کو لکھ بھیجا کہ ملکہ اپنے بچاؤ کے لیے تم کو رخ کی جگہ استعمال کرتی اور اپنی خلتی کمزوری اور ضعفِ عقلی کی وجہ سے تم کو خراج دیتی تھی۔ حالانکہ تمہیں خود اس کو خراج دینا چاہیے تھا اس لیے میرا خط دیکھتے ہی جس قدر دیر تم وصول کر چکے ہو فوراً واپس کر دو ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔

یہ خط پڑھ کر ہارون جوشِ غضب سے لبریز ہو گیا اور اسی کی پشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”امیر المومنین کی طرف سے روم کے کتے نقتنوز کو معلوم ہو کہ میں نے تجھ

کا فریبچے کا خط پڑھا تو اس کا جواب آنکھوں سے دیکھے گا۔“

یہ جواب بھیج کر اسی وقت فوجوں کو کوچ کا حکم دیا اور ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے ہرقلہ فتح کیا۔ بہت سی آبادیاں برباد کر ڈالیں۔ نیسی فور میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس کو خراج دے کر صلح کرنی پڑی۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ مسلمان ایشیائے کوچک کی سردی برداشت نہ کر سکتے تھے اس لیے ہارون کے لڑتے ہی وہ عہد و پیمان سے پھر گیا۔ ہارون کو راستے میں اس کی خبر ملی، وہیں سے وہ پلٹ پڑا، اور ایشیائے کوچک کو پوری طرح پامال کر کے واپس ہوا۔ اور دوسرے سال ۱۸۸ھ میں ابراہیم بن جبریل کو بھیجا۔ نیسی فور نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھاتی اور اس کے ۴۰ ہزار آدمی مارے گئے۔

یورپین مورخین میں لیبیان نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

نیسی فور کی اس بد عہدی کے انتقام میں ہارون نے رومی سلطنت کے مختلف حصوں پر عام یورش کر دی۔ داؤد بن عیسیٰ نے متعدد مقامات فتح کیے۔ شرجیل بن معن نے حصن صقلیہ اور ولسنہ یزید بن مہلد نے صفصاف اور مغلونہ کو فتح کیا۔ اور حمید بن معیوف نے سواحل شام اور مصر میں فتوحات حاصل کیں اور سترہ ہزار رومی قیدی کیے۔ خود ہارون طوانہ کی طرف بڑھا۔ اس پہم یورش سے نیسی فور گھبرا گیا۔ اور جزیرہ و خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان فتوحات کے علاوہ قونیہ اور اناطولیہ کے بعض دوسرے مقامات بھی فتح ہوئے۔

شام رومیوں کا بہت نازک مورچہ تھا، اسلامی تسلط کے بعد مسلمان اسی کو مرکز قرار دے کر براہِ خشکی اناطولیہ کی طرف بڑھے تھے۔ اور قونیہ و انگورہ پر بھی اسی راستے سے قابض ہوئے تھے۔ اس لیے رومیوں کو شام واپس لینے کی فکر دامن گیر تھی۔ لیکن خشکی کے راستے

سے حملہ کا دروازہ بالکل بند تھا، کیونکہ اناطولیہ میں قونیہ تک مسلمان قابض تھے اس لیے وہ بحر روم کی طرف سے شام کے ساحل پر بحری حملے کرتے تھے۔ ہارون نے اس خطرہ کو مٹانے کے لیے سواحل شام پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، قلعے بنوائے اور طرس، عین زبرہ اور ہارونہ بسایا اور مصیصہ کو ازبیر نو مستحکم کر کے ان شہروں میں مسلمان آباد کیے اور دوسرے کے شورش پسندوں کو جلا وطن کر دیا۔

کریٹ اور قبرص کی فتح اپنی سلطنت کے فتنہ و فساد رفع کرنے اور مسلمان دشمنوں سے جنگ میں مصروف رہنے کے علاوہ خلیفہ ہارون کو سلطنت روم رینز نطاتن، یا خوزار کی غیر مہذب اقوام ترکمانوں سے ہمیشہ لڑائیاں کرنی پڑتی تھیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک دشمن کے مقابلے کے لیے وہ اپنی نہ رکنے والی مسلمانوں کی تمام فوج کو نہ بھیج سکتا تھا کیونکہ اس کی بہت سی فوج سلطنت کے کسی نہ کسی حصے میں بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف رہتی تھی۔ تاہم ہارون یونانیوں کی سلطنت روم پر ہر سال حملہ کرتا رہتا تھا۔ اور ہر سال خود ایک نائب کو جہاد پر بھیجتا تھا اور ہر مرتبہ فحشیاپ ہو کر غنیمت میں بہت سامان و دولت اور لونڈی غلام لایا کرتا تھا۔ ۷۹۱ء میں جاڑے کے موسم میں ایک بار عربوں کے لشکر کو شکست ہوئی۔ لیکن عربوں کے بیان کے مطابق کریٹ میں اور رومی (یونانی) مورخین کے بیان کے بموجب قبرص کی بحری لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ یونانی امیر ایمر تھیوفیلوس گرفتار ہو کر ہارون کے حضور لایا گیا۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ دو باتوں میں سے ایک بات قبول کرو، اسلام یا موت، جب اُس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تو اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔

ہارون الرشید نے ۷۹۸-۷۹۷ء میں یونانیوں کے شہر صمصاف پر قبضہ کر کے عبد الملک بن صالح کو یونانیوں کے ملک میں اور اگے روانہ کر دیا۔ عبد الملک شہر اکیرائک بڑھتا چلا گیا یونانیوں کے شہنشاہ قسطنطین کو اس کی ظالم والدہ نے اندھا کر دیا۔ اس کے بعد جو واقعات یونان میں ہوتے ان سے یونانیوں کی ہمت اور بھی ٹوٹ گئی۔ طرفین کے قیدیوں کے تبادلے کے بعد اور یہ تبادلہ عیاسیوں کے زمانہ میں اول ہی مرتبہ تھا، عرب اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

یونانیوں سے چار برس کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا اور سلطنتِ روم کی شہنشاہ بیگم ایرینی نے خلیفہ کو ایک کثیر المقدار خراج دینا منظور کر لیا۔

اس طرف اہالیانِ خوزار یعنی ترکمانوں نے ارمینا پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ چونکہ ہارون الرشید ان کو اپنی سلطنت کی حدود سے نکالنے کے لیے اس طرف گیا ہوا تھا، لہذا اس سال وہ سلطنتِ روم کے غیر محفوظ مقاموں کو ختم کر کے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔

۳۲۰ فاسفورس (لقنور) نے سلطنتِ روم پر قبضہ کر لیا، خلیفہ کی اس سے پھر جنگ شروع ہوئی۔ اس نے شہنشاہِ روم (یونان) نے ہارون کو یہ خط لکھا:

” فاسفورس شہنشاہِ یونان کی جانب سے ہارون الرشید شاہِ عرب کو معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے جو یہاں تخت نشین تھی وہ اپنے تئیں نہایت کمزور اور تم کو بڑا ہی زبردست خیال کرتی تھی۔ اسی لیے وہ تم کو خراج دیا کرتی تھی، حالانکہ اس رقم سے دو ہزار خراج خود تم کو ادا کرنا چاہیے تھا۔ چونکہ وہ عورت تھی، وہ اس کی کمزوری و حماقت تھی، مرقوم ہے کہ جس قدر خراج سلطنتِ روم سے تم کو اب تک وصول ہو چکا ہے وہ سب اور نیز وہ رقم جو اپنے اس جرم کی معافی کے عوض ادا کرنا چاہو یہ سب میرے پاس بھیج دو، ورنہ میرے اور تمہارے درمیان تلوار سے فیصلہ ہو گا۔“

جب ہارون الرشید نے خط پڑھا تو اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ امرار اور وزرار کسی میں اس کی جانب آنکھ اٹھانے کی مجال نہ ہوئی، گفتگو کرنا تو درکنار رہا۔ اس لیے تمام درباری خوفزدہ ہو کر اس کے سامنے سے چلے گئے۔ تب خلیفہ نے دوات اور قلم منگا کر اپنے قلم سے فاسفورس کے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امیر المؤمنین ہارون الرشید کی جانب سے فاسفورس سگِ روم کو معلوم ہو کہ اے پسرِ کافر تمہارا خط میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب کانوں سے سننے

کے بجائے تم آنکھوں سے دیکھ لو گے۔“

ہارون اسی دن مع فوج کے یونان کی طرف روانہ ہو گیا اور شہر ہریکلی (ہرقلہ) کو فتح کر کے بلا دیا اور ویران کر ڈالا۔ پھر یونان کا بہت سا علاقہ فتح کر ڈالا، یہاں تک کہ ناسفورس نے جو ایک باغی مسیحی بارڈینس کی سرکوبی میں مصروف تھا مجبوراً صلح کے لیے التجا کی۔ یہ صلح آخر کار خلیفہ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ ناسفورس ہر شہر ماہی خراج ادا کیا کرے۔

لیکن ہارون الرشید جب واپس گیا اور رقم پہنچا تو ناسفورس نے بارڈینس پر فتح پالی اور یہ خیال کر کے کہ آج کل سردی نہایت سخت پڑتی ہے اس لیے واپس آ کر اب میرے ملک پر حملہ نہیں کر سکے گا معاہدہ فسخ کر دیا، جب اس امر کی اطلاع رقم میں پہنچی تو ہارون سے یہ واقعہ کہنے کی کسی میں ہمت نہ پڑی۔ اس خیال سے کہ ایسے سخت موسم میں کہیں خلیفہ اسی کو لڑائی پر نہ بھیج دے۔ آخر کار ایک شاعر نے اشعار کے ذریعے اس امر کی آگاہی خلیفہ کو دی جن کا مطلب یہ تھا کہ ناسفورس نے وہ معاہدہ فسخ کر ڈالا جو امیر المؤمنین نے اس سے کیا تھا۔ لیکن اُمید ہے کہ اس نقص معاہدہ سے وہی برباد ہو گا۔ خلیفہ کو یہ خوشخبری دینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک بڑی فتح عنایت کرے گا اور وہ ایسی فتح ہو گی جو ہمارے زمانہ کی تمام فتوحات سے زیادہ شان و شوکت والی ہو گی۔ جب ہارون کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ کیا ناسفورس نے معاہدہ منسوخ کر دیا؟

وہ وزیروں سے بہت ناراض ہوا کہ انہوں نے اس امر کی اطلاع بھی نہ دی اور مجھ کو دھوکے میں رکھا۔ خلیفہ اسی وقت سرحد یونان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اگرچہ سردی نہایت سخت تھی اور مسلمانوں کو بڑی مصیبت برداشت کرنا پڑی لیکن ہارون الرشید نے ناسفورس کو سخت شکست دی، یونان کی چالیس ہزار فوج قتل ہوئی۔ آخر کار بعد تبادلہ اسیران طرفین میں پھر صلح ہو گئی۔ علی بن عیسیٰ خراسان میں بغاوت برپا کر رکھی تھی، جس کا آئندہ تذکرہ ہو گا۔ اس سے یونانیوں نے فائدہ اٹھانا چاہا اور پھر دشمنی کا اظہار کر دیا۔ ہارون نے ایک لاکھ ۳۵ ہزار فوج سے حملہ کر کے ہریکلی فتح کر لیا اور ہارون الرشید کے جنریلوں نے ملک روم کے دیگر تمام قلعہ جات فتح کر کے منہدم کر دیے اور خلیفہ کے بیڑے کے

جہازوں نے جزیرہ قبرص کے قریب ۱۷ ہزار یونانیوں کو گرفتار کر کے ملک شام روانہ کر دیا۔
 نائسفورس کی اب کے بار بالکل ہمت ٹوٹ گئی اور وہ شکستہ دل ہو گیا۔ مجبوراً اس نے
 نہایت عاجزانہ شرائط منظور کر کے صلح کی التجا کی۔ اپنے اور اپنے بال بچوں اور بیوی وغیرہ
 کا جزیرہ منظور کیا اور اقرار کیا کہ ہر پہلی کو اب کبھی آباد نہ کروں گا۔

مغربی حکومتوں سے ہارون الرشید کے تعلقات
شارلیمان اور ہارون الرشید مختلف اور جداگانہ نوعیتوں کے تھے جو مغربی

فرمانروا اس کی جبروت و جلال، حاکمیت و بالادستی اور اقتدار و اختیار کی وسعت کو تسلیم
 کر کے سر نیاز خم کر دیتا تھا۔ اس سے ہارون کا برتاؤ اخوت اور محبت کا ہوتا تھا۔ لیکن
 اگر کوئی اکرٹا تھا اس کی قوت اور دبدبہ کو چیلنج کرتا تھا۔ اس سے ٹکر لینے کی کوشش کرتا
 تھا تو ہارون بھی اس وقت تک چین نہ لیتا تھا جب تک اس کی قوت پارہ پارہ نہ کر دے۔

ہم پڑھ چکے ہیں کہ ہارون نے دستگیر روم، گوکس انداز میں مخاطب کیا اور کس طرح
 اس کی سرکوبی کی تھی۔ لیکن مغربی روم کے فرمانروا شارلیمان کا برتاؤ بالکل دوسرا تھا۔
 اس سلطنت کا حاکم شارلیمان، شاہ فرانس تھا، شارلیمان نے لمبارڈیا پر قبضہ کر کے

سیکسن قوم کو جو جرمنی میں رہتی تھی اور بت پرست تھی عیسائی بنا لیا، پھر اس نے جرمنی
 اور اٹلی کو بھی فتح کر لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں
 لاکر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے اور خلافتِ اسلامیہ میں وہ دینِ عیسوی کا علمبردار
 اور زائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کیا جائے اس غرض کے لیے اس نے دولتِ عباسیہ
 سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا۔ اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے۔ ہارون نے بھی دوستی کا جواب
 دوستی سے دیا اور اس طرح دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شارلمین اور ہارون الرشید کے درمیان دوستانہ تعلقات
 اور سفیروں کا تبادلہ محض ایک افسانہ ہے اور اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ نہ یہ دونوں
 بادشاہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے اور نہ ان کے درمیان کتنے ستخائف کا تبادلہ
 ہوا۔ لیکن یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں۔

ظروں اور روپیوں میں اقتصادی تعلقات عرصے سے قائم تھے۔ عرب اور فرانسیسی تاجر ایک دوسرے کی سرزمین میں تجارت کا مال لے کر جاتے تھے اور کثیر منافع اٹھا کر واپس آتے تھے۔ ان کے علاوہ مارسیلز اور یورپ کے یہودی تاجر بھی اکثر تجارت کی غرض سے بلادِ اسلامیہ میں آتے رہتے تھے۔

اقتصادی ضروریات کے علاوہ روحانی کشش بھی اہل مغرب کو بلادِ اسلامیہ کی طرف کھینچتی تھی۔ بیت المقدس مسیحوں کے نزدیک بھی ارضِ مقدس ہے۔ اور بلادِ مغرب سے سینکڑوں ہزاروں افراد اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، اس طرح مشرق و مغرب میں دینی اور تجارتی رشتے قائم تھے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں ان تعلقات کے بارے میں جو شارلیمان اور ہارون الرشید کے درمیان تھے کچھ نہیں لکھا البتہ فرانسیسی مورخین نے ان واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تعلقات زیادہ اہم اور سیاسی رنگ کے نہیں تھے۔ اسی لیے مسلمان مورخین نے ان کا اس اہتمام سے ذکر نہیں کیا۔ شارلمین کی سلطنت دولتِ عباسیہ سے بہت فاصلے پر واقع تھی۔ شارلمین نے خود ہی پہل کر کے ہارون کے دربار میں وفود اور سفراء بھیجے اور سرزمین بیت المقدس میں عیسائی زائرین کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے اور انہیں سہولتیں پہنچانے کی درخواست کی، ہارون کو اور لکمانون کو اس کی مملکت کا خیال بھی آسکتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی نشان و شوکت سے واقف تھے۔ ان تعلقات اور روابط کا فائدہ بھی ہارون سے زیادہ شارلیمان کو پہنچا، کیونکہ موخر الذکر چاہتا تھا کہ خلافتِ اسلامیہ کے نزدیک اس کا رتبہ شاہِ قسطنطنیہ نقصور سے برتر ہو جائے۔ اور اسے خلافتِ اسلامیہ میں دینِ عیسوی کا علمبردار اور زائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کر لیا جائے۔ اسی خیال کے زیر اثر اس نے ہارون الرشید کے پاس اپنے وفود بھیجے جن کے ساتھ اس نے پیش بہا تجھنے بھی روانہ کیے۔

یہ امر بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جہاں مشرقی رومی سلطنت سے ہارون

کے تعلقات خراب تھے وہاں اندلس کی سلطنت بنی اُمیہ اور ہارون کے تعلقات نہایت برے اور افسوسناک تھے۔ ہارون بنی اُمیہ کو باعنی اور دشمن سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہش مند تھا۔ شارلمین کا ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اندلس میں بنی اُمیہ کی سلطنت اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے مقابلے میں اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکے، اور ان دونوں سلطنتوں کو کمزور کر کے ان علاقوں میں اقتدار قائم کر سکے۔

شارلمین کا جو وفد سب سے پہلے ہارون کے پاس آیا وہ ایک یہودی طبیب اسحاق کی زیر سرکردگی تھا۔ ایک ماہ تک ہارون نے اس وفد کو شرف باریابی نہیں سنجھا۔ آخر ایک روز انہیں دربار میں بلایا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی آنکھیں بھٹی کی بھٹی رہ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ ہارون الرشید دربار کے بیچ میں سونے کے ایک تخت پر بیٹھا ہے جس پر لاتعداد جواہرات ٹکے ہوئے ہیں۔ تخت کے دونوں طرف جو ستون ہیں ان پر سونے کے پانی سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کے قریب غلام کھڑے ہیں جو شیکھے ہاتھوں میں ایسے خلیفہ کو جھیل رہے ہیں۔ تخت کے پیچھے دو غلام تنگی تلواریں لیے کھڑے ہیں۔ تخت کے اوپر ایک چھوٹا سا شامیانہ ہے جو آبنوس کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ یہ شامیانہ سیاہ دیباچ کا ہے جس پر سنہری نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ شامیانہ کے کناروں پر سونے کے ہلال بنے ہیں جن پر موتی ٹکے ہیں اور ہر ہلال کے بیچ میں سرخ، زرد اور نیلے یا قوت لگے ہیں۔ ہارون الرشید تخت پر پیش قیمت بھرک دار لباس پہنے بیٹھا تھا۔ یہ لباس خاص اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ بیرونی ملکوں کے وفد آنے پر اسے استعمال کیا جائے۔ اس نے وفد کے ارکان کا شامیانہ نشان استقبال کیا۔ وہ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بے حد مرعوب ہوئے اور ہارون کی عظمت کا جو نقشہ ان کے دلوں میں بنا ہوا تھا اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہ پہلا وفد ۱۸۵ھ (۷۸۰ء) میں بغداد پہنچا تھا۔

اس وفد کے جواب میں ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد شارلمین کے دربار میں بھیجا اور اس کے ساتھ کئی قیمتی تحائف بھی روانہ کیے۔ ان میں ایک گھڑی بھی تھی۔ فرانس کے دربار کے شاہی لوگوں نے اس گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا اور بعض نے خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہے جو گھڑی بجاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ اسے توڑ ڈالیں لیکن شارلمین نے

انہیں روکا۔

اس موقع پر ایک معاہدہ بھی عمل میں آیا جس کے تحت سلطنتِ عباسیہ نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ ارض مقدس فلسطین کی زیارت کرنے والے مسیحیوں کی حفاظت کا پورا انتظام کرے گی۔ اس سے پہلے مسیحی زائرین کی حالت بہت قابلِ رحم تھی اور انہیں رہنروں اور ڈاکوؤں سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد شارلمین نے ہارون الرشید کے پاس ایک اور وفد روانہ کیا اور اس کے ساتھ اپنے ملک کی بعض نفیس چیزیں بھی بطور تحفہ ہارون الرشید کے پاس بھیجیں۔ یہ وفد چار سال یہاں مقیم رہا۔ اس دوران دونوں مملکتوں کے درمیان اندلس کی سلطنتِ بنی امیہ اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے بارے میں کئی معاہدے بھی عمل میں آئے۔

ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد دوبارہ شارلمین کے پاس بھیجا جس میں بعض مسیحی بھی شامل تھے۔ وفد کا لیڈر ایک شخص عبداللہ تھا۔ وفد کے ساتھ کئی مشرقی تحفے اور بہت خوبصورت پسینے کا ایک خیمہ بھی تھا۔ جب یہ وفد یورپ کے شہروں اور میدانون سے گزرتا تو فضا اس عطر کی خوشبو سے مہک اٹھتی تھی جو شارلمین کو تحفے میں پیش کرنے کے لیے جایا جا رہا تھا اور جس سے یورپ والے اس وقت تک بالکل ناواقف تھے۔

موسیولیبیان مشہور فریج مستشرق نے یہ سچ ہی تو کہا ہے :

”ہارون الرشید کے عہد میں بغداد نے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی اور سرسبزی حاصل کی اور مشرق میں تمام شہروں میں سب سے نامور ہو گیا۔ اس وقت ہارون کا نام بچہ مسکول میں مشہور تھا۔ چین، تاتار اور ہندوستان سے سفیر اس کے پاس آتے تھے۔ شارلمین شہنشاہِ فرانس نے بھی جو حقیقت میں تمام یورپ کا مالک تھا اس کے پاس سفیر بھیجے اور نہایت ادب سے درخواست کی کہ زائرین بیت المقدس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ خلیفہ نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔“

سید امیر علی نے اس کا سراپا کھینچتے ہوئے بڑے پتے کی بات لکھی ہے :

”اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی وہ فطری طور پر سیاسی واقعہ ہوا تھا

اس نے کئی بار فوجوں کی کمان خود کی، منظم و نسق کی خرابیاں دور کرنے، رعایا کا حال دریافت کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے اس نے بارہا اپنی مملکت کا دورہ کیا۔ حالات سے آگاہ رہنے کے لیے کئی دفعہ اس نے برحدی مقامات کا معائنہ کیا۔

موسیو سید یونے ہارون کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے کتنی سچی بات کہی ہے :
 ”اس کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے شجاعت و کرم کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔
 علو نفس اور اتباع حق کا مادہ قدرت نے کافی عطا کیا تھا۔ جب کبھی وہ دیکھتا کہ
 وہ غلطی پر ہے تو فوراً اس کام کو چھوڑ دیتا۔“

دور فتوحات پر تبصرہ ہارون الرشید کے دور فتوحات و کشور کشائی کی داستان بہت طویل ہے، اسے اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک ضخیم تصنیف کی صورت اختیار کرے لیکن ہمیں چونکہ ہارون کی زندگی کے صرف چند مخصوص ترین پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے اس لیے اختصار اور ایجاز سے کام لے کر ہم اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ داستان کا صرف ایک پہلو بیان کیا جائے اس سے یہ بہتر ہے کہ متعدد پہلوؤں کے سامنے رہیں تاکہ جو مرقع سامنے آئے وہ باہمہ وجوہ جاذب توجہ بن سکے۔

ماخذ

- | | |
|-------------|------------------------------|
| الہارون | (عمر ابوالمضر) |
| تاریخ اسلام | (معین الدین) بحوالہ ابن زبیر |
| ابن خلدون | (فتوح البلدان) |
| تمدن عرب | (موسیو لبیان) |
| ہارون رشید | (پامر) |
| تاریخ اسلام | (سید امیر علی) |

2-2-19

ہارون کی سفایاں اور بد عہدیاں

ہارون متضاد عادات و خصائل کا حامل تھا۔ وہ بیک وقت رحم و کرم کا پیکر بھی تھا اور ظلم و شقاوت کا مجسمہ بھی۔ وہ عہد و پیمان کی پابندی بھی کرتا تھا اور مکڑی کے چالے کی طرح اسے توڑ بھی دیتا تھا۔ اس کے یہ متضاد خصائل حدِ کمال کو پہنچے ہوتے تھے۔ مخالفوں، باغیوں، دشمنوں اور علویوں کے ساتھ کسی درجے میں بھی وہ نرمی اور ملامت کا قائل نہ تھا، نہ کسی عہد و پیمان کی پابندی لازمی سمجھتا تھا۔ دوستوں تک کو جب وہ مشکوک اور مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگتا تھا تو نہ صرف ان کی بلکہ ان کے خاندان تک کی شامت اُجاتی تھی۔

برامکہ کے ساتھ ہارون نے جس اجماع نامتاسی کا ثبوت دیا وہ بجائے خود ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اس پر آگے چل کر ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔ اس وقت اس کی خوستے شقاوت کے چند نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حُبِّ رَسُوْلِ ایک طرف تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ عبادت گزار تھا، شب زندہ دار تھا، عشقِ رَسُوْلِ سے سرشار تھا۔ جذبہٴ جہاد کا علمبردار تھا۔ دوسری طرف اپنی خلافت اور حکومت کے استحکام کے لیے وہ بڑی سے بڑی عہد شکنی اور سفاکی کو بھی سہج سمجھتا تھا۔ اس کے حُبِّ رَسُوْلِ ہونے کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھا، جب اُن کے سامنے ان کا نام مبارک لیا جاتا تو صلی اللہ علیہ وسلم علی سیدی کہتا۔ ایک مرتبہ ابو معاویہ نے ایک حدیث بیان کی،

۲۷۷
کاظم

ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا، ہارون جو جس غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ اسی وقت تلوار منگائی۔ ابو معاویہ نے سمجھا بھجا کر غصہ ٹھنڈا کیا۔

جذبہ جہاد کے سلسلے میں یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

جذبہ جہاد جہاد کا شوق اور شہادت کا بڑا دلولہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ محدث ابو معاویہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔ یہ حدیث سن کر روتے روتے ہارون کی ہچکی بندھ گئی اور اس دلولہ کا یہ اثر تھا کہ پابندی سے وہ ایک سال حج کرتا تھا اور ایک سال جہاد میں شریک ہوا کرتا تھا۔

اس کی مذہبیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ کافی ہے :

مذہبیت ہارون الرشید مذہبی عقائد اور احکامات کا بڑا معتقد اور سخت پابند تھا۔ اور جو باتیں کہ ایک سچے مسلمان میں ہونا چاہئیں، یعنی خیالات میں مذہبی احکام کی پابندی اور روزمرہ کے امور میں مذہبی باتوں کی اطاعت یہ اس میں موجود تھیں۔ ہارون الرشید حج کے لیے ہمیشہ پیدل جایا کرتا۔ بغداد اور مکہ شریف کے درمیان فاصلہ بہت طویل ہے۔ اس خشک اور دھوپ کی تپش سے جلے ہوئے ریگستان کا جس میں سے حج کے لیے مکہ کی آمد و رفت میں اس سفر کو کرنا پڑتا تھا، جب خیال آتا ہے تو اس امر کے لیے اس کی غیر متزلزل اولوالعزمی اور عادت کا استقلال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

صرف ہارون رشید ہی ایسا بادشاہ گزرا ہے کہ جس نے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے اس قدر سخت مصائب اپنے اوپر برداشت کر رکھے تھے اور غالباً ہارون رشید ہی ایک ایسا شخص تھا کہ جو پنجگانہ نماز کے علاوہ سو رکعتیں نفل روزانہ پڑھنے سے کبھی بھی مضحمل اور دل برداشتہ نہیں ہوتا تھا۔ جب ہارون رشید حج کو جاتا تو اس کے ہمراہ ایک سو علماء اور فضلا مع اپنے اپنے لڑکوں کے ہوا کرتے تھے اور جس سال کہ وہ مکہ کو نہ جاتا تو اپنی جگہ تین سو آدمی حج کے لیے بھیجا کرتا اور ان کے سفر کے لیے بڑی فیاضی سے زادِ راہ مہیا کرتا تھا۔ اس کا زہد اور

ریاضت حقیقت میں خالص اور ریاضت سے بالکل خالی تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اقتدار اور حکومت کی طلب انسان کو خود بخود بھی بنا دیتی

مظاہرہ ظلم و تعدی ہے اور سفاک بھی۔ عالمگیر کی مذہبیت، عبادت و ریاضت،

صوم و صلوٰۃ کی پابندی، مجاہدہ نفس یہ سب چیزیں اپنی جگہ ایک معروف و مسلمہ حقیقت

ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب اس نے یہ طے کر لیا کہ عنان حکومت

اپنے ہاتھ میں لینی ہے تو باپ، بھائی، بہن اور بھتیجوں کے ساتھ اس نے جو برتاؤ کیا ظلم

اور سفاکی کے سوا کسی اور لفظ سے اسے یاد نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ حکومت ہاتھ میں لینے

کے بعد مظاہرہ ظلم و تعدی کے بغیر بھی راستے کے کانٹوں کو وہ باسانی مٹا سکتا تھا۔ اسی

طرح ہارون نے بھی اپنی معروف و مسلمہ مذہبیت کے باوجود جب ظلم اور سفاکی کو اپنا شغف

بنایا تو برا مکہ کو تہس نہس کر دیا اور جن غلبیوں کو اس نے اپنے راستے کا پتھر سمجھا انہیں عمد و

میشاق اور عدل و انصاف سے بالکل قطع نظر کر کے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حالانکہ وہ چاہتا تو ظلم و تعدی کا اتنا ہولناک مظاہرہ کیسے بغیر بھی حکومت کو قائم رکھ

سکتا تھا اور راستے کے پتھروں کو مٹا سکتا تھا۔ بہر حال اس نے وہی کیا جو طے کر لیا تھا

ذیل میں ہم صرف دو واقعات بیان کر کے یہ باب ختم کر دیں گے۔

امام موسیٰ کاظم کی شہادت

ہارون الرشید کے حسد کے ایک اور مقتول موسیٰ

بن جعفر علیہ السلام تھے۔ یہ جناب فاطمہؑ کی اولاد

میں سے تھے اور جناب فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام

کے ایک رشتہ دار نے جو ان سے دشمنی رکھتا تھا ہارون الرشید کو یہ اطلاع دی کہ تمام

لوگ موسیٰ کو جائز امام سمجھ کر اپنی پیداوار کا ایک خمس ادا کرتے ہیں اور امام موسیٰ خلیفہ

کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔

ان باتوں کی اطلاع ہارون الرشید کو متواتر اور بار بار کی گئی۔ آخر کار اس بات سے اس

کے دل پر بہت اثر ہوا اور خلیفہ کو بڑا ہی فکر ہو گیا۔ اس مجر کو ایک کثیر تعداد رقم بطور انعام

عطا کی گئی۔ مگر یہ دغا باز آدمی اپنی غداری کا پھل نہ پاسکا۔ کیونکہ اس کو ایک مہلک بیماری

فوراً لاجت ہو گئی جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ جن لوگوں کے حاضر ہونے سے خلیفہ کو کسی قسم کا رنج یا فکر ہوتا تھا ایسے لوگ بیکار ہو کر مہلک امراض میں ہمیشہ گرفتار ہو جایا کرتے تھے، امام موسیٰ سے ہارون کی ناراضگی کا پہلا سبب تو ظاہراً یہ تھا کہ خلیفہ ایک دفعہ حج کے لیے مقدس شہروں کی زیارت کو گیا تھا، جب مدینہ میں گیا اور آنحضرتؐ کے روضہ مبارک میں داخل ہوا تو کہا آپ پر درود اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اے رسول اللہ! اے میرے چچا زاد بھائی! یہ آخری الفاظ اس نے فخریہ طور سے اپنے نام میں زائد کر دیے تھے، تاکہ تمام حاضرین پر اپنی بڑائی (عظمت) ثابت کرے۔ یہ سن کر امام موسیٰ کاظمؑ جو وہاں موجود تھے آگے بڑھے اور کہا:

”رحمتِ کاملہ اور درود خدا کا آپ پر نازل ہوا اے میرے باپ،“

کیونکہ امام موسیٰ کاظمؑ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کی اولاد میں سے تھے اس لیے اس طرح خطاب کیا۔

یہ سن کر ہارون کا مہمہ غصہ سے لال ہو گیا اور کہا کہ اے موسیٰ یہ تو بڑے فخر کی بات ہے۔ بعد ازیں وہ اپنے ساتھ امام موسیٰ کو عراق لے گیا اور ایک شخص مسیٰ السندی کے گھر میں ان کو قید کر دیا۔ پھر اس کے تھوڑے عرصے کے بعد خلیفہ نے ان کو مروا ڈالا۔ یہ امر نہایت خفیہ طور سے عمل میں لایا گیا کیونکہ امام موسیٰ کی ذاتی شیعوں کی وجہ سے اور نیز اس لیے کہ وہ حضرت علیؑ کی اولاد میں سے تھے، عوام الناس ان سے نہایت محبت کرتے تھے اور ان کو علانیہ قتل کرنے میں یہ خوف تھا کہ کہیں عوام الناس منحرف نہ ہو جائیں۔

دوسرا واقعہ جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

عہد شکنی کی عجیب و غریب مثال ہارون کی عہد شکنی کا بہت ہی تکلیف دہ

اور افسوسناک نمونہ ہے۔

۷۵ھ (۶۹۱ء) میں ایک بہت بڑی جنگ کا آغاز ہوا۔ یعنی یحییٰ بن عبداللہ بن حسن

مجیبی بن علی بن ابی طالب علیہ السلام نے جو خلافتِ عباسیہ کے دعویٰ دار تھے۔ بتاریخ ۲۴ ربيع الثانی ۷۵ھ مطابق ۳ اگست ۶۹۱ء رویم میں ظہور کیا اور بڑی شان و شوکت سے مقابلے

شہزادہ ہارون
مملکت

کو اٹھے۔ ان کے جھنڈے کے تلے ہزاروں آدمی جمع ہو گئے اور تمام اطراف و اقصاء سے لوگ
آنا شروع ہو گئے۔ جب ہارون کو اس جمعیت کی خبر پہنچی تو جو اس باختم ہو گیا اور مقابلے
کے واسطے اپنے وزیر فضل کو انتخاب کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دارالسلطنت سے
پچاس ہزار سواروں کی معیت سے ہارون نے فضل کو روانہ کیا۔ بغداد سے نکل کر فضل نے اپنی
کامیابی کی تدبیریں سوچنا شروع کیں۔ جب طالقان میں یہ لشکر پہنچا تو وہاں سے فضل نے یحییٰ
علوی کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی جا دو بیانی سے مختلف اثر پیدا کر دیے تھے اور سلطنت
کے شاہانہ جلال اور خلافتِ عباسیہ کے رعب و داب کو اپنی تحریر میں عمدہ طور پر ظاہر کر
دیا تھا، جس کے پڑھنے سے یحییٰ پر ہیبت چھا گئی اور ساتھ ہی اس کے لیے قیمتی تحائف
بھی بھیجے اور یحییٰ پر بخوبی ثابت کر دیا کہ اگر جنگ کا خاتمہ صلح پر ہو تو ہر طرح سے ان کے
حق میں مفید اور نفع بخش ہے، انہی خیالات نے یحییٰ کو صلح پر مجبور کر دیا اور جواب میں
فضل کو صاف الفاظ میں یہ لکھا کہ مجھے اس شرط پر صلح منظور ہے کہ ہارون الرشید اپنے قلم
سے صلح نامہ لکھ دے اور اس پر تمام بنی ہاشم، مشائخ، قضاة اور فقہاء کے دستخط ہوں۔
فضل نے اس شرط کو منظور کر لیا اور خلیفہ کو تمام واقعات کی اطلاعات دیں اور جو مسودہ یحییٰ نے صلح
کا بھیجا تھا وہ بھی عرضی کے ساتھ بھیج دیا۔ ہارون بھی مصلحتاً ملکی سے دب گیا اور صلح کو جنگ سے
غنیمت سمجھا اور مطابق مسودہ کے معاہدہ صلح لکھ کر تمام علماء و فقہاء مشائخ میں عبد الصمد بن علی
کے دستخط بنوا بیٹھے، فضل نے وہ خریطہ مع تمام مخالف کے یحییٰ کے سامنے پیش کیا اور یحییٰ
کو اپنے ہمراہ لے کر بغداد کی طرف کوچ کیا اور ہارون سے ملاقات کرائی، فضل کے وعدوں کے
مطابق ہارون نے یحییٰ سے بہت کچھ سلوک کیا اور اس کا رگڑاری کے صلے میں فضل کے ساتھ
بھی شاہانہ فیاضیاں کی گئیں۔ شعراء نے فضل کی شان میں قصائد لکھے اور خلیفہ کو اس فتح
کی مبارکباد دی۔

چنانچہ خلیفہ نے اول شاہانہ طریقے سے یحییٰ کو مہمان رکھا، لیکن کچھ دنوں بعد نقص عہد
کرنا چاہا اور علماء سے فتویٰ لینا چاہا کہ صورت موجودہ میں نقص عہد جائز ہے یا نہیں۔ ابوالختری
قاضی اور تمام علماء نے ہارون رشید کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ نقص عہد جائز ہے لیکن

امام محمد نے اس فتوے کی بڑے زور سے مخالفت کی اور اپنے اس اصرار پر قائم رہے کہ نقص معاہدہ جائز نہیں۔ لیکن ہارون نے کثرت راتے کو تسلیم کر کے دستاویز معاہدہ کو چاک کر ڈالا اور یحییٰ کو منظر بند کر دیا۔ چنانچہ اسی حالت میں حضرت یحییٰ نے دنیا سے کوچ کیا۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فرمانروا کی نظر میں اصل چیز اپنی حکومت کا قیام و استحکام ہے۔ عدل و انصاف، عہد و پیمانہ، رحم و مروت، شفقت و عنایت اور جوہ و احسان کی حیثیت کاغذ و بالکل ثانوی ہے، ہارون نے جو کچھ کیا اس میں وہ منفرد نہیں ہے۔ اُس کے پیشرو بھی ایسا ہی کرتے چلے آئے تھے اور اس کے بعد آنے والوں نے بھی ان مثالوں کی پیروی کی اور شخصی حکومت میں اس طرح کی سفاکیاں عام ہیں اور شاید ناگزیر بھی۔

ماخذ

تاریخ اسلام (معیین الدین) سوم بحوالہ خطیب بغدادی
ہارون رشید پامر
البرامکہ

غیر مسلموں سے رواداری، سخاوت و عدل انصاف

جبرجی زیدان نے اعتراف کیا ہے کہ :

ہارون علویہ میں سے سخت برہم تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ آل عباس کے سخت دشمن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہارون آل برہم کا خاتمہ نہ کر دیتا تو بالکل ممکن تھا کہ خلافت و سلطنت ایک دن علویہ میں کے ہاتھ میں پہنچ جاتی۔

لیکن اس کی داد و دہش کے بارے میں لکھتا ہے :

ہارون الرشید ایسا کریم النفس تھا کہ مال کی اس کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں تین سو لوزئیاں تھیں، جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار سے دس ہزار دینار بلکہ ایک لاکھ دینار تک تھی، ان کے لیے لباس اور زیورات پر بے شمار روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہارون نے ایک انگوٹھی ایک لاکھ دینار میں خریدی تھی۔ ہارون رشید کے اسٹریٹجی کارڈ کی سالانہ تنخواہ تین لاکھ، پولیس کمشنر کی پانچ لاکھ اور حاجب کی دس لاکھ درہم تھی۔ ہارون الرشید کا معنی ابراہیم موصلی مرا تو اس نے دو کروڑ چار لاکھ درہم ترکے میں چھوڑے اور اس کے طبیب جبرئیل کا انتقال ہوا تو اس کا ترکہ ۹ کروڑ درہم تھا۔

ہارون کی سخاوت اور فیاضی کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق فیاضی اور سخاوت مغمور ہیں۔

ہارون الرشید کے اطوار اور عادات اس کے پیش رو منصور سے بہت کچھ ملتے جلتے تھے

مگر ہارون الرشید میں منصور سے یہ بات زیادہ تھی کہ وہ فیاض اور سخی بہت تھا۔ مثل منصور کے ہارون بھی علوم و فنون کا بڑا شائق اور خاص کر شاعری سے بہت شوق رکھتا تھا۔ عالموں اور فاضلوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ہارون الرشید کو بہت ہی خوشی ہوتی تھی۔

اور یہ سب اس لیے تھا کہ توسیع مملکت کے ساتھ ہارون الرشید کے خزانہ کی تعداد

ساتھ اس کے خزانہ میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو رہا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے پیچھے ایک بے شمار خزانہ چھوڑا۔ بعض مورخین کے نزدیک وہ نو سو ملین دینار یا چار سو ملین پونڈ یا آٹھ ارب روپے سے کم نہ تھا۔ علاوہ ازیں جائداد اور زمین اور لوٹدی غلام تھے، حالانکہ ہارون الرشید نہایت ہی سخی اور فیاض تھا اور کثرت سے روپیہ صرف کیا کرتا تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ ہارون کا برتاؤ خاص طور پر حد درجہ غیر مسلموں سے حسن سلوک

شفقت و رحمت، رواداری اور وسیع القلبی کا تھا۔

کہانی رقصہ دراجات "اسحاق ایک حکایت بیان کرتا ہے کہ وہ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید

کے ہمراہ شکار کو گیا۔ خلیفہ تو شکار کے عقب میں ذرا دور نکل گیا۔ اسحاق کو تھکن معلوم ہوئی، قریب ہی عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی، اسحاق وہاں آرام کرنے چلا گیا۔ ایک بزرگ عیسائی منتظم خانقاہ نے اس کا استقبال کر کے بہت آرام سے اس کو اندر لے جا کر بٹھا لیا اور اس کی دعوت کی اس کے آگے بہت اچھا گوشت اور شراب رکھی اور وہ عیسائی اپنی گزشتہ عمر کے تمام تجربے اسحاق سے کہتا رہا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ عیسائی منتظم خانقاہ نے کہا کہ نوامیہ کی خلافت کے زمانہ میں اس خاندان کے بھی چند شہزادوں نے تمہاری طرح یہاں مہمان ہو کر میری دعوت قبول کی تھی۔ اسحاق کے کھانا کھلانے پر ایک خوبصورت اور ہوشیار عیسائی عورت مقرر تھی۔ اس کے حاضر ہونے پر اسحاق بہت ہی خوش ہوا اور اس کا یہ وقت خوشی میں بہت جلد گزر گیا۔ اور جب وہ خانقاہ سے لشکر شاہی میں آیا تو رات ہو گئی تھی۔ خلیفہ اسحاق کے غیر حاضر ہونے سے اس پر چھا ہوا

لیکن اسحاق نے خاندانہ میں جانے کا حال خلیفہ سے عرض کیا اور چند اشارہ جو وہاں کے حسب حال کہے تھے وہ خلیفہ کو سناتے، خلیفہ نے حکم دیا کہ کل لشکر کا قیام یہیں رہے تاکہ میں خاندانہ کی مہمان نواز عیسائی رعایا کو ملاحظہ کر دوں۔ چنانچہ دوسرے دن خلیفہ خاندانہ میں گیا اور ان کی دعوت قبول کر کے وہاں کھانا کھایا۔ وہاں کے انتظام سے بہت خوش ہوا۔ تمام دن خاندانہ میں ٹھہرا رہا اور ایک ہزار دینار (تقریباً ۵۰۰ پونڈ) عیسائی خاندانہ کی امداد میں مرحمت فرمائے۔ اور اس خاندانہ کے متعلق جو مزروعہ زمینیں تھیں یا باغات تھے ان کا کل محصول اور لگان سات برس کے لیے معاف کر دیا۔

ظلم سے نصرت اگر کبھی اسے اطلاع ملتی کہ اس کا کوئی عامل یا گورنر غیر مسلم رعایا کے ساتھ کوئی زیادتی یا ظلم کر رہا ہے تو وہ غصہ سے بے قابو ہو جاتا اور اسے معزول کرنے میں ذرا بھی تاثر نہ کرتا۔

ایک نامور اور مقتدر عباسی امیر علی بن عیسیٰ کے جو دوستم سے مسلمان اور ذمی اور ادنیٰ اعلیٰ سب عاجز تھے۔ وہ خراسان کے اعیان و عمائد تک سب کی تذلیل و تحقیر کرتا تھا اور سب سے ناجائز روپیہ وصول کرتا تھا۔ لیکن ہارون کو خوش رکھتا تھا، اس لیے اس کی زیادتیوں کی خبر خلیفہ کو نہ ہونے پاتی تھی۔ لیکن جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور ہارون رشید کے پاس پہنچا اس کی شکایتیں پہنچیں تو اس نے بڑی ذلت کے ساتھ علی بن عیسیٰ کو معزول کر کے اس کی جگہ ہرثمہ بن اعین کا تقرر کیا۔

علی بن عیسیٰ کی معزولی اور ہرثمہ بن اعین کے تقرر کا جو پروانہ لکھا تھا اس سے ہارون کی پوری سیاست پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے:

”میں نے تمہارا مرتبہ بڑھایا، تمہارا نام بلند کیا، سرداران عرب کو تمہارے نقش قدم پر چلایا۔ سلاطین عجم کی اولاد میں تمہارا رشتہ قائم کیا۔ اور ان کو تمہارا تابع فرمان بنایا، اس کا بدلہ تم نے یہ دیا کہ مجھ سے عہد شکنی کی، میرے احکام پس پشت ڈال کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا اور رعایا پر ظلم کیا۔ اور اپنی

بد کرداری، سزوں، طع اور خیانت سے خدا اور اس کے خلیفہ کو ناراض کیا۔ اس لیے
 میں نے تم کو معزول کر کے ہرثمہ بن ابین کو خراسان کا والی بنایا ہے۔ اور ان کو
 حکم دیا کہ وہ تم پر تمہاری اولاد پر، تمہارے کاتبوں، ماتحت عمدہ داروں پر
 سختی کر کے ایک ایک درہم وصول کر لیں اور مسلمان ذمیوں سے تم نے
 جس قدر مال، ناجائز حاصل کیا ہے اس کو حاصل کر کے اس کے مستحقین کو واپس
 کر دیں۔ اور اگر تم اور تمہارے متعلقین اس میں مزاحمت کریں تو تازیانہ کی
 سزا دی جائے۔ تم لوگ ان سب سزاؤں کے مستحق ہو جو عہد توڑنے اور
 ظلم و زیادتی کرنے والوں کے لیے ہے تم اللہ، خلیفہ، مسلمان اور ذمی سب
 کے مجرم ہو۔“

ماخذ

عمر ابو النصر	الہارون
عجمی زیدان	تاریخ تمدن اسلامی
پامر	ہارون رشید
طبری، یعقوبی، ابن اثیر	تاریخ اسلام سوم

ہارون کا بغداد

یہ شہر قدرتی طور سے ایک عظیم الشان دارالخلافہ ہونے کے لیے بہت مناسب اور
 موزوں تھا، شمال سے براہ و جلعہ شہر دیار بکر سے اور مشرق میں براہ خلیج فارس ہندوستان
 اور چین سے تجارت ہو سکتی تھی۔ علاوہ ازیں دریائے فرات بھی اس جگہ سے دریائے جلعہ کے
 نہایت ہی قریب ہے اور وہاں سے دریائے فرات کو ایک نہایت عمدہ سڑک جاتی تھی جو
 براہ راست ملک شام اور ممالک مغرب کو چلی گئی تھی۔ بغداد ایک پرانے زمانے کا نام ہے
 اس کے معنی ہیں خدا کا عطا کیا ہوا شہر۔ اس لفظ سے بھی اس کے بجائے وقوع کے نہایت
 عمدہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ نیا شہر بہت جلد ایک عظیم الشان اور خوب رونق دار
 بن گیا۔ اس کے بانی اور اس کے بعد کے دو جانشینوں نے اس شہر کی سجاوٹ میں اور
 اس کو بارونق بنانے میں کروڑوں روپے صرف کیے۔ ساسانی بادشاہوں کے پرانے محل
 اور بزرگ ایشیا کے دیگر خاص شہروں سے ان کے تمام نقش و نگار اتروا کر اور عمدہ عمدہ
 پتھر اور مصالحہ ان میں سے نکلوا کر ان سے بغداد کی عمارتوں کو زیب دیا گیا۔ جس سے یہ
 شہر بڑا ہی خوبصورت اور پُر رونق ہو گیا۔

بغداد کا عروج و فرورغ ہارون کو بغداد بنا بنایا ملا۔ عروس البلاد کی حیثیت اُسے

ہارون کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ حالی کا یہ شعر:

حزیم خلافت میں اونٹوں سے لدر چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

در حقیقت ہارون

بغداد ہی کے لیے تھا۔ ہارون کے عہد میں بغداد نے جو عروج و فروغ حاصل کر لیا تھا اس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مادی اعتبار سے یہ دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند شہر تھا۔ تعمیری اعتبار سے اس کے فلک نما ایوان و قصور اپنی مثال آپ تھے۔ بغداد کا ہر چہرہ اور گوشہ زندگی بخش اور زندگی پرور مناظر سے بھر پور تھا۔ یہاں صوفیا کی خانقاہیں تھیں۔ علمائے مہتمم اور زاویے تھے۔ مغنیوں کے فن کدے تھے، خوش جمال اور خوش ادا باندیوں کے جھگمگٹ تھے۔ ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کے حلقے تھے۔ امیروں، رئیسوں اور وزیروں کے ایوان زرنگار تھے۔ ہنرمندوں اور پیشہ وروں کے محلے تھے، غیر مسلم آقا قیوں کے راحت کدے تھے اور سب بڑھ کر یہ کہ فارغ البالی اور مرفہ الحالی نے بغداد کو صحیح معنوں میں عروس البلاد بنا دیا تھا۔ لندن اور پیرس، برلن اور نیویارک، ماسکو اور جنیوا، روم اور ہیگ اپنے وقت کے بہت بڑے شہر تہذیب اور کلچر کے مرکز، ثقافت اور معاشرت کا اسوہ تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی بلکہ یہ سب مجموعی حیثیت سے بھی بغداد سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ جس ایوان میں پہنچ جاتیے درہموں اور دیناروں کا انبار لگا ہوا ہے۔ حسین و جمیل کینیزیں دست بستہ اور صف باندھے سامنے حاضر ہیں، جامِ دور میں ہے، محفلِ جمعی ہوتی ہے۔ نغمہ کی آواز تاہمید فلک تک جا رہی ہے۔ چنگ و رباب کی فردوس گوش صدا حسن ساز کی مشہور رعنا اور جمال عشوہ طراز کی جلوہ آرائی، شوقِ بے پروا اور حشمتِ بے محابا کی فتنہ سامانی عام تھی۔ کسی مطرب کا نغمہ پسند آیا اور لاکھوں دینار اُسے بخش دیے، کسی مغنیہ کی گے بھائی اور اُسے فرش سے عرش پر پہنچا دیا، کسی گویے کا راگ مرغوب خاطر ہوا اُسے اتنا کچھ دیا کہ تنگی داماں کی شکایت پیدا ہو گئی، کسی کا حسن نگاہ پر چڑھا اور خزانے کی تھیلیاں کھول دی گئیں۔ کسی رقاصہ نے اداؤں کے تیر چلائے اور منہ مانگے داموں پر حاصل کر لی گئی۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!

یہ حال صرف فرمانرواؤں ہی کا نہیں تھا، الناس عینی دین ملوکہہ بالکل نمایاں حقیقت ہے۔ اس دور کے امراء و رؤساء بھی اسی رنگ میں رنگے ہوتے تھے۔ وہی

کینزوں کے جھرمٹ، وہی راگ راگینوں سے شغف، وہی بات بات پر سونے اور چاندی سے شغف اور آرزو کا سودا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اُس زمانہ میں فقر و فلاکت کے مفہوم سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ بیکاری اور بے روزگاری کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ عسرت اور بیچارگی کے ذکر سے بھی اُن کے کان نا آشنا تھے۔ دولت کی پیداوار اتنی بڑھی ہوتی تھی کہ غیر مساوی تقسیم دولت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

یہ بغداد تھا جہاں ہارون وادعیش اور داد حکومت عتاب و تعزیر اور بدل و عطا دے رہا تھا۔ کسی کی کوئی بات گراں گزری تو جبین پر شکن ہو گئی۔ عتاب و تعزیر کا دور چلنے لگا۔ کوئی بات پسند آگئی تو فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔

معن بن زائدہ خلیفہ کا ایک ندیم تھا۔ کسی بات پر خلیفہ اس سے ناراض ہو گیا۔ مگر اُس کو اپنے ندیموں سے جِدانہ کیا اور اس کو اپنے پاس حاضر رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ ہارون نے ایک دن یہ دیکھ کر کہ معن آہستہ آہستہ اور بدقت چلتا ہے اس سے کہا کہ اے معن اب تو تم بوڑھے ہو گئے ہو اس نے عرض کی کہ امیر المومنین! آپ کی خدمت اور ملازمت میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ہارون نے کہا تم تو تم میں اب تک ہے۔ اس بوڑھے نے جواب دیا، ہاں امیر المومنین! آپ کی ملازمت کی وجہ سے ہمت باقی ہے۔

خلیفہ نے کہا کہ تم بہت بہادر معلوم ہوتے ہو۔ معن نے جواب دیا ہاں امیر المومنین! آپ کے دشمنوں کے لیے بہت بہادر ہوں۔ یہ عقل مندی کے جوابات سن کر خلیفہ معن پر پھر مہربانی کرنے لگا یہاں تک کہ ایک دن خوش ہو کر اس کو صوبہ بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔

بغداد کا ہارون صحرا کے باشندوں سے بھی اتنی ہی دلچسپی لیتا تھا جتنی اس مہذب اور تمدن شہر سے۔

اس زمانہ کے عربوں کی حاضر جوابی کی صرف ایک مثال ذیل میں لکھی جاتی ہے خلیفہ ہارون رشید نے بے شمار حج کعبہ شریف کے ادائے کیے۔ ایک دفعہ حج کو جاتے ہوئے

صحرائی راستہ میں ایک معمر عورت ملی، بارون الرشید نے اس سے دریافت کیا کہ تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ قبیلہ طے سے ہوں۔ خلیفہ نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کیا بات ہے کہ تیری قوم میں سے حاتم کی مانند اور کوئی کیوں پیدا نہیں ہوا۔
 اس مہذب معمر عورت نے یہ جواب دیا کہ امیر المومنین! یہ کیا بات ہے کہ تمام خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس میں سے آپ جیسا اور کوئی خلیفہ پیدا نہیں ہوا؟
 خلیفہ نے یہ جواب سن کر اس زن بزرگ کو بہت بڑی تعداد میں زر نقد انعام دیا۔

ماخذ

بارون الرشید پامر
 الاغانی

سیر و شکار، تفریح اور مشاغل

بارون کے مشاغل، سیر و شکار اور تفریحی سرگرمیوں سے متعلق ذیل کے معلومات یقیناً بہت دلچسپ ثابت ہوں گے۔ ان سے اندازہ ہو گا کہ حکومت کی گراں بار ذمہ داریوں کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے کے باوجود زندگی کی دلچسپیوں اور رنگ آرائیوں سے بھی وہ پورے طور پر لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ ایک باوقار فرمانروا بھی تھا، یار باش دوست بھی، اور زندگی کی بوقلموں کیفیتوں سے آسار ہنسنے والا مردِ زندہ دل بھی!

بارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ خمیز قسم کی ایک شراب پیتا تھا جسے فقہائے عراق نے حلال قرار دے دیا تھا، وہ راگ کا بہت شائق تھا اور اس کے لیے بڑی بڑی رقمیں لگا دیتا تھا اس کے زمانہ میں بغداد میں موسیقی کے فن کو بڑی ترقی ہوئی۔

بغداد میں اگر کوئی امیر یا وزیر یا دربار کا کوئی معزز فرد راگ رنگ کی کوئی محفل منعقد کرنا چاہتا تو وہ اس کی تیاری کے لیے اپنے منتظم کو حکم دیتا تھا جو عمدہ عمدہ کھانے پکوانا اور غنیموں، سار بجانے والوں، ناچنے والی لونڈیوں کا انتظام کرتا تھا۔ شعراء کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ جیب یہ تمام انتظام مکمل ہو جاتا تو صاحبِ مجلس اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ تشریف لاتا۔ تمام لوگ اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر ایک خاص لباس پہن لیتے جو مجالس کا لباس کہلاتا تھا۔ یہ لباس سبز، زرد اور سبز رنگ کے کپڑوں پر مشتمل اور بہت قیمتی اور باریک ہوتا تھا۔

اس کے بعد گھر کا منتظم انہیں ایک بڑے ہال (کمرے) میں لاتا جہاں بہت عمدہ فرش بچھا ہوتا تھا۔ درمیان میں آنسو کی لکڑی کا ایک چبوترہ ہوتا جس کے چاروں طرف کرسیاں بچھا دی جاتی تھیں، چبوترے پر ریشم کا ایک دسترخوان بچھا ہوتا تھا۔

جب تمام اہل مجلس اکٹھے ہو جاتے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تو غلام بلوری صراحیاں لاتے جن میں نمبید ہوتی تھی۔ دسترخوان پر مختلف رنگوں اور شکلوں کے جام موجود ہوتے تھے جن میں نمبید انڈیل کر پی جاتی تھی۔ مختلف میووں اور ٹھنڈے گوشت کی رکابیاں بھی موجود ہوتی تھیں۔ عطریات سے تمام فضا مہکی ہوتی تھی۔ کھانے پینے کے دوران مختلف قسم کی بھینیں ہوتی رہتیں۔ کھانے کے بعد راک رنگ کی محفل شروع ہو جاتی تھی۔

جب خلیفہ شکار کے لیے جانا چاہتا تو اپنے ارادہ سے حاجب کو مطلع کرتا تھا۔ حاجب ان تمام لوگوں کو جن سے شکار میں مدد مل سکتی اکٹھا کرتا تھا، بازوں اور کتوں کا انتظام کرتا تھا محل کے ملازموں کو تیار کرتا تھا۔ جب تمام تیاری مکمل ہو جاتی تو خلیفہ کو اطلاع دیتا تھا۔ خلیفہ تمام لوگوں کو لے کر بغداد سے نکلتا اور دجیل، پہنچتا تھا۔

دجیل کا علاقہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعض حصوں کو ایک مضبوط دیوار نے گھرا ہوا تھا جو نصف دائرہ کی شکل میں بنی ہوتی تھی۔ تمام لوگ جو خلیفہ کے ساتھ جاتے تھے ان کے چاروں طرف پھیل جاتے اور جن جانوروں کا شکار کرنا ہوتا ان کو اپنے گھوڑوں اور کتوں کی مدد سے اس دیوار کی طرف بھگاتے، اور دائرہ تنگ کرتے جاتے، جانوروں کو اور کہیں راہ فرار نہیں ملتی تھی تو انہیں مجبوراً اس دیوار کی طرف ہی بھاگنا پڑتا تھا، جب وہ اس اضطرار میں پہنچ جاتے تو ان کا مکمل محاصرہ کر لیا جاتا اور خلیفہ کو اطلاع دی جاتی، خلیفہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ آتا جتنے جانور چاہتا شکار کر لیتا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جاتا۔ جتنی دیر تک خلیفہ کے خادم شکار ہنکانے میں لگے رہتے تھے اتنی دیر خلیفہ بغداد کے نواحی علاقوں کا چکر لگاتا رہتا۔ اور قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ جب اسے اطلاع ملتی کہ شکار کو گھیر لیا گیا ہے تو وہ مقررہ جگہ پر آتا اور شکار کرتا۔ اگر جب کسی پرندے کا شکار کرنا ہوتا تو وہ لوگ جن کے پاس باز اور شکرے ہوتے

اپنے بازوؤں اور شکروں کو ہوا میں اڑا دیتے، وہ شکار پر چھپتے اور ان واحد میں اسے زمین پر لے آتے تھے۔

سیر و شکار کے تذکرہ کے بعد اب خلیفہ کے باغ کا مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے جو اپنی خوبصورتی اور ترتیب میں اپنی نظیر آپ تھا، خلیفہ اکثر اس میں سیر کے لیے جایا کرتا تھا۔ باغ کی کیاریوں میں سینکڑوں قسم کے خوشنما پھول کھلے رہتے تھے۔ مختلف قسم کے درخت اُگے ہوتے تھے۔ یہ درخت ہندوستان، خراسان اور ترکستان تک سے لنگر لگوائے گئے تھے، جا بجا خوبصورت جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں جنہیں قینچی سے کاٹ کر حیوانات کی شکل دی ہوتی تھی۔ بعض جھاڑیاں مور کی شکل کی تھیں۔ بعض دوسرے خوبصورت پرندوں کی شکل دی ہوتی تھی۔

کیاریوں کے درمیان حوض بنے ہوتے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی مہروں کے ذریعے پانی آتا تھا، ان حوضوں میں خوش نما رنگ کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں، باغ کی دیواروں پر چھوٹے چھوٹے رنگین پتھروں کو جوڑ کر مختلف جانوروں اور پھولوں کی نہایت خوبصورت تصاویر بنا کی گئی تھیں جو پچی کاری کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھیں۔ ان کاموں کے کسی سوا نام لکھنا

لیے فارس، روم اور ہندوستان تک سے کاریگر منگائے گئے تھے۔

ہارون اور زبیدہ

ہارون کی شادی زبیدہ سے ہوئی جو اس کی بنتِ عم تھی۔

زبیدہ ہارون کی نہایت محبوب اور چہیتی بیوی تھی۔ باہم رعب و مہبت و صولت و جلال ہارون اگر دنیا میں کسی سے دبتا تھا اور لچکتا تھا تو وہ زبیدہ ہی تھی۔ ہارون پر زبیدہ کے اثر و سوج کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑا مہک کے زوال کا سبب بڑا سبب وہی تھی۔ ولی عہدی کا ذاتی خصوصیات اور اہلیت کے لحاظ سے ماموں بہت زیادہ مستحق تھا، لیکن زبیدہ مصر تھی کہ امین ولی عہد بنایا جائے۔ ہارون کو اپنی مرضی اور ارادے کے خلاف یہ بات ماننی پڑی اور امین کی ولی عہدیت پر بیعت ہو گئی۔

زبیدہ صفاتِ حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ کی مالک تھی، پاک زبیدہ کے صفاتِ حمیدہ نہر شت، پاک نہاد، عبادت و ریاضت سے لے کر خاص دلچسپی تھی، سخاوت اور فیاضی اس کی گھٹی میں بڑی ہوتی تھی۔

زبیدہ کی ایک سو کینزوں کو قرآن شریف حفظ کیا تھا۔ اور زبیدہ کو اگر کچھ کام تھا تو وہ قرآن خوانی کا تھا۔ ان سو کینزوں میں سے ہر ایک روز ان تین پارے پڑھتی تھی۔ گویا زبیدہ خاتون کا محلِ مثلِ شہد کے چہنئے کا تھا جو ہر وقت قرآن پڑھنے کی وجہ سے عبادت گزار تھا۔ یہ بات زبیدہ خاتون ہی کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے ہے کہ پاک شہر مکہ میں اول ہی اول مرتبہ بیعت کثرت اور بڑی اچھی طرح سے ہم پہنچایا گیا۔

تھا اس سے پہلے وہاں پانی کی بہت کمی تھی اور خصوصاً حج کے ایام میں جو ایک عظیم الشان سالانہ مجمع ہوتا تھا تو پانی کی ایک ایک منگ ایک ایک دینار (پانچ روپے) میں آیا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں اس شہر پر جو بغداد سے مکہ شریف کو جاتی ہے زبیدہ خاتون نے بہت سے کنوئیں بنوائے تھے اور حجاج کے آرام کے لیے متعدد کارواں سرتے بنوائے تھیں۔

مساعیر خاتون

زبیدہ خاتون کی خانہ داری کا انتظام بھی بڑی فیاضی اور صرف زبیدہ کی شان اور ان کثیر سے ہوتا تھا۔ زبیدہ کے لیے سونے اور چاندی کی کاپیوں اور طباقوں میں کھانا چننا جاتا تھا۔ اس سے پہلے عرب کے دستور کے موافق صرف سفرہ بچھایا جاتا تھا یا چمڑے کا دسترخوان ہوتا تھا اور امیروں اور بادشاہوں سب کا یہی دستور تھا۔ اور جس محل میں یا سووہ یا تخت پر زبیدہ ہوتی تھی وہ انبوس یا صندل کی لکڑی کا ہوتا تھا۔ اور چاندی سے فرصیح اور نقش و نگار سے مزین ہوتا تھا۔

زبیدہ نے اپنی کینڑوں کا اپنے لیے ایک باڈی گارڈ بنایا تھا کینڑوں کا باڈی گارڈ اور ان کو ذوق و برق زرتار و دریاں بنوائے تھیں۔ اور جہاں زبیدہ جاتی یہ باڈی گارڈ اس کے ہمراہ ہوتا تھا۔ زبیدہ خاتون کی یہ رسم پھر بغداد کے تمام دولت مندوں اور ائمہ و شرفاء اور اشرافوں نے اختیار کر لی۔

ایک دن ہارون رشید بہت رنجیدہ اور ابو لواس کی درگت زبیدہ کے ہاتھوں غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ ابو لواس اس کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس نے خلیفہ کو خوش کرنے اور ہنسانے کی کوشش کی لیکن ہنسی نہ آئی۔ آخر کار اس ظریف نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ آج اس قدر رنجیدہ کیوں ہیں؟ واللہ میں نے آپ کی مانند کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا جو اپنے اوپر اس قدر ظلم رکھتا ہو۔ آپ دنیا اور دین دونوں کی خوشیاں کیوں حاصل نہیں کرتے؟ جبکہ یہ باتیں آپ کے اختیار میں ہیں۔ عجبی میں خوشی اور ثواب حاصل کرنے کے یہ طریقے ہیں کہ محتاجوں اور مساکین دیتا می کو فی سبیل اللہ خیریت دے کہ ان کی دوست گیری سے بہتر حکیم شریف جا کر سچ کہے۔ مسجدوں کی مرمت کو اپنے بعد سے اور مکتب جاری کیجئے اور اپنی سلطنت کے ہر صنفے میں تہذیب کی

کوشش کیجئے۔ ایسے سب امور کی بابت آپ کو دین میں جڑاٹے گی اور اس دنیا کی خوشی اور
 عیش و آرام کے یہ کام ہیں کہ عمدہ عمدہ نفیس نفیس کھانے کھاتے، شربت پیجئے، مدینہ یا حجاز
 اور عراق کی ماہ لُرد اور خوبصورت کو چاہے وہ بلند و بالا ہوں یا متوسط یا پستہ قد اپنے گرد
 جمع کر لیجئے جن کی عقل ان کی شکل کی مانند منور اور ان کی زبان ان کی آنکھوں کے چمک کی
 مانند فصاحت اور بلاغت رکھتی ہو۔ ابو نواس نے ایسی مسلسل اور عمدہ تقریر کی کہ خلیفہ کی
 پریشانی اور سستی جاتی رہی۔ خلیفہ کو راضی کر کے ابو نواس اپنے گھر روانہ ہوا۔ ابو نواس کے جاتے
 ہی زبیدہ خاتون ہارون الرشید کے پاس آئی اور خوشامد وغیرہ کے خلیفہ کو اس بات پر
 راضی کر لیا کہ ابو نواس نے آپ کے حضور میں جو باتیں کی ہیں وہ آپ مجھ سے بیان کریں اور
 اس نے مزید کہا کہ ابو نواس نے آپ کو ایسی نصیحتیں کیں لیکن آپ نے اس کو جھڑکا نہیں،
 خلیفہ نے جواب دیا کہ ایسی اچھی نصیحتوں پر اس کو جھڑکنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟
 یہ سن کر زبیدہ خاتون غصے میں بھر کر خلیفہ کے پاس سے چلی گئی۔ اپنے محل میں پہنچ
 کر اس نے اپنے غلاموں کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ ابو نواس کے گھر جا کر اسے خوب پیٹو۔
 غلام ابو نواس کے گھر گئے۔ وہاں اس کو خوش خوش پایا، کیونکہ وہ خلیفہ کو راضی کر کے اور
 اس کا غم غلط کر کے آیا تھا۔ اس کو یہ امید تھی کہ خلیفہ میری باتوں سے راضی ہو لے وہ یقیناً
 مجھے کچھ انعام دے گا کہ یکا یک یہ غلام جا پہنچے اور ابو نواس کو اس قدر مارا کہ اگر اس کی بیوی
 پیسج میں پڑ کر اس کو نہ پہچاتی تو درحقیقت ابو نواس مر جاتا۔ ابو نواس کو اس قدر سخت چوٹ
 آئی کہ وہ کئی دن تک صاحب فراش رہا۔ ہارون کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی۔ ایک دن
 اس نے مسرور کو بھیج کر ابو نواس کو بلوایا۔ مسرور ابو نواس کا یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔
 مگر وہ ترغیب دے دلا کر ابو نواس کو اس کے خلیفہ کے حضور میں لے گیا۔ خلیفہ اس سے
 نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اس کو بیٹھے کا حکم دیا اور پوچھا کہ کیا وجہ تھی جو تم اتنے دنوں
 سے دربار میں نہیں آتے؟

ابو نواس نے خلیفہ کے حضور میں آتے ہوئے ایک دو واڑہ دیکھ لیا تھا جس پر ایک
 پردہ پڑا تھا اور اس میں کوئی شخص منظر آتا تھا۔ ابو نواس نے اپنی منجھڑ بوجھ سے پہچان لیا

کہ پردے کے پیچھے زبیدہ خاتون ہیں اس لیے اس نے ذرا احتیاط سے گفتگو کرنے کا تہیہ کیا۔
 عرض کیا کہ امیر المومنین میں بیمار تھا اس وجہ سے ماضی سے معذور رہا۔ خلیفہ نے کہا
 کہ بڑا افسوس ہے تم بیمار رہے اور مجھے تمہارا حال معلوم نہ ہوا۔ اور ہاں اس دن جو تم ماہ بیکر
 اور خوبصورت عورتوں کی باتیں کر رہے تھے وہ بہت عمدہ گفتگو تھی۔ وہی گفتگو میں تم سے
 اس وقت پھر سنا چاہتا ہوں۔

ابو نواس نے کہا کہ امیر المومنین میں اس دن آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ عربوں نے لفظ
 دختر، کو جس کے معنی دسوت، کے ہیں لفظ حرز سے جس کے معنی نقصان کے ہیں استخراج
 کیا ہے اور عربی میں ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں
 ہوتی ہیں اس کی باقی زندگی رنج اور تکلیف میں گزرتی ہے اور جس کی تین بیویاں ہوتی ہیں
 اس کی تمام زندگی بے چینی اور بہت رنج سے گزرتی ہے اور جس شخص کے چار بیویاں ہوں
 تو اس شخص کو مثل مردہ کے سمجھنا چاہیے گو کہ وہ زندہ ہی ہوتا ہے۔ امیر المومنین! میں نے
 تو آپ کو یہی مشورہ دیا تھا اور علاوہ ازیں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو شخص ایک ہی بیوی
 پر قناعت کر کے خوش رہتا ہے تو اس کو بڑی لذت اور عظمت حاصل ہوتی ہے اور اس
 کی زندگی بڑی خوشی سے گزرتی ہے۔

بارون رشید نے چلا کر کہا، اگر میں نے اس قسم کا ایک حرف بھی تم سے سنا ہو تو اللہ تعالیٰ
 میرے مذہب سے مجھے خارج کر دے۔

ابو نواس نے عاجزی سے کہا کہ شاید امیر المومنین کی یاد سے یہ باتیں فراموش ہو گئی
 ہیں۔ ایک بات میں اور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عربی ضرب المثل کے مطابق نبی مجتہد
 تو گویا قوم قریش میں مثل پھول کے ہیں اور آپ زبیدہ خاتون دختر قاسم کے شوہر ہیں۔
 زبیدہ خاتون پھولوں کی پھول ہیں اور دیکھنے والوں کی راحت و چین ہیں۔ امیر المومنین!
 میں نے آپ کے بشرہ سے ازراہ قیافہ یہ بات معلوم کر لی تھی کہ آپ کلال دوسری عورتوں
 کی جانب مائل ہے اس لیے میں یہ بات ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ صرف زبیدہ خاتون ہی ایک
 ایسی مجتہدہ باعصمت ہیں جو آپ کے لیے مناسب ہیں۔ کوئی اور عورت آپ کے مناسب

نہیں ہے۔

ہارون الرشید نے غصے میں آکر کہا کہ ابو نواس ذرا تم ہوش میں آؤ۔ کیا تم مجھے جھوٹا بنانا چاہتے ہو؟ ابو نواس نے عرض کیا امیر المومنین تو کیا آپ مجھے وقت مقررہ سے پہلے ہی مروا دینا چاہتے ہو۔ یا پھر آپ مجھے پھر صاحبِ فراتش کرنا چاہتے ہو کہ جس میں سوائے عم اور غصے کے اور کوئی مجھے تسلی دینے کے لیے بھی نہ ہو؟ اس وقت پردہ کے پیچھے سے ہنسی کی آواز سنائی دی اور ایک آواز آئی ابو نواس تم سچے ہو، تم نے اس قسم کی نصیحت سے مختلف نصیحت نہ کی ہوگی جیسی کہ اب کر رہے ہو، یہ صرف امیر المومنین کے خیالات پریشان ہوں گے کہ انہوں نے گھڑیے تھے اور تمہارا نام لگا دیا۔ ابو نواس نے جواب دیا۔

ہاں ہاں درست ہے۔ اور جلدی سے اٹھ کر اپنے گھر کی طرف دوڑتا ہوا چلا کہ کہیں آج بھی کوئی کلمہ میرے مُنہ سے زبیدہ خاتون کے خلاف نہ نکل گیا ہو۔ لیکن جب ابو نواس اپنے گھر پہنچا تو دروازے پر زبیدہ خاتون کے غلاموں کو موجود پایا، یہ غلام زبیدہ خاتون کی طرف سے اس کے لیے خلعتِ فاخرہ اور ایک بڑی تعداد زر نقد بطور انعام کے لے کر بیٹھے تھے۔

یہ انعام پا کر ابو نواس نے قسم کھالی کہ میں آئندہ کوئی لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالوں گا کہ جس کی وجہ سے زبیدہ خاتون کو کوئی رنج پہنچے۔

خلیقہ کو جب یہ تمام احوال معلوم ہوا تو وہ بہت ہنسنا اور ابو نواس کے پٹنے پر افسوس کیا۔ بعد ازاں خلیقہ نے ابو نواس کو زبیدہ خاتون کی طرح بہت ہی قیمتی خلعت اور ایک کثیر زر نقد کی رقم بطور انعام عطا فرمائی۔

ہارون رشید کے زمانہ میں زبیدہ نے جس شان و شوکت اور دبذب کی زندگی عیبت بسر کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ لیکن ہارون کے بعد اس کا ستارہ گردش میں آیا۔ بیوگی کے غم کی تلافی امین کی خلافت نے کسی حد تک کر دی تھی لیکن دونوں بھائیوں میں جنگِ سخت نشینی برپا ہوئی۔ امین مارا گیا۔ ماموں کامیاب رہا۔ اس حادثہ نے اُسے زندہ درگور اور نیم جان کر دیا۔ اگرچہ ماموں نے اس کے اجلال و اکرام میں پڑھا ہر کوئی فرق

نہ آنے دیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس غم نے اس کی جان لی۔ اس کی زندگی کا یہ پہلو بھی بید
 روشن اور تابناک ہے کہ ہارون کی وفات سے لے کر امین کے قتل تک اور امین کے
 قتل سے لے کر اپنی وفات تک اس نے کوئی ایسی کمزوری ظاہر نہ ہونے دی جس سے
 اس کی شان، اُن اور وقار میں فرق آتا۔

ماخذ

پامر
 امیر علی
 شبلی

ہارون رشید
 تاریخ اسلام
 المامول

عہد ہارون کی علمی ترقیاں

ہارون الرشید کا عہد حکومت جس اعتبار سے دیکھتے ہیں، ہمتا، شاندار اور فقید المثال نظر آئے گا۔ علمی اعتبار سے اس کے زمانہ میں جو ترقیاں ہوئیں انہوں نے ایک طرف عربی زبان کو علوم مغربی اور علوم اہل قدیمہ سے مالا مال کر دیا، دوسری طرف مسلمانوں کی فکری تعمیر و تشکیل میں غیر معمولی اور نمایاں حصہ لیا۔

بے خوف ترقی دہریہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر ہارون کے زمانہ میں علم و ادب کی سرپرستی نہ ہوتی ہوتی اور بیت الحکمت نہ قائم ہوا ہوتا، ادیبوں، شاعروں، عالموں اور فن کاروں کی چھوٹی بسم و زر سے نہ بھری گئی ہوتیں تو مسلمانوں کے علمی عروج و فروع کا دور شاید بہت دیر میں شروع ہوتا ہے اور پھر وہ مقام حاصل نہ کر سکتا جو ہارون کے چند سالہ دور حکومت میں اس نے حاصل کر لیا۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں جس قدر اہل علم و کمال، فضلا، مفتی اصحاب علم و کمال، علماء، شعراء، ادیب، نجومی، قاضی، طبیب وغیرہ موجود تھے اس قدر اہل کمال کسی خلیفہ کے زمانے میں نہیں ہوئے۔ مغنیوں اور موسیقاروں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ وہ ان سب کامرتی تھا اور بذاتہ اس میں سب قسم کی خوبیاں موجود تھیں۔ ہارون الرشید خود اپنے زمانہ کا ایک کامل اہل علم اور بڑا عالم و فاضل تھا۔ شاعر بھی تھا۔ شعر بہت اچھے کہتا تھا۔ علم تاریخ، علم حدیث، فقہ، اور شاعری میں وہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

مناسب موقعوں پر ان کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ہارون بڑا ہی صاحبِ تمیز اور بڑی عقل و فہم، فراست و
کیاست رکھتا تھا، ایسا شخص خوش اخلاق، بامروت، متواضع اور حلیم تھا کہ ہارونی و اعلیٰ دل
سے اس کا ادب اور لحاظ کرتا تھا۔

ہم عصر اہل قلم نے بھی ہارون کی مدح سرائی اور اس کی علمی قدر دانیوں
جاخط کا قول کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔

جاخط کا قول ہے کہ جیسے اربابِ کمال ہارون کو میسر ہوئے اور کسی دوسرے خلیفہ کو
میسر نہیں ہوئے کیونکہ وزارت میں برامکہ، عہدہ قضاة میں البریوسف، شاعروں
میں مروان بن ابی حفظ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی، حاجبوں میں فضل بن الربیع،
مغنیوں میں ابراہیم الموصلی اور ہارون کی ذاتِ خاص سے جس کا تعلق تھا وہ اس کی پیاری
بیگم زبیدہ خاتون تھی۔

آگے چل کر عہدِ ہارونی کے ایسے

فن کاروں اور دانشوروں کی مختصر فہرست شاعروں اور عالموں میں بعض
کا ذکر ہم ذرا تفصیل سے کریں گے لیکن مختصر ایوں سمجھنا چاہیے کہ عہدِ ہارونی کے باکمال
اور صاحبانِ علم و فضل میں سے جن علماء، فضلاء، ادباء، شعراء، اور نحویین کا انتقال
ہارون الرشید کے زمانہ میں ہوا ان میں سے چند کے نام مولانا جلال الدین سیوطی نے
اپنی تاریخ الخلفاء کتاب میں درج کیے ہیں ہم انہیں یہاں نقل کرتے ہیں:

- | | |
|--|--------------------------------------|
| ۱- حضرت مالک بن انس | ۲- لیث بن سعد |
| ۳- قاضی البریوسف | ۴- قاسم بن معن |
| ۵- مسلم بن خالد زبجی | ۶- لوح الجامع |
| ۷- حافظ ابو عوانہ لشکری | ۸- ابراہیم بن سعد زہری |
| ۹- ابواسحاق فزازی | ۱۰- ابراہیم بن ابی یحییٰ شیخ الشافعی |
| ۱۱- اسد کوفی (جو اصحابِ البرحیفہ میں سے تھے) | |
| ۱۲- اسمعیل بن عیاش | ۱۳- بشر بن مفضل |

- ۱۲- سیبویہ امام العربیہ
 ۱۶- جریر بن عبدالمجید زیاد بکائی
 ۱۸- عبد اللہ عمری زاہد
 ۲۰- عبد اللہ بن ادریس کوفی
 ۲۲- در اوردی
 ۲۳- شیخ القراء محمد بن حسن صاحب ابو حنیفہ
 ۲۴- غنجاہ
 ۲۸- فضل بن عیاض
 ۳۰- مروان بن ابی حفصہ شاعر
 ۳۲- معمر بن سلیمان
 ۳۳- موسیٰ بن ربیعہ
 ۳۶- نغان بن عبد السلام اصفہانی
 ۳۸- یحییٰ بن ابی زائدہ
 ۴۰- یونس بن حبیب نحوی
 ۴۲- عبد الرحمن بن قاسم
 ۴۴- ابو بکر بن عیاش مقری
- ۱۵- سلیم مقری صاحب حمزہ
 ۱۷- ضیفم زائدہ
 ۱۹- عبد اللہ بن مبارک
 ۲۱- عبد العزیز بن ابی حازم
 ۲۳- کسائی
 ۲۵- علی بن مسہر
 ۲۷- عیسیٰ بن یونس بسعی
 ۲۹- ابن السماک واعظ
 ۳۱- معانی بن عمران موصلی
 ۳۳- مفضل بن فضالہ قاضی مصر
 ۳۵- ابو الجحیم مصری جو اولیا میں سے تھے
 ۳۷- ہینتم
 ۳۹- یزید بن ذریع
 ۴۱- یعقوب بن عبد الرحمن قاری مدینہ
 ۴۳- عباس بن احنف شاعر
 ۴۵- یوسف بن ماجنون وغیر ہم
- اس فہرست میں جتنی جتنی تحقیق کی جاتے
 اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔
- استاد سنبلانہ نے جامعہ مصر میں ایک لیکچر فلسفہ کے مذہب کی تاریخ، پر دیا تھا۔
 جس کے آغاز میں انہوں نے فرمایا تھا کہ عہد آل عباس میں فن ترجمہ کی تاریخ تین ادوار
 میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔
- پہلا دور ابو جعفر منصور کی خلافت سے شروع ہوتا ہے اور ہارون الرشید پر جا کر
 ختم ہو جاتا ہے جس کی مدت ۱۳۶ھ، ۱۹۳ھ تک سمجھنی چاہیے، مترجمین کا طبقہ اول یہی ہے

اصحاب فضل و کمال کی جماعت

تفسیر قرآن مجید

یہ تفسیر قرآن مجید ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں کو سکھائی تھی۔ اس میں قرآن مجید کے ہر لفظ کی تفسیر ہے اور اس میں قرآن مجید کے ہر آیت کی تفسیر ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ہر سورت کی تفسیر ہے اور اس میں قرآن مجید کے ہر پارہ کی تفسیر ہے۔

یہ تفسیر قرآن مجید ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں کو سکھائی تھی۔ اس میں قرآن مجید کے ہر لفظ کی تفسیر ہے اور اس میں قرآن مجید کے ہر آیت کی تفسیر ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ہر سورت کی تفسیر ہے اور اس میں قرآن مجید کے ہر پارہ کی تفسیر ہے۔

- ۱۔ عبد بن محمد بن کثیر زغانی
- ۲۔ جبرئیل بن جبرئیل
- ۳۔ زکریا خسنوری
- ۴۔ مسد بن علی
- ۵۔ عباس بن سعید جوہری
- ۶۔ ابوحنیفہ بن عمر بن الفرخان
- ۷۔ محمد
- ۸۔ سعید بن جبیر
- ۹۔ عمارت حسن بن حسن بن زکریا
- ۱۰۔ سہل بن شہاب بن سہل
- ۱۱۔ صالح بن بہل ہندی
- ۱۲۔ عبداللہ بن سہل بن زکریا
- ۱۳۔ موسیٰ بن شاگرد اور ان کے صاحبزادے
- ۱۴۔ احمد

۱۵۔ حسن - یہ سب منجم تھے۔

تفسیر نے تین اور بیٹوں کا ذکر کیا ہے جو علم الہند سے اور علم الجیل میں کمال رکھتے تھے اور

- ۱۶۔ موسیٰ بن اسرائیل
- ۱۷۔ ماشا اللہ منجم یہودی
- ۱۸۔ مینحائیل بن ماسویہ
- ۱۹۔ یحییٰ بن ابی منصور
- ۲۰۔ یعقوب بن اسحاق اور اس کے بھائی روزگار شاگرد

۲۱۔ حنفویہ لفظویہ

۲۲۔ سلمویہ

۲۳۔ حمویہ

۲۴۔ احمد بن طیب

۲۵۔ ابو قریش

۲۶۔ یوحنا بن ماسویہ لفرانی

۲۷۔ ابو قریش المعروف

۲۸۔ عیسیٰ اسیدلانی وغیرہ۔ مثلاً

۲۹۔ آل ثابت

۳۰۔ ہامر جوہیہ

۳۱۔ آل الکمرانی

۳۲۔ ابن دہن ہندی مدیر بیمارستان

برامکہ ابن ندیم کا قول ہے کہ یہ شخص سنسکرت سے عربی میں کتابوں کے ترجمے کیا کرتا

تھا اور منکہ طیب ہارون الرشیدیہ بھی سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ خیر، اب

کہاں تک یہ فہرست پیش کی جائے۔ اس فہرست کے علاوہ اور بہت سے قابل ذکر

اسماء ہیں جو بے شمار ہیں لہذا انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

عہد ہارون کے علماء و صلحاء صوفیاء

خلیفہ ہارون الرشید کا عہد زریں علماء و صلحاء اور صوفیاء کے لحاظ سے بھی فرد اور یگانہ تھا۔ اس دور میں جس پایہ کے عالم پیدا ہوئے، جس رتبہ کے اہل دل نمایاں ہوئے، کسی ایک شخص کے عہد میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

عہد ہارونی کے علماء اور اصحاب علم و کمال کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ علوم مختلفہ و متنوعہ کے امام تھے۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر۔ تفقہ، قیاس اور افتاء میں قاسم بن معن زبانِ دانی اور محاوراتِ عرب میں داؤد طائی اور فضیل بن عیاض زہد و ورع میں، اپنا جواب آپ تھے۔

امام محمد کی جلالتِ شان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام شافعی کو ان کی شاگردی پر فخر تھا۔ عہد ہارون کے مجلہ علماء اور اصحابِ فضل و کمال اور صوفیاء و صلحاء کا تذکرہ ان مختصر اوراق میں ناممکن ہے۔ لیکن ان میں سے کچھ کا ذکر مختصر طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سے باقی کا اندازہ ہو جائے گا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

اگلے صفحات میں جن بزرگوں کا ذکر ہم کر رہے ہیں اس میں حروفِ تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

امام ابو یوسف

قاضی امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ کے شاگرد و رشید اور عہد ہارون الرشید کے فقید المثال شخصیت تھے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی اعمش ہشام بن عروہ، سلیمان تیمی، ابو اسحاق شیبانی، یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ محمد بن اسحاق سے مغازی و سیر طبری۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے مسائل سیکھے۔ خدانے حافظہ و ذہن ایسا قوی دیا تھا کہ ہر ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے۔ امام صاحب جب تک زندہ رہے قاضی صاحب ان کے حلقہ درس میں ہمیشہ شریک ہوتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۴۴ھ میں ان کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد ان کے جانشین ہادی نے بھی ان کو اسی عہدے پر بحال رکھا۔ لیکن ہارون الرشید نے ان کی لیاقت و قابلیت سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاة مقرر کیا۔

وفات کے وقت کیا فرمایا؟
 جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی
 پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ محمد بن
 سمار کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے۔

” اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ خلاف واقعہ نہیں کیا ہے۔ میری ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقے کے مطابق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو امام ابو حنیفہ کو واسطہ بنا لیتا اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستے سے باہر نہ جاتے تھے۔“

قاضی صاحب بہت بڑے دولت مند تھے۔ لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ و بغداد کے محتاجوں کو دیے جائیں۔

علوم مختلفہ میں کمال امام صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کی شہرت زیادہ تر ترتیب فقہ میں ہوئی لیکن اور علوم میں

بھی وہ اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ مورخ ابن خلکان نے حلال ابن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر مغازی، ایام تفسیر مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے۔ اور فقہ ان کا ادنیٰ سا علم تھا۔ حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ یحییٰ ابن معین کہا کرتے تھے کہ: ”اہل الرائے میں ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں۔“ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ: ”کان منصفانی الحدیث“، مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے کہ ابو یوسف، اتباع القوم للحدیث،

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ ”اول جب مجھ کو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں نقل کیں۔ اس سے زیادہ ان کی عظمت و شان کی کیا دلیل ہوگی!

امام ابو حنیفہ کا اعتراف فقہ میں ان کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کو خود ان کے کمال کا اعتراف تھا، ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے، واپس آئے تو ساتھیوں سے

کہا کہ اگر خدا نخواستہ یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا۔

اور آئمہ بھی ان کے حدیثِ ذہن اور قوتِ فہم کے قائل تھے۔ امام اعظم اسی زمانہ کے

ایک مشہور محدث تھے۔ انہوں نے قاضی سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب بتایا۔ امام اعظم نے کہا کہ اس پر کوئی سند ہے؟

قاضی صاحب نے فرمایا، ہاں، وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعظم نے کہا کہ، یعقوب یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والد کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اس کا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا۔

امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفی میں تصنیفیں
فن فقہ کا پہلا مصنف کیں، مختلف علوم میں ان کی تصنیفات بہت ہیں۔ اور
 ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن اس جگہ
 کتاب الخراج کا ذکر مقصود ہے۔

ہارون الرشید نے خراج و جزیرہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی

تھیں۔ قاضی صاحب نے اس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہی تحریروں
 کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس میں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے متعلق مسائل
 ہیں اور اس لیے اس کو اس زمانہ کا قانون مالگزار ہی کہہ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں زمین کے
 اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع مکان کی مختلف شرحیں، کاشت کاروں کی حیثیتوں
 کا اختلاف، پیداوار کی قسمیں، اس قسم کی اور مراتب کو اس خوبی اور وقتِ منظر کے ساتھ
 منقبط کیا ہے اور ان کے متعلق قواعد قرار دیے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا
 ہے، طرزِ تحریر میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ نہایت آزادانہ ہے۔ قواعد اور ہدایتوں کے
 ساتھ ساتھ جا بجا ان باتوں کا ذکر ہے جو انتظاماتِ سلطنت میں موجود تھیں اور ان پر
 نہایت بے باکی کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

امام صاحب کی تاریخِ زندگی میں جو چیز سب سے

زیادہ قابلِ قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید

ہارون کے سامنے کلمہ حق

جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جس کی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے۔ کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون رشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کیا کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ تیرا دشمن ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں، اور اگر تو دو ایک بار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے، بلکہ اگر عمال اور صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس میں ایک مرتبہ انصاف کے لیے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پاتے۔

امام صاحب کے سوا کس کی جرأت تھی کہ ہارون کو یہ الفاظ لکھتا۔

امام صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں۔ مورخ ابن خلکان نے اولیت لکھا ہے کہ:

”قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جس نے علماء کے لیے ایک خاص لباس تجویز کیا۔
ورنہ آج تک تمام لوگوں کا ایک لباس ہوتا تھا۔“

امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، اپنی اہمیت، معنویت اور افادیت کتاب الخراج کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ چیز ہے۔ یہ کتاب لکھ کر امام صاحب نے ثابت کر دیا کہ علمائے حق بڑے سے بڑے سلطان کو ٹوک سکتے اور راہ حق کی طرف اس کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

کتاب الخراج کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

امیر المومنین نے رعایا سے ظلم کے ازالہ اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے خراج، عشر، صدقات اور جزیہ پر ایک جامع کتاب لکھنے کا حکم دیا ہے۔ خدا امیر المومنین کو ان امور سے متعلق اس کے فرائض کی تکمیل کی توفیق دے۔ امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ذمہ داری سپرد کی ہے۔ اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے اور عذاب بھی بہت بڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کا ذمہ دار بنایا ہے اور اس کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ کوئی عمارت جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو قائم نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بنانے والے پر گواہی دے گا۔

اس سے اس امت اور رعایا کی ذمہ داری جو آپ کے سپرد ہے اس کو ضائع نہ کیجئے۔ عمل میں اللہ تعالیٰ قوت عطا فرماتا ہے اور آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھتے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اس کو ضائع کر دیا۔ موت انسان کی آرزوؤں سے قریب تر ہے۔ اس لیے عمل میں جلدی کیجئے۔ موت کے بعد عمل کا موقع نہیں ہے۔ بادشاہوں کو اپنے خدا کے دربار میں وہی چیز پیش کرنا پڑے گی جو چرواہا اپنے مالک کی خدمت میں واپس کرتا ہے یعنی رعایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس چیز کا والی بنایا ہے اس میں حق و انصاف کو قائم کیجئے۔ اگرچہ تھوڑی دیر سہی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے خوش قسمت وہ راہی ہوگا جس کے ذریعہ اس کی رعایا کو خوش بخئی حاصل ہو، کج روی اختیار نہ کیجئے ورنہ رعایا بھی سیدھی راہ سے ہٹ جائے گی۔ خواہش نفس کی تکمیل اور غصہ کی بنا پر مواخذہ کرنے سے بچتے۔ جب آپ کے سامنے ایسے دو امور آئیں جن میں سے ایک میں دنیا کا بھلا ہو، اور دوسرے میں آخرت کا تو آخرت والے امر کو اختیار کیجئے۔ دنیا فانی اور آخرت پایدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہمیشہ نگاہ میں کیجئے۔ خدا کے معاملے میں قریب و بعید سب کو برابر سمجھتے اور اس بارے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف نہ کیجئے۔ خوف دل سے ہوتا ہے زبان سے نہیں، تقویٰ اختیار کیجئے، وہ احتیاط سے حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص خدا کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے خدا اس کو بچاتا ہے۔

ظلم کے خلاف احتجاج مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ خراج کے عمل اپنی جانب سے ایسے تحصیلداروں کو بھیجتے ہیں جو ظلم کرتے اور ناجائز مال وصول کرتے ہیں۔ اس خدمت پر سالج اور پاک دامن لوگوں کو مقرر کرنا چاہیے۔ جب اس پر آپ کوئی عامل مقرر کریں اور وہ اپنی جانب سے کسی امین، دیندار اور معتبر آدمی کو یہ سپرد کر دے تو اس کو اس آمدنی سے مقررہ دستور کے مطابق مناسب معاش دی جائے لیکن وہ اتنی زیادہ نہ ہو کہ جس میں عدالت کی کمال آمدنی ہی ختم ہو جائے۔

جو شخص اس خدمت پر مقرر کیا جائے اس کو فقیر، غلام اور امین ہونا چاہیے۔
مشورہ مناسب عموماً ان کے تقریر میں احتیاط نہیں کی جاتی بلکہ جو شخص چند دنوں تک

کسی والی کے در سے چمٹ جاتا ہے اسی کو مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا جاتا ہے خواہ خود اس کے اخلاق، پاک دامنی اور سلامت روی کا کوئی علم نہ ہو۔

خراج کے عمال کے تقرر میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ عمال خراج کیسے ہوں؟ ظالم اور خراج ادا کرنے والوں کی تحقیر و تذلیل کرنے والے نہ ہوں۔ ان کی عام پالیسی نرم لیکن خفیف سخت آئینز ہونی چاہیے۔ مگر اس طرح کہ کسی شخص پر ظلم زیادتی نہ ہونے پاتے۔ مسلمانوں کے ساتھ نرمی، نافرمانوں کے ساتھ سختی، ذمیوں کے ساتھ عدل، مظلوموں کے ساتھ انصاف، ظالم پرور شتی اور عام لوگوں سے درگزر کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

ماتحتوں کے ظلم کا خلیفہ ذمہ دار ہے والی خراج کی جانب سے جو ظلم زیادتی بھی ہوگی وہ بالائی حکم (خلیفہ کا حکم) پر محمول کی جائے گی۔ اور ماتحتوں کے لیے سبب جواز سمجھی جائے گی۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو پوری سزا دی جائے تو دوسروں پر اس کا اثر پڑے گا اور وہ ڈریں گے ورنہ سب جرمی ہو جائیں گے۔ اس لیے جب کسی عامل یا والی پر ظلم، رعایا کے مال میں خیانت، فتنے کے مال میں حرام خوری یا بد کرداری ثابت ہو جائے تو اس کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھنا اس سے مدد لینا، رعایا کے کسی معاملے میں اس کو مختار بنانا اور حکومت کے معاملات میں شریک کرنا حرام ہے۔ اس کو ایسی عبرت ناک سزا دینی چاہیے جس سے دوسروں کو سبق ہو اور آئندہ ایسے کاموں کی جرات نہ کریں۔

مجبور کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سرکاری خبر رساں اور پریچہ نگار خبر رسائی اور پریچہ نویسی خبروں میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور حکام و رعایا کے جن حالات سے ان کو واقف اور باخبر ہونا چاہیے ان سے بے توجہی کرتے ہیں۔ رعایا کے معاملات میں حکام کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور ان کی زیادتیاں اور صحیح خبریں چھپاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ والی اور عمال ان کو راضی نہیں رکھ سکتے۔ ان کے متعلق غلط خبریں دیتے ہیں۔ ان امور کی پوری تحقیقات ضروری ہے۔ اس جگہ کے لیے ہر شہر اور جگہ کے عادل اور ترقی لوگوں کا

انتخاب کرنا چاہیے۔ اس کا اہتمام ضروری ہے کہ خبر رساں رعایا اور حکام کی کوئی خبر نہ چھپانے پائیں اور نہ اس میں اپنی جانب سے کوئی اضافہ کریں۔ ایسا کرنے والوں کو سزا دی جائے قصاصاً، ولایہ اور دوسرے عہدہ داروں پر خبر رساںوں کی نگرانی ضروری ہے لیکن جب تک وہ عادل اور ثقہ نہ ہوں ان کی بھیجی ہوئی اطلاعیں قبول نہ کی جائیں۔ (یہ ٹکڑے کتاب الخراج میں مختلف مقامات پر ہیں ہم نے ان کو ایک جگہ نقل کر دیا ہے)

ان اقتباسات سے اس کا پورا اندازہ ہوتا ہے
 ہارون نے ان ہدایات پر عمل کیا کہ حکومت کے منظم و عدل اور انصاف کے
 قیام کے تمام اساسی اصول اس میں آگئے ہیں۔ ہارون رشید نے ان اصولوں کو اپنا رہنما بنایا
 چنانچہ خراج کی تحصیل و وصولی میں سختی کو یک قلم موقوف کر دیا۔
 ۱۔ سواد کے علاقہ میں خراج کی مقررہ شرح سے زیادہ جو دسواں حصہ لیا جاتا تھا اس کو
 بند کر دیا۔

۲۔ عمال کے تقرر کے وقت ان کو عدل و انصاف کی ہدایت کرتا۔

۳۔ ظالم اور خائن عمال کو نہایت عبرتناک سزا دیتا۔

ماخذ

سیرۃ النعمان (شبلی)
 تاریخ اسلام عہد عباسیہ (ابن تاثیر، یعقوبی)

ابومعاویہ

عہدِ ہارونی کے ایک سر بزرگ اور وہ عالم اور مانے ہوئے اہل کمال ابومعاویہ بھی تھے۔ ہارون ان کا بہت زیادہ ادب و لحاظ کرتا تھا۔ اور ان کی خدمت اپنے لیے موجب شرف و سعادت سمجھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ نابینا عالم ابومعاویہ صغیر کی دعوت کی اور خود ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور معاویہ سے پوچھا۔

”آپ کو معلوم ہے کون آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے؟“

ابومعاویہ نابینا تھے، ان کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا بولے

”نہیں“

ہارون نے کہا،

”میں نے خود یہ خدمت انجام دی ہے“ اس دور کے علماء بھی علم کی اتنی عظمت کرتے تھے

ابومعاویہ نے اس پر کسی ممنونیت کا اظہار نہیں کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ:

”ہاں آپ نے علم کی عزت کے لیے ایسا کیا“

اس واقعے سے جہاں ہارون کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے

کہ اس عہد کے علماء بھی علم کا وقار کس طرح قائم رکھتے تھے۔

ماخذ

(خطیب بغدادی)

تاریخ اسلام عہدِ عباسیہ

اسدین عمرو

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے نہایت نمایاں اور ممتاز اصحاب علم میں اسدین عمرو بھی تھے۔
یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام ابو حنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا۔ بہت
بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن معن
نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

بلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر
کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور اعیان بنی ہاشم کھڑے تھے۔
مگر ایک شخص ہارون کے برابر بیٹھا تھا۔

مجھ کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اسدین عمرو ہیں۔
بعد میں قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔
سنہ ۱۸۰ میں انتقال کیا۔

ماخذ

(شہابی)

سیرۃ النعمان

الجواہر المصنیۃ

ابن سماک

یہ بہت بڑے عالم، بہت بڑے بزرگ اور بہت بڑے اہل دل تھے۔ ہارون ان کی صحبت کا جو یار رہتا تھا۔ ان کی باتیں ہوش گوش سے سنتا اور حد درجہ متاثر ہوتا۔ ایک مرتبہ ابن سماک کے سامنے ہارون نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ گوشِ حقِ نبویؐ خادم نے حاضر کیا۔ ابن سماک نے ہارون سے پوچھا اگر یہ پانی روک دیا جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے کتنی قیمت تک میں خرید دوں گے؟ اس نے کہا نصف سلطنت کے عوض۔

جب ہارون پانی پی چکا تو پھر پوچھا کہ اگر یہ پانی بدن سے خارج نہ ہو سکے تو اس کے نکالنے میں کتنا خرچ کروں گے؟ ہارون نے کہا نصف سلطنت۔ ابن سماک بولے جن سلطنت کی قیمت ایک چلو پانی ہو، اس کے لیے جھگڑنا نہ چاہیے یہ حکیمانہ نصیحت سن کر ہارون رو دیا۔

یوں تو علماء، صلحاء، صوفیاء اور اتقیا کی صحبت ہارون کا گریہ بے اختیار کو بہت مرغوب تھی۔ لیکن ابن سماک کی دل میں اتر جانے والی باتیں اسے بہت متاثر کرتیں۔ ایک مرتبہ ابن سماک سے درخواست کی، انہوں نے فرمایا۔

خدا سے ڈرا کر جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کہ کل تجھے خدا کے روبرو

جانا ہے۔ وہاں تجھے دو مقاموں میں سے ایک مقام اختیار کرنا ہے جس کے علاوہ تیرا مقام نہیں ہے، یہ مقام جنت و دوزخ ہیں۔

یہ سن کر ہارون اتنا روپا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر ہارون کے حاجب فضل بن ربیع نے کہا کہ:

سبحان اللہ! امیر المؤمنین کے جنت جانے میں بھی کوئی شبہ ہے۔ وہ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں، اس کے بندوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ اس کے صلے میں انشاء اللہ ضرور جنت میں جائیں گے۔

ابن سہاک نے ہارون سے فرمایا:

امیر المؤمنین اس دن فضل تیرے ساتھ نہ ہوگا، اس لیے خدا سے ڈرنا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ۔ یہ سن کر ہارون پھر زار و زار رونے لگا۔

ماخذ

تاریخ اسلام (عہد عباسیہ) طبری

حفص بن غیاث

جو سعادت آثار ہستیاں ہارون کے زمانہ میں رونق بزم علم و عمل تھیں ان میں ایک فرد
 فرید شخصیت حفص بن غیاث کی بھی تھی۔

یگانہ روزگار محدث بہت بڑے محدث تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کو کثیر الحدیث
 لکھا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا
 ہے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ سیاسی
 خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے۔ کاغذ یا کتاب پاس
 نہیں رکھتے تھے، چنانچہ اسی طرح جو حدیثیں روایت کیں ان کی تعداد تین یا چار ہزار ہے
 یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ امام صاحب کے شاگردوں میں بزرگ،
 نہایت مقرب اور بااخلاص تھے جن کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی
 تسکین اور غم کو مٹانے والے ہو۔

حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرماتے :
 مختصر تاریخ بغداد میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں
 سے تھے

مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے۔ لیکن اخیر میں ضرورتوں
 منصبِ قضا نے بہت تنگ کیا۔ اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۱ھ میں ہارون نے

ان کا شہرہ سن کر ان کو طلب کیا اور قصا کی خدمت سپرد کی، چونکہ فرض سے زیادہ تھے۔ اس لیے مجبوراً قبول کرنا پڑی۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاة تھے۔ اور قصا کا تمام ہر شے انہی کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کی اطلاع کے بغیر حفص کو مقرر کر دیا اس لیے ان کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص ہمارے مرافعہ میں آئیں تو ان کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھتا چاہیے، لیکن جب ان کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید کریں۔

۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے، تیرہ برس کو فرین اور دو برس بغداد میں قاضی ہے۔
وفات ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

ماخذ

سیرۃ النعمان

الجواہر المصنیۃ

تہذیب الکمال

جعفر طیبالیسی

محدثین کرام کا بھی ایک بڑا اور صاحبِ عظمت طبقہ ہارون الرشید کے عہد میں موجود
رہا۔ انہی میں ایک قابلِ صداقت و سہتی جعفر طیبالیسی کی بھی تھی۔
یہ بہت بڑے محدث تھے۔ حصولِ حدیث کے سلسلے میں انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں
جھیلیں اور زحماتیں برداشت کیں مگر جبینِ استقامت پر شکن تک نہ آئی۔
۸۲ھ مطابق ۷۹۸ء میں عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف کوچ کیا۔

ماخذ

الجواهر المضية

امام زفر

امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے بعد امام زفر کا درجہ تھا بلکہ بعض اصحاب علم امام صاحب کے شاگردوں میں علم اور جامعیت علم کے اعتبار سے امام زفر کو بہت بڑا درجہ دیتے ہیں۔

امام زفر مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ انہوں نے فقہ حنفی کے گراں بہا خدمات انجام دیے ہیں جنہیں تاریخ حنفیہ ہمیشہ ممنونیت کے ساتھ یاد رکھے گی۔

امام محمد اور ابو زفر فقہ میں اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ اس لیے صاحبین سے ان کو موخر رکھنا پڑا۔ یہ عربی النسل تھے، شروع زمانہ میں ان کو حدیث کا شغل رہا۔ اور صاحب الحدیث اس وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب الاسما واللغات میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے۔ پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یسی بنی بن معن جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ ان کا قول یہی بن معن کی تعدیل ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ ماموں، بعض لوگوں نے

ان کی تصنیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابلِ اعتبار نہیں۔

ان کو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا، امام
قیاسی احکام میں مہارت ابوحنیفہ ان کی نسبت فرماتے ہیں۔ اقیس اصحابی،
 وکیح بن الجراح جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان سے استفادہ کرتے تھے، قضا کا عہدہ بھی
 ان کو ملا تھا۔

ماخذ

سیرۃ النعمان

تہذیب ، سماء واللغات ، علامہ نووی

عبداللہ بن مبارک

یہ وہ گراں پایہ ہستی تھی، فن حدیث کو جس پر ناز تھا۔ علم و فضل کی مسند جس سے انساب پر فخر کرتی تھی، تحقیق و تدقیق جس کا شعار تھا۔ حدیث رسولؐ سے جس کا شغف عشق کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ تفقہ فی الدین جس کی سرشت تھی۔ مسائل مہمہ و مختلفہ کی کونہ تک پہنچا اور ان کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے کسی ایک نتیجے پر پہنچا اور اس سلسلے میں اپنے مسلک کی وضاحت و دل نشین اور دلاویز طریقے پر کرنا طرائے امتیاز تھا۔

محدث نووی نے تہذیب الاسما و اللغات میں ان کا ذکر ان نقطوں میں ایک ہے۔
 « وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں عموماً اجتماع کیا گیا ہے
 جلالتِ شان جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جس کی محبت سے
 مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔

حدیث میں جو ان کا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو
 امیر المؤمنین فی الحدیث سکتا ہے کہ محدثین ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کے
 لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ان سے
 عالم المشرق کے لقب سے خطاب کیا۔ امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود
 تھے بولے کہ کیا غضب ہے کہ امام المشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق و المغرب ہیں۔
 امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن مبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی حدیث

کی تحصیل میں کوشش نہیں کی۔ خود عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیثیں سنیں جن میں سے ہزار سے روایت کی۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فنِ روایت کے بڑے ارکان ہیں سے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج ان کا پتہ نہیں ہے۔

ان کے فضل و کمال، زہد و تقویٰ نے اس قدر ہارون عبداللہ کے ساتھ بے حقیقت تھا لوگوں کو مسح کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا، ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رتہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن مبارک بھی رتہ پہنچے، ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کش مکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں، ہزاروں آدمی ساتھ ہوتے اور گرہ چھا گئی۔ ہارون رشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر پوچھا یہ کیا حال ہے، لوگوں نے بتایا کہ خراسان کا عالم آ رہا ہے جس کا نام عبداللہ بن مبارک ہے، بولی کہ حقیقت میں حکومت اس کا نام ہے ہارون کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ سے کسب فیض یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں اور امام صاحب کے ساتھ ان کو خاص خلوص تھا، ان کو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھ کو حاصل ہوا ہے وہ امام اعظم اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ ان کا مشہور قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ و سفیان کے ذریعے میری دست گیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ امام ابو حنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں۔ یہ مروی ہے کہ وہ اپنے والد سے ۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے، مقام ہمدان میں وفات پائی۔

ماخذ

سیرۃ النعمان، تہذیب الاسماء واللغات، تہذیب الکمال۔

تاریخ الکمال، تاریخ ابن خلکان۔

فضیل بن عیاض

بہت بڑے بزرگ تھے، متقی، پرہیزگار، خدا ترس، خدا کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتے، کسی سے مرعوب نہ ہونے والے، دنیا سے بیزار، اہل دنیا سے نفور، ارباب جاہ و جلال سے بے خوف، احباب تاج و تخت سے بے نیاز۔

ایک مرتبہ فضیل بن عیاض نے ہارون سے مخاطب ہو کر فرمایا:
وَاللَّهِ لَئِنْ جِئْتُ بِمَنْ يَخْلُقُ كَمَا يَخْلُقُكَ لَأَكْفُرَنَّ بِكَ

تو اس اُمت کا ذمہ دار ہے اور تجھی سے اس کی باز پرس ہوگی،
یہ نصیحت سن کر ہارون زار و قطار روپا۔

منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں تین آدمی رقیق القلب تھے۔ اور خشیتِ الہی سے جن کی پلکوں پر آشور کھے رہتے تھے۔

فضیل بن عیاض، ابو عبد الرحمن زاہد اور ہارون الرشید۔

ماخذ

تاریخ اسلام، (عہد عباسیہ) تاریخ خطیب بغدادی

امام مالک

امام مالک اگرچہ ہارون الرشید سے پہلے ہی دنیائے علم و تحقیق میں اپنا سکہ جما چکے تھے، لیکن ہارون الرشید کے زمانے میں بھی موجود تھے اور ہارون نے باہمہ جبروت امام صاحب کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں کی۔

جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا مودب ہو کر بیٹھتا اور سماعت حدیث کا شرف حاصل کرتا۔ اپنے دونوں شاہزادوں - ایمن و مامون - کو بھی اس نے کسب تحقیق کے لیے بارگاہ امام صاحب میں بھیجا۔

امام مالک پر اردو زبان میں کافی لٹریچر موجود ہے۔ لہذا سلسلہ بیان کے لیے اتنا ہی ذکر کافی ہے۔

خود راقم الحروف نے بھی ایمن الخولی کی ضخیم کتاب دمالک، کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جس سے امام صاحب کے حالات و سوانح سے متعلق معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔

امام محمد

دمشق کے قریب ایک گاؤں ان کا آبائی وطن تھا۔ لیکن والد نے واسط کی اقامت اختیار کر لی تھی۔ ۳۵ھ میں یہاں پیدا ہوئے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے دستِ راست تھے۔

تحصیلِ علم سنِ رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا، یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محققین و فقہاء کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام، امام سفیان ثوری، مالک بن دینار، امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک امام ابوحنیفہ کی خدمت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے تحصیلِ علم کی پھر مدینہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے، آغازِ شباب ہی میں ان کے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن میں مسندِ درس پر بیٹھے اور لوگوں نے ان سے استفادہ شروع کیا۔ ہارون الرشید نے ان کے فضل و کمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت سپرد کی، اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۸۹ھ میں رستے گیا تو ان کو بھی ساتھ لے گیا۔ رستے کے قریب رابوہ ایک گاؤں ہے، وہاں پہنچ کر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا۔ اور اس نے بھی یہاں انتقال کیا۔ ہارون کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا: آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے۔

علامہ نیری نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے نہایت

جان گداز مرثیہ لکھا ہے جس کا ایک شعر ہے:

ترجمہ: درہم نے کہا کہ حیب تو نہ رہا تو ہمارے لیے مشکلات کو حل کرنے والا کہاں سے

آتے گا؟

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ درباریوں کے تعلق سے آزادی اور حق گوئی بسر کیا۔ لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ۱۵۰ھ میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون رشید ان کا سرور امان دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا اور وہ صلح اختیار کی، معاہدہ قلم بند ہوا۔ اور یحییٰ کے اطمینان کے لیے بڑے بڑے علماء و فضلاء فقہاء اور محدثین نے اس پر دستخط کیے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون رشید نے نقض عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہارون کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ موجودہ صورت میں نقض عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد نے اعلانیہ مخالفت کی، اور آخر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام شافعی کی عقیدت امام محمد سے امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اس کا اندازہ آئمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو سکتا ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ جب امام محمد کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے۔ انہی کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا: محمد بن الحسن کی کتابوں سے۔

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ بہت سے علماء تعلیم پا کر نکلے، لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہو گا۔ اگلے زمانے میں بھی امام تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے۔ تاریخ و رجال کی آج سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، وہ کیا شہادت دے رہی ہیں۔ بلاشبہ امام شافعی کو امام محمد کے فیض صحبت کے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے، اور اس کا خود ان کو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں:

”امام محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے، اس لیے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی مرتبہ ہیں اس لیے میں نے ان کی صحبت لازم سمجھی اور ان کا درس قلم بند کرنا تھا۔“

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے
شاگرد کا اکرام و اجلال اور شاگردوں کی نسبت ان کے ساتھ خاص مراعات

کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون رشید کے ذریعہ میں جا رہے تھے کہ راستہ میں امام شافعی ملے جو ان کی ملاقات کو اُسے تھے اسی وقت گھوڑے سے اترے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اس وقت حاضر خدمت نہیں ہو سکتا، امام شافعی نے کہا میں کسی اور وقت حاضر ہوں گا آپ تشریف لے جائیں۔“

امام محمد نے کہا، نہیں وہاں جانا کوئی ضروری نہیں، امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی ہوتے تھے اور اسی بنا پر بعضوں کو ان کی شاگردی سے انکار ہے، لیکن اس زمانہ میں انسوی و شاگردی میں یہ امر مانع اور معیوب نہ تھے۔ اور دراصل آج بھی معیوب نہیں ہیں۔ امام محمد کی شہرت زیادہ ترقی میں ہے اور ان کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھ کر
پایہ علم و عمل نہیں دیکھا۔ ادب و عربیت میں اگرچہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں موجود ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں ان کا کیا پایہ تھا۔ چنانچہ ابن خلیکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں ان کی کتاب ”موطا“ مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحج، جو امام مالک کے رو میں لکھی ہے اس میں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ

مدینہ والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں، حالانکہ ان مسائل میں ان کے

خلاف صریح حدیث موجود ہے۔“

امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار ہی ان کتابوں پر ہے

۱۸۹ھ میں امام محمد خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ رستے تشریف لے گئے۔ وہیں

وفات قریب کے ایک موضع ربوہ میں انتقال کیا۔ اتفاق سے کساتی بخوی نے بھی

اسی جگہ انتقال کیا، تو ہارون کو بہت صدمہ ہوا۔ اور کہا کہ آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن

کرائے ہیں۔

ماخذ

سیرة النعمان، تہذیب الکمال، تراوی التالیس، الجواہر المصنیۃ،

ہارون الرشید (پامر)

عہد ہارون کے اطباء اور حکماء

ہارون الرشید کا عہد حکومت اس اعتبار سے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں دیار غیر سے طبیبوں اور حکیموں کی بڑی تعداد بغداد میں آئی۔ اور مال مال ہو کر یہاں بس گئی۔ تقریباً یہ سب کے سب ہندو، عیسائی اور یہودی تھے۔ ان طبیبوں کے تفصیلی حالات اگر دیکھنا ہوں تو اصل مصادر کا مطالعہ کیجئے۔ ذیل میں نمونہ صرف چند کا اجمالی تعارف کافی ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس عہد میں فن کاروں کی حوصلہ افزائی کس کس طرح کی جاتی تھی۔

منکہ

ہارون کے زمانے میں جو اصحاب فضل و کمال اپنا دین چھوڑ کر بغداد آئے اور پھر خلیفہ کی قدر دانیوں اور زر پاشیوں سے متاثر ہو کر بغداد کو اپنا وطن بنا لینے پر مجبور ہو گئے ان میں ایک ہندو طبیب منکہ بھی تھا۔ جو خاص طور پر بلایا گیا تھا اور طبیب شاہی کے منصب پر مامور ہوا تھا۔

یہ فیلسوف علم طب اور حسن معالجہ میں مشہور تھا۔ ان کے علاوہ علم لغت اور علوم ہندسہ کے فارسی اور عربی خوب جانتا تھا۔

کتاب اخبار الخلفاء و ابرامکہ میں لکھا ہے کہ ہارون ایک مرتبہ سخت عارضہ میں مبتلا ہو گیا اور کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ تب ابو عمر الاعجمی نے کہا کہ ہندوستان میں منکہ نامی ایک مشہور طبیب ہے۔ اگر امیر المومنین اس کو طلب کریں تو اس کے علاج سے ضرور فائدہ ہو گا۔

چنانچہ ہندوستان سے یہ نامی طبیب بلایا گیا اور اس کے علاج سے فائدہ ہو گیا۔ منکر سے فارسی میں اس حکیم نے بہت کتابیں ترجمہ کی ہیں۔

ماخذ

ابرامکہ، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنٹن)

صالح بن بہلہ

جو لوگ ہارون کے زمانہ میں ہندوستان یا دوسرے مقامات سے بغداد آتے ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے کچھ عرصے بعد بہرہ رخصت اسلام قبول کر لیا، ان نو مسلم ہندوستانی طبیبوں میں صالح (الفنٹن) صاحب نے اس کا تلفظ سالی کیا ہے، بن بہلہ بھی تھا۔ یہ شخص ہندوستان کے چیدہ طبیبوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ معالجات کے فن سے پورے طور پر واقف تھا۔ ہارون کی بہن عباسیہ کے پہلے شوہر ابراہیم عباسی پر جب سکتے کی کیفیت طاری ہوئی اور سب نے اس کی موت کا فتویٰ دے دیا۔ تو یہ صالح تھا جس نے دربار کے طبیبوں کو چیلنج کیا اور ایسا علاج کیا کہ تھوڑی ہی دیر میں مرده زندہ ہو گیا۔ ہارون الرشید جو پیکرِ عجم بنا بیٹھا تھا جو شمسرت سے بے قابو ہو گیا اور اس نے توقع سے کہیں زیادہ اس شخص کو انعام و اکرام سے نوازا۔

ماخذ

البرامکہ، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنٹن)

کنکہ

یہ بھی دربار ہارونی کا ایک ہندو طبیب تھا۔ اپنی صداقت، تشخیص اور فنِ معالجات میں مہارت کی بنا پر اس نے غیر معمولی شہرت اور رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

ہندوستان کے اگلے حکیموں میں یہ سب پر فائق تھا۔ علمِ طب میں اس کو بڑا کمال حاصل تھا۔ ادویہ کے خواص اور ان کی تاثیر کا ماہر تھا۔ علمِ نجوم اور سمیت میں بھی اس کی شہرت تھی۔ ابو معشر بلخی نے اپنی کتاب الالوف میں لکھا ہے کہ علمائے ہند میں کنکہ علمِ نجوم میں سب سے مقدم ہے۔ اس کی تصنیفات ’عمودار فی الاعمار، اسرار الموالیہ، القرانات البکیر، والقرانات الصغیر و کتاب فی التوہم و کتاب فی الاحداث عالم والدور فی القرآن اور فرابا دین جس کو عربی میں کناش کہتے ہیں، مشہور ہیں۔ علاوہ طبابت کے ترجمے کا کام بھی اس کے سپرد تھا۔

ماخذ

ابرامک، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنشن)

صنہیل، شاناق، جو در

یہ طبیب بھی ہندوستان کا رہنے والا تھا، یہ نہ صرف فن طب میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا بلکہ علم نجوم میں بھی اسے غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں موالید البکیر نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

صنہیل کے علاوہ ہندوستان کے جو لوگ علم طب، اور نجوم میں بہت زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے وہ باکھر، راجہ، سکھ، واسر، انکر، زنگلی، جیہر، اندی، جاری، ہیں۔ انہی کی تصنیفات پر اس زمانہ میں علم نجوم و طب کا انحصار تھا۔ اور اکثر تصنیفات انہیں ہندی طبیبوں کے ذریعے عربی میں ترجمہ ہوتی ہیں۔

اس ہندی طبیب کے معالجات مشہور ہیں۔ علاوہ طب کے علوم حکمت سے بھی شاناق واقف تھا اور علم نجوم میں اسے خاص کمال حاصل تھا۔ اس کے حکیمانہ اقوال تاریخوں میں منقول ہیں۔ اس کی تصنیفات میں سے کتاب البیطرہ، کتاب فی علم النجوم، کتاب منتمل الجواہر مشہور ہیں۔ اس پچھلی کتاب میں راجہ یا بادشاہ کے واسطے نہایت مفید نصائح ہیں۔ (قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کا نام سنگھ، ہے جو عربی میں شاناق ہو گیا ہے)

ہندوستان کا مشہور فاضل اور طبیب ہے۔ اس کی علوم حکمت میں بھی تصنیفات ہیں۔ جو در اور کتاب الموالید مشہور ہے جس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

(ماخوذ از طبقات الاطباء، باب دوازدهم متعلق اطبائے ہند ص ۲۲-۳۵)

ماخذ

البرامک، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنن)

جبرئیل بن نجیشروع

علم اور کمال کے معاملے میں ہارون الرشید کسی تعصب اور تنگ نظری کا قائل نہ تھا۔ اس نے بغیر کسی تامل کے جس طرح ہندوستان سے بلند پایہ طبیبوں کو طلب کیا اور ان کے دامن یم و زر سے بھر دیے اسی طرح دوسرے مقامات کے عیسائی اور یہودی اصحاب کمال کو بھی اس نے بلایا۔ اور بلند سے بلند منصب پر فائز کیا۔ انہی میں ایک جبرئیل بن نجیشروع بھی تھا۔

جبرئیل بن نجیشروع بن جابر جس یونانی دربار ہارون الرشید کا فاضل طبیب تھا۔ اس کے علاج بڑے بڑے معرکے کے مشہور ہیں۔

۱۷۵ھ میں جب جعفر برمکی بیمار ہوا تو خلیفہ نے اس طبیب کو اس کے علاج کے واسطے مقرر کیا تھا۔ دربار رشید میں اس کا مرتبہ وزارت سے کم نہ تھا۔

جب امین الرشید تخت نشین ہوا تو وہ بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور بغیر اس طبیب کے پانی تک نہ پیتا تھا۔ ۱۳ برس تک ہارون کی اس نے خدمت کی تھی اور عہد ماموں رشید میں بمقام مدائن ۲۱۳ھ مطابق ۸۲۱ھ فوت ہوا۔ اور دیر مار سرجس میں دفن ہوا۔ علاوہ طب کے دیگر فنون میں بھی اس کی تصنیفات ہیں۔

ملخص

البرامکہ، طبقات الاطباء۔

عہد ہارون کے ادیب، شاعر، فن کار

ہارون کے زمانہ میں ادیبوں، شاعروں، موسیقاروں اور فن کاروں کی تعداد بھی حد شمار سے خارج تھی۔ اقتصادیات کا مشہور قاعدہ طلب و رسد زندگی کے ہر گوشہ میں کار فرما ہے۔ یہی چیز ہمیں یہاں بھی موجود ملتی ہے۔

اموال کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں علم و فن کی ترویج بڑی تیزی سے ہونے لگی۔ شاعری کا بازار گرم ہو گیا اور تہذیب و تمدن کے چمکے پھوٹنے لگے۔ مولف کتاب الاغانی کہتا ہے کہ مشہور معنی ابراہیم موصلی نے ہارون سے جو رقمیں وصول کیں وہ لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھیں۔ جب ایک معنی پر اس قدر زکثیر صرف کیا جاسکتا ہے تو نہ معلوم اس کے علاوہ بغداد میں اور جو ہزاروں ادب اور شعرا اور معنی ہوں گے ان پر کس قدر رقم صرف کی گئی ہوگی۔ اس طرح علم و فن کی جو گرم بازاری ہوتی اس کا سہرا کلی طور پر ہارون الرشید کے سر بندھتا ہے۔ ہارون الرشید کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں فلسفے کی کئی مشہور پرانی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ اس کارِ اہم کی طرف اس نے اپنی توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے وزراء نے بھی کتابوں کے ترجمہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اس طرح یونانی اور فارسی اسالیب فکر کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی اور اس کا نتیجہ کارنامہ قدیم و جدید تہذیبوں کو ملانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

ادب، صرف و سخن اور فقہ کو بھی ہارون کے زمانے میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ جہاں

سجھ کے بابے میں بصری اور کوئی دو گروہ بن گئے تو ہاں فقہ نے بھی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مذاہب کی صورت اختیار کر لی۔

کیجیائے بھی اس کے عہد میں بڑی ترقی کی، جہاں تک مصوری کا تعلق ہے اس کے عہد میں جو محلات تعمیر کیے گئے ان میں تھاویر بھی بنائی گئی تھیں۔

موسیقی کے فن نے تو اس کے عہد میں بے انتہا عروج حاصل کیا۔ الفرج الاصفہانی کی کتاب 'الانغانی' پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن نے ہارون کے عہد میں کس قدر ترقی کر لی تھی۔ اگلے صفحات میں اسی سلسلے کی بعض مشہور اور نمایاں ہستیوں کا ذکر ہم الگ الگ کریں گے۔

ابوالعناہیہ

نام اسماعیل بن قاسم، کنیت ابواسحاق، لقب ابوالعناہیہ، جائے پیدائش کوفہ، شعر و ادب کا امام، نادر بحر میں لطیف معانی، سہل الفاظ، بے تکلف انداز، بیان، متروک اور قدیم الفاظ کے استعمال کا خاص شوق، نہایت دولت مند، لیکن بے حد بخیل، زہد ریات میں اس کا کلام بھی بے نظیر ہے۔

اس کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔ افغانی اور محاضرات کی دوسری کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر ملتا ہے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید نے بڑی شان و شوکت سے ایک مجالس ضیافت ترتیب دی جس میں ابوالعناہیہ کو بھی مدعو کیا۔ یہ ناپسند تھا۔ بعد ختم طعام ہارون الرشید نے ابوالعناہیہ سے کہا کہ اس نشاط انگیز موقع پر کچھ پھر کہتے ہوئے شعر سناؤ۔ ابوالعناہیہ نے ایک شعر سنایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ:

دخدا کرے بلند قلعہ کے سایہ میں تیری زندگی سچی خوشی کے ساتھ بسر ہوتی رہے،

یہ سن کر ہارون نے کہا:

دشاباش، آفرین، مرحبا،

ابوالعناہیہ نے پھر دوسرا شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:

دعا ہے کہ ہر صبح و شام تیری ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش تک کو اللہ تعالیٰ خیال کرنے

سے پیٹے ہی مہیا کر دیا کرے۔۔۔

یہ شاعر سن کر ہارون نے کہا۔ مرجا!

ابوالعناہیہ نے دو شعر اور پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا کہ:

لیکن جب قریب موت کے تیرے سانس سے سچھ کو سینے میں رک رک کر تنفس ہونے لگے گا اس وقت بلاشبہ سچھ کو یہ معلوم ہو گا کہ یہ تمام دنیا فانی اور دھوکے کی ٹٹی تھی، یہ اشعار سن کر خلیفہ کو رقت طاری ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر فضل نے جو یحییٰ وزیر اعظم کا بیٹا تھا ابوالعناہیہ کی طرف سر کرنا سجا نہ لہجے میں کہا۔

خلیفہ نے تو تم کو اس لیے بلایا تھا کہ تمہارے اشعار سن کر خوشی اور انبساط میسر ہو اور تم نے ایسے اشعار سنائے جن سے خلیفہ کو رنج ہوا، اس قسم کے اشعار کا یہ کیا موقع تھا؟ ہارون رشید نے فضل کو روکا اور فرمایا:

مہیں فضل نہیں۔ ابوالعناہیہ سے کچھ مت کہو، یہ محسوس کرتا ہے کہ اس دنیا میں ہم اندھے ہو رہے ہیں۔ اور اس کا دل نہیں چاہتا کہ ہم یہاں مزید اس سے زیادہ اور اندھے بنے رہیں۔۔۔

ماخذ

ہارون الرشید (پامر) دیوان ابوالعناہیہ۔

ابونواس

ہارون کے زمانہ کا یہ بھی یگانہ روزگار شاعر تھا۔ خبریات اس کا خاص موضوع تھا۔ بذلتی اور ظرافت اس کی گھٹی ہیں پڑی تھی۔ قصیدے بھی کہتا تھا، اور ہجو بھی۔ پڑگو اور حاضر جواب شخص تھا؛ اپنی خوش طبعی کے باعث ایسا بھی ہونا کہ آئی ہوتی مصیبت ٹل جاتی۔

ہارون الرشید کو نمید پینے کی بہت عادت تھی اور علاوہ ازیں کبھی کبھی شرع کے احکام سے بھی وہ متجاوز ہوجاتا تھا۔ ایک دن کسی ترنگ میں اگر یہ حکم دے بیٹھا کہ ابونواس کو اسی وقت اور اسی جگہ قتل کر ڈالو۔ ابونواس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین کیا آپ مجھے بے جرم و بلا دلیل صرف تلون مزاجی سے قتل کراتے ہیں؟

ہارون نے کہا، نہیں بلکہ تم قتل کیے جانے کے مستحق ہو، اس شاعر نے جواب دیا اللہ تعالیٰ بھی گنہ گاروں کو اول ان کے جرائم سے مطلع فرماتا ہے اور پھر ان کو معاف کر دیتا ہے، فرمائیے کہ میں قتل کیے جانے کا کس وجہ سے مستحق ہوں؟

خليفة نے کہا، تم نے جو ایک شعر کہا ہے کہ
 "اے ساتی مجھ کو شراب پینے کو دے اور مجھ سے کہہ کہ یہ شراب ہے جبکہ میرے سب
 افعال علی الاعلان اور ظاہر ہیں تو تو مجھ سے شراب کا نام کیوں چھپاتا ہے؟"
 اس بے شراب پینے کی وجہ سے تم قتل کیے جانے کے مستحق ہو گئے ہو،
 ابونواس نے پوچھا "امیر المؤمنین! کیا آپ واقف ہیں کہ مجھے شراب دے دی گئی تھی اور

میں نے اسے پئی لیا تھا؟“

خلیفہ نے کہا، ”ہاں مجھے شہر ہے۔“

ابو نواس نے کہا، کیا آپ مجھے شہر پر قتل کرانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ قرآن شریف میں حکم

ہے کہ ان بعض الظن اثم۔

یہ سن کر ہارون نے جواب دیا کہ تم نے اور بھی ایسے اشعار کہے ہیں جس کی وجہ سے تم قتل

کے مستحق ہو۔ مثلاً تمہارے شعر میں الحاد کا مضمون ہے، تمہارا شعر ہے!

”کوئی شخص اس بات کی اطلاع دینے کے لیے واپس نہیں آیا کہ وہ جنت میں رہا یا

دوزخ میں۔“

ابو نواس نے پوچھا کہ ”اچھا امیر المومنین آپ ہی فرماتے کہ کیا کوئی شخص اس بات

کی اطلاع دینے واپس آیا ہے؟“

خلیفہ نے جواب دیا ”نہیں۔“

یہ سن کر ابو نواس نے کہا کہ اس بات کا مجھے کامل یقین ہے کہ سچ بات کہنے میں آپ

مجھے قتل نہ کرائیں گے۔“

خلیفہ نے کہا کہ: ”ان سب باتوں کے علاوہ تم نے اپنے ایک شعر میں اللہ تعالیٰ کی

نسبت نعوذ باللہ کلمات بے ادبی کا اظہار کیا ہے، وہ مضمون یہ ہے کہ:

”اے محمدؐ تو یہی دینا شخص ہے کہ مصیبت کے طوفان کے پیدا ہوتے وقت ہم سب

کی آنکھیں تیری ہی جانب لگی رہتی ہیں۔ اے تشریف لا، کیونکہ میں اور تو دونوں مل کر آسمانوں

کے بادشاہ کو شکست دے سکتے ہیں۔“

ابو نواس نے خلیفہ سے پوچھا کہ ہم نے اس (اللہ تعالیٰ) کو شکست دے دی؟“

خلیفہ نے جواب دیا کہ ”میں نہیں جانتا کہ تم نے کیا کیا؟“

ابو نواس نے کہا ”امیر المومنین جس بات کو آپ جانتے ہی نہیں تو اس کے عوض آپ

مجھ کو قتل کیسے کریں گے؟“

ہارون جواب دیتے دیتے تھک گیا اور اب اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا، ابو نواس سے کہا

کہ تم اپنی یہ بیہودہ گفتگو بند کرو تم نے ہمیشہ اپنے اشعار میں ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے تم قتل کے مستحق ہو گے ہو۔ ابو نواس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ باتیں جاننے سے بسی بہت پرستربانتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

والشعراء یثبہنہم العادون اللہ تورى انہم فی کل وادی یعیون وانہم یقولون
مالا یفعلون۔ اور شاعروں کی باتوں پر وہ لوگ چلتے ہیں جو گمراہ ہیں۔ تو نے نزدیکھا کہ وہ ہر
وادی اور میدان میں سرماتے پھرتے ہیں، اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن کو وہ نہیں کرتے
خلیفہ نے حکم دیا:

”ابو نواس کو جانے دو۔ قتل نہ کرو۔ یہ تو کسی گرفت میں آتا ہی نہیں۔“
اس طرح حاضر جوابی سے ابو نواس کی جان بچ گئی۔

ماخذ

ہارون رشید (پارہ) اغانی

صمیمی

یہ بھی عہدِ ہارون کا گلِ سرسید ہے۔ شاعر، ادیب، لغزگو، ماہرِ لغت، کون سا کمال تھا جو اسے حاصل نہ تھا۔ اس نے خود ہی اپنی داستانِ باندازِ خاص سنائی ہے۔ کہتا ہے:

میں نے تمام علوم کے حصول میں سخت مشقت کی، لیکن لغت، تاریخ، انساب اور اشعار عرب میں خصوصاً کمال حاصل کیا تھا۔ چنانچہ خلفاءِ عباسیہ کی قدر وافی سن کر بصرہ سے بغداد پہنچا۔ خلیفہ ہارون الرشید اس وقت سلطنت پر حکمران تھا۔ شرکتِ دربار کی آرزو میں آستانہٴ خلافت پر روزانہ حاضر رہتا تھا اور دربانوں و پاسبانوں کو قصہ کہانی سنا کر دوست بنا لیا تھا۔ اور اس اُمید میں رہا کرتا تھا کہ دیکھے کس دن اقبال کا سورج اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ مدتوں اسی میں گزری، محنتِ شاقہ سے بسا اوقات میں گھبراٹھا تھا۔ کہ وطن کو واپس جاؤں، لیکن بدرجہ مجبوری چند روز تک اور صبر کیا معمول کے موافق ایک رات کو آستانہٴ خلافت پر حاضر تھا کہ حاجب نے آکر دریافت کہ:

”کوئی شخص اس وقت حاضر ہے جو شاعر ہو اور فنِ شعر کو اچھی طرح جانتا ہو۔“

میں نے یہ آواز سن کر اپنے دل میں کہا۔ اللہ اکبر! مصیبت سے نکلنے کا وقت آن پہنچا اگر تقدیر نے یادری کی اور خلیفہ کو میرا کلام پسند آگیا تو پھر کیا کہتا ہے؟ اور حاجب سے کہا میں جانتا ہوں، مجھے لے چلو۔ چنانچہ حاجب نے مجھے ساتھ لیا اور مبارکباد دے کر کہا کہ اگر خلیفہ کو تمہارا کلام پسند آگیا تو پھر مالِ مال ہو جاؤ گے۔ اور یہ مصائب دور ہو جائیں گے اور دربارِ شاہی

میں لے جا کر ایسے موقع پر کھڑا کر دیا کہ جہاں سے میں خلیفہ کو بخوبی دیکھ سکتا تھا اور سلام کر سکتا تھا۔
 خلیفہ ہارون الرشید ایک مسند پر جلوہ گر تھا اور اس کا چہرہ مثل بدر کے چمک رہا تھا اور پہلو میں
 وزیر اعظم جعفر برمکی بیٹھا تھا۔ خادم اپنے اپنے قرینے سے کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے بھی خلیفہ
 کو سلام کیا۔

سلام کا جواب دے کر ارشاد فرمایا کہ "اگر دربار کی ہمعیت تم پر چھا گئی ہو تو تھوڑی دیر
 علیحدہ بیٹھو تاکہ خوف زائل ہو جائے پھر ہمارے حضور میں آؤ تاکہ بات چیت کر سکو۔"
 میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر توقف کرتا ہوں تو مناسب نہیں ہے۔ کیا عجیب ہے کہ
 تھوڑی دیر میں یہ مجلس برخاست ہو جائے اور پھر مجھے ایسا موقع نہ ملے۔ اس لیے فوراً
 عرض کیا کہ امیر المومنین کی فیاضی کی روشنی نے میرے دل کی وحشت کو دور کر دیا ہے۔ مجھے
 خوف نہیں، جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں، یا اجازت ہو تو میں خود ہی ابتدا کروں۔ میرا برہنہ
 جواب سن کر ہارون الرشید منسنے لگا اور جعفر کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ شخص اپنے فن میں کامل معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وزیر نے بھی تائید کی اور کہا کہ،
 "امیر المومنین یہ شخص آپ کی فیاضیوں سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔"

پھر خلیفہ نے کہا "تم شاعر ہو یا راوی؟"

میں نے عرض کیا "راوی!،"

پھر پوچھا کہ "کس سے روایت کرتے ہو؟"

میں نے جواب دیا کہ "جس قدر اہل فن گزرے ہیں اور جن کے کلام میں شیرینی ہے،"
 یہ جواب سن کر کہا کہ "اچھا بتاؤ نصف القارۃ من رامانہا، اس مثل کے کیا

معنی ہیں؟"

میں نے عرض کیا کہ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ قارہ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی
 تیر اندازی مشہور ہے اور جو ٹھیک آنکھوں پر تیر مارتے تھے۔ اور ماہۃ المحدث کہلاتے تھے۔
 یہ قبیلہ ملوک بنین کے عہد میں تھا اور جن کے اعزاز کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ کے ہم پہلو بیٹھا کر
 تھے۔ اور سلطانی مرکب میں یہی لوگ سب سے آگے ہوتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ

ایک شخص نے میدان کارزار میں آکر پکارا: اپنی رماة احدث، یعنی وہ تیر انداز کہاں ہیں؟ اس وقت بادشاہ نے ان بہادروں سے مخاطب ہو کر کہا تھا: القارة هو راماها، دوسرا قول یہ ہے کہ قارہ پہاڑ کی چوٹی اور اُس جگہ کو کہتے ہیں جو سطح زمین سے اونچی ہو۔ قائل کی ہرادیہ ہے کہ جو لوگ علم و ثنات اور شان میں بلند ہیں وہ اس سے آمادہ پیکار ہوں۔

یہ جواب سن کر ہارون خوش ہوا اور کہا کہ خوب بتلایا۔ پھر کہا کہ کچھ علاج کا کلام بھی یاد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بہت کچھ۔ کہا اچھا وہ قصیدہ پڑھو جس کی ابتداء ہے طار قاصم طار قاصم میں نے پڑھنا شروع کیا۔ پھر جب اس موقع پر پہنچا جہاں بنی امیہ کی مدح تھی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا اور جہاں سے منصور کی مدح تھی وہاں سے پڑھنا شروع کیا۔ ہارون نے پوچھا کہ بنی امیہ کی مدح کے اشعار قصداً چھوڑ دیے گئے ہیں یا سہواً؟ میں نے عرض کیا کہ قصداً، کیونکہ جس قدر جھوٹ کا حصہ تھا وہ ان کے لیے چھوڑ دیا اور جو حصہ سچائی کا ہے وہ عرض کرتا ہوں، میرا یہ جواب سن کر جعفر پھر ٹک اٹھا اور کہا:

« احسنت بآرک اللہ علیک »

بعد اس قصیدہ کے حکم دیا کہ عدی بن رفاع کا وہ قصیدہ پڑھو جو ولید بن زبیر بن عبد الملک کی مدح میں ہے اور جس کا مطلع ہے:

عرف الایار توھما فاعتارھا

چنانچہ میں نے تیزی اور بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ جعفر نے کہا کہ ہلکے ہلکے پڑھو تاکہ انعام سے محروم نہ لو۔ ہارون الرشید نے جعفر کی طرف دیکھ کر کہا کہ اب تو صلہ دینا مجھ کو لازم ہو گیا ہے، لیکن آپ کو بھی میری فیاضی میں شریک ہونا پڑے گا، یہ سن کر مجھے نہایت مسرت ہوئی اور عرض کیا کہ آج مجھے عرب و عجم پر فخر کرنے کا موقع ملا ہے۔ کیونکہ خلیفہ اور وزیر دونوں فیاضی میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ یہ جملہ سن کر ہارون الرشید مسرت ہوئے۔

ساری رات قصہ گوئی میں گئی۔ جب سپید صبح قریب ہوا تو ہارون الرشید نے جعفر کو حکم دیا کہ تیس ہزار درہم میری طرف سے اور اسی قدر خود اضافہ کر کے اجمعی کے پاس علی الصبح بھیج دینا، جعفر نے کہا کہ امیر المومنین کی مجلس نہ ہوتی تو ضرور میں اس قدر دیتا

لیکن مجلس میں خلیفہ کی برابر می کرنا داخل بے ادبی ہے۔ مگر میں ۲۹ ہزار روپے دیتا ہوں چنانچہ صبح کی نماز سے فارغ نہ ہوتے تھے کہ دونوں عظیم میرے پاس پہنچ گئے اور اسی روز سے دربار کا داخلہ میسر ہو گیا۔ اور ایک دن کے صلہ و انعام سے میری حالت درست ہو گئی اور جعفر بڑی خاص طور سے میرے حال پر مہربانی کرنے لگا۔

ماخذ

ابرامکھ ، اغانی

ابن جامع

اسماعیل بن جامع، کنیت ابوالقاسم، عہد عباسی کے چوٹی کے گویوں میں تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک روز ابن جامع سے اس کا نسب دریافت کیا۔ کہا:

”مجھے تو معلوم نہیں میرے بھتیجے اسحاق موصلی سے پوچھئے، پھر اسحاق سے کہا:

”بیٹا اپنے چچا کا نسب بتاؤ۔“

ہارون نے کہا:

”ارے بڑھے کھوسٹ تجھے اپنا نسب بھی یاد نہیں، دوسرے سے پوچھتا ہے۔ اور دوسرا بھی کون۔ ایک عجیب!“

ماخذ
کتاب الاغانی

اسحاق بن ابراہیم موصلی

ابو محمد اسحاق بن ابراہیم موصلی وہ شخص ہے جس نے فن موسیقی کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ اس نے اپنے ہم عصروں میں بے اعتبار شہرت و مقبولیت اور کمالات موسیقی کے سب پر فائق تھا۔ اسحاق نے علامہ اصمعی، ابو عبیدہ، کسائی اور فراط سے فن ادب، انساب، روایات، فقہ اور علم نحو حاصل کیا تھا۔ ان تمام اُمم میں مجتہدانہ کمال رکھتا تھا۔ لیکن یہ عبرت کا مقام ہے کہ موسیقی کے انساب نے نہ تو ان کو فقیہ مشہور ہونے دیا اور نہ ادیب کا اور صرف معنی کے ایک لقب سے تمام دنیا میں اس کو شہرت ہوئی جس کو باوجود کوشش کے سلطنت و حکومت بھی نہ مٹا سکی۔

عربوں کا زلزلہ سے سیکھا تھا اور تمام راگنیاں اپنے باپ ابراہیم اور شہدہ سے سیکھی تھیں۔ خلیفہ مامون الرشید اس کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ اس کو نذیریوں کے زمرہ میں جگہ دیتا تھا اور دربار میں فقہا کا لباس پہن کر آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اسحاق جب گانا ہے تو مجھے جوشِ مسرت میں خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کسی نئے ملک کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ۲۳۵ھ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ کے زمانہ میں فوت ہوا۔ اس کا باپ بھی موسیقی کا استاد تھا۔ اسحاق کا باپ ابراہیم خلیفہ ہارون الرشید کے بار میں اپنی خدمت کا معاوضہ دس ہزار درہم ماہوار یعنی ڈھائی لاکھ روپے ماہوار کا نوکر تھا۔

ابراہیم بہت سی راگنیوں کا موجد ہے۔

ماخذ

ہارون الرشید (پارہ) المامون

ابراہیم موصلی

ابراہیم موصلی عہدِ عباسیہ کا مشہور معنی تھا۔ ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی اور بچپن ہی میں رشید
 ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم کا باپ میمون فارس کا رہنے والا تھا۔ یہ موصلی اس لیے مشہور
 ہوا کہ عتقوانِ شباب ہی سے غناد موسیقی کی طرف متوجہ ہوا۔ گھر والوں نے تنگ کیا تو بھاگ کر
 موصل پہنچے، وہیں رہ پڑے اور موصلی کہلانے لگے۔

یوں تو ہارون کے زمانہ میں اور اس کے دربار میں ایک سے ایک شاعر اور موسیقار
 موجود تھے لیکن ابراہیم موصلی حقیقی معنوں میں فنِ موسیقی کا امام تھا۔ وہ اپنے زمانے کے سب
 مغنیوں سے علمِ موسیقی میں گوتے بھقتے لے گیا تھا۔ اور دربار کا بہت عزیز معنی تھا۔ اگر ہم خود
 اسی کے بیان پر یقین کر لیں تو اس کے راگ غیر معمولی وضع کے ہوا کرتے تھے۔

خليفة ہارون کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم (دو ہزار پانچ سو) روپے
 ماہوار کا نوکر تھا۔ ابراہیم کے کتاب عقد الفرید میں حالاتِ مغنیین کے حوالے سے تحریر ہے
 کہ ابنِ جامع سہمی زلزلِ عزمین یا بئہ غزال علویہ اس کے ہم عصر تھے۔ لیکن جو لطف اس کے
 گانے میں تھا دوسروں میں نہ تھا۔ ہارون الرشید نے ایک دن برصوما سے سوال کیا کہ ابراہیم
 کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین وہ ایسا باغ ہے جس میں
 ہر قسم کے پھول اور پھل ہیں۔ ابراہیم بہت راگنیوں کا موجد ہے۔ اور اسحاق موصلی اسی ابراہیم
 کا بیٹا ہے۔

ابراہیم الموصلی بیان کرتا ہے کہ ایک جلسہ سے نوشی میں شرکت کے بعد طبیعت بے مزہ ہو گئی
میں نے خیال کیا کہ گھومنے پھرنے سے یہ سستی جاتی رہے گی۔ سیر کو چلا تو بیک ایک ایک مکان
میں سے کچھ خوشبو آتی۔ جب مکان معلوم ہو گیا تو میں وہاں گیا اور دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔
ایک کنبزہ دروازہ کھولنے آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے ہاں جو کھانا پک رہا ہے اس میں
مجھے بھی شریک کر لو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ یہ سن کر وہ کنبزہ اپنی مالکہ کے پاس گئی اور اس
کی اجازت حاصل کر کے اندر لے گئی۔ ہم کو اندر بٹھا کر اس نے ایک پیچی میں سے نمک چکھا
اور پھر اس میں سے کھانا ایک قاب میں اتارا۔ اور ہم دونوں کے آگے رکھ دیا۔ ابراہیم کو کھانا
بہت عمدہ اور ذائقہ دار معلوم ہوا اور بعد فراغت اجازت لے کر روانہ ہو گیا۔

اس کو دروازہ پر ایک آدمی خچر پر سوار ملا۔ یہ مالک مکان تھا، اس نے اپنی کنبزہ سے تمام
احوال سن کر خچر پر سوار ہو کر تلاش کرنا شروع کیا اور اسے تلاش کر کے بڑے اصرار سے اپنے
مکان پر پھیر لایا۔ اور ایک بڑے آراستہ کمرے میں لے جا کر بٹھایا اور عمدہ عمدہ میوہ جات،
پھل اور مٹھائی وغیرہ اور عمدہ شراب رکھی اور شام تک اسے مہمان رکھا۔ دوسرے دن
ابراہیم کے پاس اطلاع پہنچی کہ خلیفہ نے کل تمہیں کسی بار بلوایا۔

یہ سن کر ابراہیم اپنے میزبان سے رخصت ہو کر فوراً خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا اور
اپنا تمام حال سیر اور کھانے وغیرہ کا بیان کر کے غیر حاضری کی بابت عذر و معذرت کرتا رہا۔
اور اپنے میزبان کے گھر کے کھانے کی بڑی تعریف کی۔ خلیفہ یہ حال سن کر بہت مشتاق ہوا۔ ابراہیم
سے کہا کہ اگر تمہارا میزبان میرے اور تمہارے دونوں کے نام و نشان پوچھے بغیر ہماری دعوت
کرے تو میں بھی وہاں چلا چلوں۔

اس بات کا دوسری رات بہ آسانی انتظام ہو گیا۔ ابراہیم نے اپنے دجان نہ پہچان، میزبان
سے کہا کہ میرا ایک دوست بہت مقروض ہے اور آپ سے ملاقات کرنے کا خواہش مند
ہے۔ مگر اس خوف سے کہ اس کے قرض خواہ اس کو دیکھ کر گھبرنے لیں، دن میں آپ کے پاس
نہیں آسکتا۔ میں اور وہ آپ کے پاس آج رات کو آئیں گے۔ جب رات ہوئی تو ابراہیم اور
خلیفہ دونوں خچروں پر سوار ہو کر اس شخص کے مکان پر پہنچے۔ اس نے ان دونوں کا نہایت

پر تپاک استقبال کیا اور ایک کمرہ میں لے جا کر بٹھایا۔ کھانا چٹنا، خلیفہ نے کہا کہ میں نے اپنی تمام عمر میں ایسا مزیدار کھانا کبھی نہیں کھایا۔ اور جو کچھ خلیفہ نے وہاں دیکھا اور سنا اس سے بڑا ہی خوش ہوا۔ پھر آپ نے میزبان سے پوچھا کہ تمہارے گزراوقات کی کیا صورت ہے؟ میزبان نے جواب دیا کہ جب میرے باپ کا انتقال ہوا تو میرے ورثہ میں ایک بڑی جائداد آئی۔ اس جائداد کا بڑا حصہ تو میں نے فضولیات اور لہو و لعب میں اڑا دیا اور برباد کیا۔ پھر میں نے اپنا خرچ کم کر دیا اور اب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سے کہ میری گزراں مزے سے ہوتی ہے خدا کے فضل سے۔ مجھے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد ازاں شراب کی خوشبوؤں اور کینڑوں کے راگ گانے سے خلیفہ کو اس درجہ سرور حاصل ہوا کہ خلیفہ نے ابراہیم کے کان میں کہا کہ ”اس میزبان کو علیحدے جا کے یہ بتلا دے کہ میں خلیفہ ہارون رشید ہوں“ یہ سن کر ابراہیم نے میزبان سے علیحدگی میں کہا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ مہمان کون شخص ہے؟ میزبان نے کہا میں نہیں جانتا۔ ابراہیم نے کہا آگاہ ہو یہ امیر المومنین ہیں۔ میزبان یہ سن کر اس قدر ہنسا کہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہتا رہا کہ آپا یہ کیا عجب بات ہے اے نوان۔ یہ سن کر خلیفہ بھی ہنسنے لگا، پھر میزبان نے اپنی بیوی کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ تم نے ہمارے مہمانوں کو دیکھا۔ یہ شراب پی کر مدہوش ہیں۔ ان میں سے ایک کا دعویٰ ہے کہ میں امیر المومنین ہوں۔ یہ کہہ کر ایک گلاس مذاقاً ادب کے انداز سے ہارون الرشید کی جانب بڑھایا اور کہا کہ امیر المومنین یہ نوش جان فرمائیے۔ اس انداز پر ہارون کو اور بھی ہنسی آئی۔ ابراہیم نے کہا یہ تو دراصل امیر المومنین ہیں۔

میزبان نے ابراہیم سے یہ لفظ سن کر کہا کہ خدا را اپنا یہ مذاق ختم کیجئے۔ ابھی دو ہی گلاس پیئے ہیں اور اتنے ہی نشے میں اس بیچارے کو امیر المومنین بنا دیا، شہید کچھ دیر بعد تم سے پیغمبر بنا دو۔

رات یونہی ہنسی میں گزری۔ جب صبح ہونے لگی تو یہ دونوں اپنے میزبان سے رخصت ہوئے۔ میزبان کو ہارون کے بارے میں یقین نہ آ رہا تھا۔ صبح کو ہمسایوں نے میزبان سے پوچھا رات کو تمہارے ہاں کیسا شور اور غل ہو رہا تھا اور وہ تمہارے دونوں مہمان کون تھے؟

جب وہ رات کی بزمِ طرب کا حال بیان کر چکا تو ایک ہمسایہ نے اس سے دریافت کیا کہ یہ تو بتلاؤ کہ تمہارے مہمانوں کی کیا شکل و شباهت تھی؟
 اور جب میزبان نے ان کی شکل و شباهت بتلائی تو اس ہمسایہ نے کہا کہ وہ شخص تو ہارون الرشید ہی تھا۔

میزبان یہ سن کر ابراہیم موصلی کے گھر گیا۔ ابراہیم نے فوراً اُسے اپنے پاس بلوایا اور اپنے ساتھ خلیفہ کے محل میں لے گیا۔ یہ دونوں خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے نہایت اصرار سے کہا:

رات کی طرح سے اپنی طنز یہ گفتگو کی نقل کرو۔

پیارے میزبان نے بعینہ ویسی ہی نقل کی۔ ہارون الرشید سنتے سنتے لوٹ گیا۔ پھر خلیفہ نے اُسے زر نقد انعام دینے کے لیے حکم فرمایا۔

ماخذ

ہارون الرشید (پامر، اعانی

جا حظ

جا حظ بھی ہارون الرشید کے زمانے کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے اعتبار سے اگر اسے جینس کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا۔

جا حظ کے مولد کے بارے میں مورخین دروایہ میں اختلاف ہے۔ بعض تو مولد و منشا کہتے ہیں کہ اس کی ولادت میں ۹۵ھ میں ہوئی۔ بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ لیکن صحیح تر روایت خود جا حظ کی ہے جسے یاقوت نے اپنی "معجم" میں نقل کیا ہے کہ جا حظ کہتا ہے:

"میں ابونواس سے ایک سال بڑا ہوں، میں ۱۵۰ھ کے اوائل میں کتبہ عدم سے عالم وجود میں آیا اور وہ اواخر میں"

خود جا حظ کی اس نص کے بعد شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

جا حظ بصرہ میں پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں بصرہ و کوفہ دو شہر تھے جو تہذیب و کوفہ اور بصرہ تمدن، علوم و فنون، اور لغت و ادب کے مرکز تھے۔ بغداد اس وقت تک عہد طفولیت میں تھا۔ اس کی عمر انیت و حضارت ابھی اس درجے تک نہیں پہنچی تھی۔ اگرچہ عراق و تمدن کی طرف نہایت تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ جب اس کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہو گئی تو اس نے بغداد کا رخ کیا اور اس کو اپنا مستقر بنا لیا۔

جب اس کے قیام کی شہرت ہوئی تو علماء و فنکار کی ایک جماعت کی جماعت

مشتاقان زیارت ہو کر آئی اور طالبانِ علم کا تو دریا اُمنڈا رہا۔ ہر صنف اور ہر جنس کے طلباء موجود تھے۔ نسل و قوم کا کوئی امتیاز ہی نہ تھا۔ جا حظ کہتا ہے:

”فرار میرے پاس علمِ کلام حاصل کرنے کے لیے آیا لیکن اس کو اس فن سے مناسبت نہیں تھی۔“

جا حظ نے علمِ حدیث بھی کئی قابلِ بزرگوں سے حاصل کیا تھا مثلاً

علمِ حدیث میں کمال قاضی ابو یوسف شاگرد امام اعظم دقاصنی القضاة چیف جسٹس،

بغداد یزید بن یارون، سری بن عبدویہ اور حجاج بن محمد بن حماد بن سلمہ وغیرہ۔

جا حظ سے بھی بہتوں نے اس فن کو حاصل کیا۔ مثلاً مبرو، بیوت بن مزرع اور ابو بکر

بن ابی داؤد سجستانی وغیرہ۔

ابو حیان توحیدی نے ایک مستقل کتاب ’تقریظ الجاحظ‘ کے نام سے

تقریظ الجاحظ لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے:

”امتِ عربیہ میں تین ہستیاں بہت زیادہ قابلِ رشک گزری ہیں۔ ان میں سے پہلی

ہستی تو عمر بن الخطاب کی ہے۔ دوسری ذاتِ حسن بصری کی ہے اور تیسری شخصیت ابو عثمان

الجاحظ کی ہے جسے خطیب المسلمین، شیخ الملوکلین کہتے تو بجا ہے۔ وہ جب گفتگو کرتا ہے

تو معلوم ہوتا ہے کہ سحان کی فصاحت و بلاغت سے کان آشنا ہو رہے ہیں۔ وہ اگر مناظرہ

کرتا ہے تو تنظیم کو مات کر دیتا ہے۔ اگر سنجیدگی سے کچھ کہتا ہے تو عامر بن عبد قیس سے بھی

بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر نزل و مذاق پر اتر آتا ہے تو مزید سے بھی بازی لے جاتا ہے، جا حظ

وہ تھا جس سے دل کو سرورِ روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ وہ شیخ العرب اور لسان العرب

تھا۔ اس کی کتابیں ایک بار غیب سے جو کلیوں سے سرسبز ہے اور اس کے رسائل، ان کے

پھل بڑے بڑے خلفاء اس کی عظمت کے قدر شناس تھے اور امر اس کی تعریف میں

رطب اللسان، بادشاہ اُسے اپنا ندیم بناتے تھے اور علماء اس سے کسبِ علم کرتے تھے۔

بڑے بڑے معرور متکبر اس کے فضائل کو تسلیم کرتے تھے اور عامہ خلائق اس کی محبت

میں سرشار تھی۔ وہ زبانِ دقلم دونوں کا مالک تھا۔ علم و ذہانت دونوں اس کے حصے

میں تھیں۔ رائے اور ادب میں بھی اس کو قابو حاصل تھا۔ نثر و نظم کا بھی وہ بادشاہ تھا۔ اور فہم و ذکا سے بھی اسے بہرہ وافر تھا۔ اس کی عمر اچھی خاصی ہوتی۔ اس کی حکمت سارے جہان میں بونے گل کی طرح پھیلی، لوگوں نے اس کے نقشِ قدم پر چلنا باعثِ سعادت سمجھا۔ اس کے نام سے انتسابِ باعثِ فخر و نازش مانا گیا اور جنہوں نے اس کی پیروی کی وہ کامیاب ہوئے۔ بلاشبہ اسے حکمت اور فضلِ خطاب، دونوں جو ہر بخشے گئے۔

لاحظظ کہتا ہے مجھ کو عمر میں کسی سے نثرِ زندگی نہیں اٹھانا پڑی۔ ہاں دو شخصوں لطیفہ نے مجھے بے شک نجل کیا جن میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے دروازہ پر ٹہل رہا تھا کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ مجھے بڑی سخت ضرورت درپیش ہے تورا مختصری دوز تک میرے ساتھ چلتے۔ میں اُس کے ساتھ ہولیا۔ ایک یہودی سنار کی دکان پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اور اس سے مخاطب ہو کر کہا ایسا ہی، اور یہ کہہ کر چلتی بنی۔ میں نے سنار سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ اُس نے کہا اُس عورت نے ایک انگوٹھی مجھ سے بنوائی اور فرمائش کی کہ میں اس پر شیطان کی صورت نقش کروں، میں نے کہا۔ میں کیا جانوں شیطان کیسا ہوتا ہے؟ یہ سن کر وہ چلی گئی اور اب یہاں آکر جو کچھ اُس نے کہا وہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہونگے۔ آدمی کو چاہیے کہ سخی ہو، فضول خرچ نہ ہو، بہادر ہو، لیکن سریر الغنمب نہ ہو، شجاع ہو، بزدل نہ ہو، گفتگو خوب کرتا ہو، عامیانه باتوں سے پرہیز کرتا ہو، خاموش ہو لیکن گونگانہ ہو سلیم اور بردبار ہو لیکن ذلت نہ قبول کرتا ہو۔ لوگوں کی مدد سے دریغ نہ کرتا ہو لیکن ظلم بھی نہ کرتا ہو۔ باوقار ہو لیکن احمقانہ طور سے نہیں، حاکم ہو لیکن غصے میں اُٹتا ہو۔

ایک ہجو گو جو معتزلہ کا بہت بڑا دشمن ہے، کہتا ہے، اگر سور کی صورت جا حظ کی ہجو موجودہ صورت سے بھی زیادہ مسخ کر دی جاتے تو جب بھی جا حظ کا کیا مقابلہ کر سکے گی؟

ماخذ

ادب الجا حظ (یہ حسن السندی کی تصنیف ہے جو مصر سے شائع ہوئی ہے۔ میں نے اس

کے اہم حصص کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔)

عربوں کے علمی کارناموں پر ایک منظر

علمی ترقیاں زیادہ تر عہدِ عباسیہ میں اور خاص طور پر عہدِ ماموں الرشید میں ہوئیں، لیکن یہ سلسلہ بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اور بہت بعد تک جاری رہا۔

لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ بیان میں عربوں کے علمی کارناموں پر مجموعی تہنیت سے ایک منظر ڈال لی جائے۔

ملک گیری سے جب ان کی طبیعت سیر ہو گئی تو انہوں نے علم و فن کی طرف توجہ کی اور تھوڑے عرصے میں اس میدان میں بھی وہ سب سے آگے نظر آنے لگے۔ ایک طرف سلطنتِ عباسیہ کا اقتساب اقبال غروب ہو رہا تھا تو دوسری طرف علم و حکمت کا ہر درختاں طلوع ہو رہا تھا۔ آگے چل کر حکومت مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ بہت سے خود مختار عمار پیدا ہو گئے مگر علمی ترقیوں کو جب بھی فروغ حاصل رہا۔ پہلے اگر ایک مرکز تھا تو اب علم و فن کی سرپرستی کے متعدد مراکز ہو گئے۔

عربوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ مختصر مدت میں یونان، فارس اور غیر ملکی ادب تراجم ہندوستان کے مختلف علوم و فنون کو عربی میں ترجمہ کر لیا بلکہ انہوں نے اس میں وسعت پیدا کی، جدید اضافے کیے اور نئے نئے نظریات قائم کیے جو آج تک حضارتِ فرنگ کے لیے اساس کا کام دے رہے ہیں۔

عربوں کا فن تاریخ، فن تاریخ میں عربوں نے ایسا امتیاز حاصل کیا تھا کہ علماء مغرب

کے لیے وہ آج تک مایہ حیرت و استعجاب ہے۔ دوسری اقوام و اہم کے مقابلے میں عربوں کے موافقات کو جو ترجیح حاصل ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ مثلاً کشف الظنون، کو لیجے جس میں کتب و فنون کے اہم سے متعلق مفصل معلومات پیش کیے گئے ہیں، ان کی تعداد جن کا کتاب میں ذکر ہے تیرہ سو تک پہنچی ہے۔ اور پھر شرح و اختصارات وغیرہ مستزاد اور وہ تاریخی کتابیں جو سال و سین کی حسن ترتیب کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔ مثلاً طبری، ابن اثیر، ابوالفدا، یا جو اقوام و ممالک کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ مثلاً مسعودی، فخری، ابن خلدون وغیرہ اس قبیل کی کتابیں تو حد شمار سے خارج ہیں۔ ایسے ایسے مؤلف و مصنف بھی تھے جو اپنی عبارت کی روانی و تسکین اور حسن استدلال کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ اکثر عرب مورخوں کو علماء مغرب نے وجہت گرد، تسلیم کیا ہے۔ یورپ کے علمی حلقے اس وقت تک ان کتابوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

ابن خلدون ہی کو لیجئے۔ اس نے اپنی مشہور تاریخی تالیف اور ترتیب میں ممالک و مساکن کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ مغرب اور اندلس کے متعلق اس نے ایسے ایسے معلومات پیش کیے ہیں جہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکا۔ تاریخ ابن خلدون کا مقدمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ کے ایک مشہور عالم کا قول ہے کہ:

”ابن خلدون کا مقدمہ فلسفہ تاریخ سے لبریز ہے۔ کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک ابن خلدون کی طبع بلند پہنچی ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں روم و یونان کے علماء بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچتے۔“

فن جغرافیہ میں عربوں کو تقدم کا شرف حاصل ہے۔ پہلے تو انہوں نے یونان علم جغرافیہ وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ کے بعد انہوں نے اس فن کو اور بھی وسیع کیا۔ اپنے مشاہدات و تجربات سے اضافہ کیا۔ اس لیے کہ یہ قوم خود ایک جہانگیر قوم تھی۔ بطلمیوس کی بہت سی غلط فہمیوں کی تیسیح عربوں ہی نے کی ہے اور یہ عرب ہی تھے جو صحرائے افریقہ

سے زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ ص ۹۳ لکھ زیدان

تک پہنچ گئے اور بلا وسوڈان میں بھی اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ گزشتہ اقوام سے عرب اس باب میں بھی ممتاز ہیں کہ انہوں نے فنِ جغرافیہ میں بہت سی کتابیں اپنے مشاہدات و تجربات سیاحت سے متعلق تالیف کیں، زمین کے جو نقشے بنائے ان میں بھی ایک اسلوبِ بدیع کے مالک ہوئے۔ ان کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ کرہ پر نقشہ کھینچنے کا اصول سب سے پہلے انہی نے معلوم کیا۔ خطِ نصف النہار کا طول اور درجہ معلوم کرنے میں بھی عربوں ہی نے پہل کی۔ مشہور عرب جغرافیہ دانوں میں مسعودی، بیرونی، ادریسی، یاقوت، مقربزی، قزوینی اور ابن بطوطہ سے ہر شخص واقف ہے۔ ان سب میں ادریسی کی وہ شخصیت تھی کہ بارہویں صدی عیسوی میں تو اس کا کوئی ہم پایہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ ادریسی ہی نے روجر بادشاہ صقلیہ کی فرمائش سے ایک کتاب "نزهة المشتاق فی احتراق الافاق" تالیف کی جس میں بلاد و ممالک کا نہایت تفصیلی تذکرہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے روجر کے لیے ایک نقشہ بھی تیار کیا تھا۔ جس میں اس زمانہ کے تمام قابل ذکر اقالم کو دکھایا گیا تھا۔ ادریسی کی وہ شخصیت ہے کہ جو جغرافیہ اسلام اور جغرافیہ فرنگ کے درمیان حلقہ اتصال کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب "تراث الاسلام" میں ہے کہ:

« بادشاہ روجر کا ایک مسلمان عالم سے جغرافیہ پر کتاب لکھانا اور نقشہ بنوانا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان اس زمانہ میں علمی اعتبار سے اپنے تمام اقران و اہل میں ممتاز تھے۔ »

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عرب بس نقل و ترجمہ کے ماہر تھے۔ عرب اور تخلیقی ادب علوم و فنون میں انہیں براہِ راست کوئی دسترس حاصل نہیں تھی۔ یہ تحقیق انہیں یورپ زدہ حضرات سے ظہور میں آئی ہے جس کا سارا علم و فن وہیں منت ہوتا ہے۔ استادانِ فرنگ کا یا ہمارے وہ نوجوان اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو فرنگیت سے مرعوب و متاثر ہیں۔ ورنہ اس قول کا مہمل ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے۔

وہ فرنگی علماء جن کو خدائے عدل و انصاف کا مادہ دیا ہے اس کے علی الاعلان معترف ہیں کہ عربوں نے نقل و ترجمہ میں اپنی مہارت کا جو ثبوت دیا ہے اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی خود انہیں علوم و فنون میں دستگاہ تھی۔

یونانی، سریانی، کلدانی وغیرہ میں طب پر جو مواد تھا پہلے تو عربوں نے اسے حاصل کیا پھر اس فن میں تغیر و تبدل کیا اور جب اصلاح سے کام لیا بلکہ اضافہ اور ایزاد کے بھی نہایت بے بہا جو اہر چھوڑے۔ کتاب تراث الاسلام میں ہے:

”عربوں نے طب یونانی میں کافی اضافہ کیا، اور ان کا یہ اضافہ عمل پر مبنی تھا۔

جو اس کا ثبوت ہے کہ وہ طب سے رسمی اور منطری طور سے ہی نہیں واقف تھے بلکہ عملی حیثیت سے بھی اس میں کافی ممتاز تھے۔“

اس بیان سے ان لوگوں کی تسکین ہو جانی چاہیے جن کے خیال میں عربوں کا علم طب منطری تھا۔ اس میں ان کے بڑے قیمتی موقوفات بھی ہیں مثلاً ابن سینا کا قانون اور الباقیم خلف بن عباس زہراوی اندلسی کی کتاب التصریف وغیرہ۔ ان کتابوں سے فرنگیوں نے اپنی نہضت جدید میں بڑے بڑے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں عربی کی بعض کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصابِ تعلیم میں داخل رہیں۔ عربوں میں جن لوگوں نے فن طب میں غیر معمولی مہارت حاصل کی، بہت ہیں جسے تفصیل مطلوب ہو، وہ طبقات الحکماء، تراجم الحکماء اور کشف الظنون وغیرہ کی طرف رجوع کرے، یہ بات بہر حال ظاہر ہے کہ طب اور صید لئہ دو سازمی، میں عربوں نے نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی۔

علم طب کے طلباء۔ اس طب کو ایک باقاعدہ نظام کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ ایک افسرِ اعلیٰ طلباء کا امتحان لیتا تھا۔ ممتاز طالب علموں کو انعام بھی ملتا تھا۔ چنانچہ صرف بغداد میں بہ زمانہ خلیفہ مقتدر باللہ، ان کی تعداد اٹھ سو تک پہنچ گئی تھی۔

اور ان میں وہ سترافراد مستثنیٰ تھے جو خدمتِ سلطانی کے لیے مامور تھے۔

عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش تھیں۔ اس فن میں صرف مردوں ہی کو کمال نہیں تھا بلکہ عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش نظر آتی تھیں مثلاً اخت مفید اور اس کی دونوں بیٹیاں، ان عورتوں کو خاص طور سے عورتوں کے معالجہ میں کمال حاصل تھا یہ

موجودہ زمانہ میں جو طریقہ رائج ہے عرب اس سے بے خبر نہ تھے، ان کے ہاں بھی باقاعدہ نبض دیکھی جاتی تھی۔ بول و براز کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ اور وہ لوگ حکمائے یونان کے افکار و آراء پر دواؤں تحقیق و تنقید بھی دیتے تھے۔ یونانی کتابوں پر انہوں نے جو حاشیے لکھے، تعلیقیں تیار کیں، مفید اور مناسب اصلاحات کیں، ان کے علاوہ اور متعدد طریقوں سے وہ اس فن کو جلا دیتے رہتے تھے، وہ عرب ہی تھے جنہوں نے طب میں کلوروفارم جیسی چیزوں کو معالجہ کے لیے ضروری قرار دیا۔ جس طرح آج کل جراثیم کے لیے داغ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح وہ بھی کرتے تھے، عربوں ہی نے سب سے پہلے مرضِ سل میں ناخونوں کے ٹیڑھا ہو جانے کو ایک علامت کی صورت میں معلوم کیا۔ یرقان اور ہیضہ کا علاج دریافت کرنے میں عربوں ہی کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔ جنون کے مرض میں ایفون کے فوائد کا انکشاف بھی عربوں ہی کا رہا ہے۔ تریف دیتے ہوئے خون کو روکنے کے لیے ٹھنڈے پانی کا تریڑا دینا بھی عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ مثلاً اتر جانے کی صورت میں اسے بٹھانے کے لیے وہ بھی وہی طریقہ استعمال کرتے تھے جو آج کل رائج ہے یہ

اسی طرح جذام، چیچک، خسرہ وغیرہ کی شکل و صورت اور خصائص وغیرہ کے متعلق عربوں نے تحریری سرمایہ پیدا کیا۔

طب کے درس اور مریضوں کے لیے ایک خاص بیمارستان اور طبی درس گاہیں عمارت مخصوص ہوتی تھی جس کو "بیمارستان" کہتے

تھے۔ اور جس طرح آج کل طبی درس گاہوں سے لوگ سند فراغت حاصل کر کے نکلتے ہیں وہاں سے بھی وہ طبابت کی سندے کر نکلا کرتے تھے۔ علاج کے لیے جو عمارت مخصوص ہوتی تھی اس میں ہر قسم کا ضروری سامان اور آلات موجود رکھنے کا کافی انتظام تھا۔ دزنگ، کے لیے ملازم تیمارداروں (خدّام) کی ایک جماعت ہر وقت موجود رہتی تھی۔ جو امراض اس زمانے میں معروف تھے ان کے لیے الگ الگ وارڈ (عرف) تھے۔

علم الجراحت کے متعلق تحقیق و انکشاف کا سہرا زکریا رازی کے سر سے ان لوگوں میں جنہوں نے عمل بالیہ، سرجری اور آلات وغیرہ کے استعمال میں خاص مہارت حاصل کر لی تھی۔ ابو القاسم بن عباس الزہراوی کو خاص امتیاز حاصل ہے۔

صدیلتہ دوا سازی اور جڑی بوٹی کی تحقیق و تفتیش پر بھی عربوں نے خاص طور سے توجہ مبذول کی، چنانچہ ہندوستان اور دوسرے ممالک سے اس باب میں نہایت وسعت و وسعت طلبی سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ یورپ تک کو اس کا اعتراف ہے کہ فن دوا سازی کے بانی ہونے کا فخر عربوں ہی کو حاصل ہے۔ یورپ میں آج بھی بہت سی جڑی بوٹیاں انہی ناموں سے مشہور ہیں جو عربوں کے رکھے ہوئے ہیں۔

فن کیمیا کے بہت سے مرکبات عربوں ہی کی بدولت عالم وجود میں آئے۔ تقطیر، عمل ترشح، عمل تندیب، بخارات بنا کے عرقوں کی کشید، قلیں بنانا، الکحل تیار کرنا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جنہیں پہلے پہل عربوں ہی نے جانا پہچانا، بہت سے معدنی تیزاب اور نباتاتی قلوویات (کھاری چیزیں) اور معدنی قلوویات عربوں نے معلوم کیں، ان تمام چیزوں میں وہ مجتہدانہ نظر رکھتے تھے۔ بہت سے قدیم کیمیادی نظریات کو انہوں نے باطل کر دیا۔

اربابِ نظر سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ بارود کو مرکب کی صورت میں عربوں ہی نے پیش کیا۔ ابن اثیر کا قول ہے کہ عربوں نے بعض ایسی دوائیں ایجاد کی تھیں کہ اگر وہ مگڑی پر مل دی جائیں تو آگ ان پر اثر نہیں کرتی تھی۔

شیشے کی صنعت میں بھی عربوں نے اپنے کمال کا سبب اعتراف کر لیا۔ ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ علم نباتات میں بھی عربوں نے ایک استاد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

اس علم میں ابن بیطار اور رشید الدین ابن الصدری غیر فانی شہرت کے مالک ہیں، مؤخر الذکر کو اس فن کی تحقیق و تجسس کا اتنا سودا تھا کہ

ان کے ساتھ ہمیشہ ایک مصور رہتا تھا۔ جب وہ گھاس پات اور جڑی بوٹیوں کی تحقیق کے لیے نکلتے تھے، مصور کے پاس ہر طرح کے رنگ اور مسلے رہتے تھے۔ جب رشید الدین ایسے مقامات پر جاتے تھے جہاں نباتات کی فراوانی ہوتی تھی تو وہ اس کا مشاہدہ کرتے تھے تحقیق کرتے تھے پھر مصور کو دکھاتے تھے۔ مصور اس کے رنگ، پتوں کی تعداد، شاخوں اور جڑوں کا پورا پورا اندازہ کر کے بالکل اسی طرح اس درخت کی تصویر کھینچتا تھا اور وہی اس کی نقل انار کے رکھ دیتا تھا اور اس سلسلے میں رشید الدین نے نہایت دلچسپ طریقہ اختیار کیا تھا۔ یہ کہ وہ پہلے مصور کو پودے کی بالکل ابتدائی شکل دکھاتے تھے۔ اس کی تروتازہ صورت کی تصویر لی جاتی تھی۔ جب وہ مکمل ہو جاتا تھا تو پھر اس کی تصویر لی جاتی تھی، پھر جب وہ پودا خشک ہو جاتا تھا اور گرنے لگے قریب ہوتا تھا تو پھر اس کی تصویر لی جاتی تھی اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرتا کہ گویا وہ بچشم خود پودے کی اس نشوونما اور تغیر و تبدل کا معائنہ کر رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ تحقیق کتنی کامیاب اور مکمل ہوتی ہوگی۔

میں نہیں سمجھتا کہ آج کل کے ماہرین نباتات ابن الصدری سے زیادہ تحقیق کا ثبوت دے سکتے ہیں۔

علم طبیعیات عربوں نے طبیعیات (فزکس) پر اپنی محنت و کوشش صرف کی۔ چنانچہ اس باب میں بھی نئی نئی بحثیں ان کی بدولت ہمیں نظر آتی ہیں۔

پہلے تو انہوں نے یونانی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ترجمہ کے بعد انہوں نے اس فن میں حسب عادت وسعت کی بہت سے مسائل کا اضافہ کیا۔ ان کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ روز بروز اپنے لیے وہ نئی راہیں پیدا کرتے رہے، انہوں نے ایسے آلات بنائے تھے کہ جن کے ذریعے سے وہ نقل نوعی تک کا حساب رکھتے تھے۔ ایسے ایسے پیمانے انہوں نے تیار کیے تھے کہ ایک گرام کے ۱۰۰ حصہ سے کم وزن کا فرق تک وہ معلوم کر لیتے تھے۔ نظریہ جذب

کے متعلق بھی ان کے بہت سے اقوال ملتے ہیں۔ روشنی کے متعلق بھی ان کے مستقل نظریات ہیں کہ اس سے پہلے کسی کی رسائی ذہن وہاں تک نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس مسئلے میں انہوں نے بہت سے اصفیٰ کیے، یونانیوں کے صحت طلب آراء و افکار کی تصحیح کی، اس مسئلے پر اگر آج عربوں کے اصفیٰ نہ ہوتے تو یہ مسئلہ اس منزل تک نہ پہنچتا جہاں آج نظر آ رہا ہے، بعض ارباب نظر کا خیال ہے کہ اس مسئلے پر عربوں کے مقالات و نظریات کی بدولت دور بین کی ایجاد عمل میں آئی۔ یہ امراض چشم اور ان کی تشریح سے متعلق بھی عربوں کا بہت سا تحریری مسالہ موجود ہے۔

موسیقی میں وزخامس عربوں کی ایجاد ہے جسے زریاب علم موسیقی میں عربوں کا پایہ نے اندلس میں ایجاد کیا تھا۔ قانون بھی عربوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اس کی موجودہ ترکیب (ساخت) فارابی کی دی ہوئی ہے۔ یہ مشہور قطعہ تو اکثر کو معلوم ہے کہ فارابی نے ایک باجہ ایجاد کیا تھا جو صرف دو لکڑیوں سے بنا تھا۔ ان لکڑیوں کی ترتیب میں جب ذرا سا تغیر کر دیا جاتا تھا تو مختلف قسم کے راگ نکلنے لگتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ وہ سیف الدولہ کے دربار میں حاضر تھا۔ اس سے سوال کیا گیا علم گانے بجانے سے ذوق رکھتے ہو؟

فارابی نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک خریطہ نکالا، اسے کھولا اور اس میں سے دو لکڑیاں نکالیں، انہیں ایک خاص انداز میں ترتیب دیا اور بجانا شروع کیا تو یہ حال ہوا کہ مجلس میں جتنے لوگ بٹھے سب کا ہنسنے ہنسنے برا حال ہو گیا۔ پھر ان لکڑیوں کی ترتیب میں ایک خاص تغیر کیا اور بجانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضار مجلس پر گریہ طاری ہو گیا اور ہر شخص بے حال ہو گیا۔ اس کے بعد پھر اس نے اپنی لکڑیوں میں ایک خفیف تغیر کیا اور بجانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مجلس پر عنودگی طاری ہو گئی اور دربان تک

۱۔ ڈاکٹر صرف، بساط علم الفک ص ۲۲۔ ۲۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۱۰۰۔ ۳۔ تاریخ انفریکس ص ۲۳

۴۔ ابن خلیکان جلد ۲ ص ۷۷

خرائے لینے لگا۔ فارابی نے لکڑیاں جیب میں رکھیں اور بہ جاوہ جاغائب ہو گیا اے
فضائے آسمانی میں پرواز کا خیال بھی سب سے پہلے عربوں ہی کو آیا۔ سب سے پیشتر اس
معاملہ کی طرف جس کا ذہن منتقل ہوا وہ عباس بن فراس تھا۔

«عباس نے اپنے جسم کو فضا میں اڑانے کی کوشش کی۔ پہلے تو اس نے اپنے بدن
پر پر جڑے، پھر دو بازو تیار کیے جیسے چڑیوں کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس
نے فضا میں کافی عرصے تک پرواز کی، لیکن پہلا تجربہ اس کے لیے ایک حد تک
تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اترتے وقت اس کے جسم کے پچھلے حصے میں کچھ چوٹ
آئی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ پرندہ اترتے وقت اپنے پچھلے حصے سے زیادہ
مدد لیتا ہے۔ عباس نے یہ غلطی کی کہ دم نہیں بناتی۔»

اب ہمیں چاہیے کہ عربوں نے فن ریاضیات اور فلکیات میں جو ترقی کی تھی ایک نظر
اس پر بھی ڈال لیں۔ ان دونوں مسکوں پر علمائے یونان اور ہندوستان کا جو مواد تھا اس سے
استفادہ کے بعد عربوں نے ان مسائل میں بھی قابل قدر اضافہ کیا۔ حساب میں عدد کے
خواص اور دوسرے متعلقات پر انہوں نے سیر حاصل سمجھیں کی ہیں۔ لفظ صنف بھی سب سے
پہلے عربوں کے قلم سے نکلا، کسر عشری بھی عربوں ہی کا وضع کیا ہوا ہے۔ نو کا عدد
گرا کر جمع کرنے کا اصول بھی عربوں ہی کی جانب منسوب ہے۔

ہندی ہندسوں کو انہی نے نقل کرنے کا رواج دیا۔ خوارزمی نے لہنی ایک تالیف میں
لکھا ہے کہ موجودہ ہندسے ہم کو ہندیوں سے پہنچے ہیں۔ اور عربوں سے انگریزوں نے
لیے ہیں۔

فن جبر و مقابلہ میں اگر یونانیوں کو کچھ ورک تھا بھی تو بہت ناقص۔ ہم بلا خوف تردید
یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ فن بھی عربوں ہی کے وضع کردہ فنون میں سے ایک ہے۔ کاجوری کا

۱۔ ابن خلدان جلد ۱ ص ۷۷۔ ۲۔ نفع الطیب ج ۲ ص ۳۹۴

۳۔ سمٹ کاریکی، الارقام الہندیہ العربیہ ص ۵

قول ہے کہ جب اس پر نظر جاتی ہے کہ عربوں نے جبر و مقابلہ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تو عقل جبران رہ جاتی ہے۔ سب سے پہلے لفظ جبر کا استعمال بھی عربوں نے کہا۔ اور ان سے انگریزوں نے لیا۔ اس پر انہوں نے مستقل نظریات بھی قائم کیے تھے جو اس وقت تک قائم ہیں۔ معاملات کے لیے حلول جبری اور ہندی بھی انہی نے ایجاد کیے۔ درجہ ثانیہ اور ثالثہ کے لیے معادلات سے انہی نے سب سے پہلے دنیا کو روشناس کرایا، اس فن میں عربوں نے ایسی ایسی ایجادیں کیں کہ علماء فرنگ آج تک انگشت بدنداں ہیں۔ کاجوری کا قول ہے کہ معادلات تعکیبی کا حل جو قطوع مخروط کے واسطے سے ہوتا تھا۔ عربوں کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ درجہ اربعہ کے معادلات کے بعض اوضاع بھی انہوں نے حل کیے۔ ماموں کے حکم سے محمد بن خوارزمی نے اس علم پر ایک کتاب نتائج کی، جس نے بڑی شہرت حاصل کی جس سے ساری دنیا میں خوارزمی کا نام پھیل گیا۔ علی فرنگ نے فن جبر پر حتمی کتابیں لکھیں وہ اسی کتاب پر مبنی تھیں، یہ کتاب فرنیگوں کے کورس میں بھی داخل ہے۔ اور ایک مدت تک یہ لوگ اس سے استفادہ کرتے رہے۔ مثلثات میں بھی عربوں نے بہت حدت سے کام لیا۔ کتب مثلثہ کے اعداد میں عربوں ہی نے سب سے پہلے تماس کو داخل کیا۔ تناسب جو ب کا قانون بھی عربوں ہی کے انکشاف کا نتیجہ ہے اور ان کے فخر کو یہ کافی ہے کہ کردی مثلثات کے حل کا عام قاعدہ انہی نے بنایا ہے، منظر تماس اور قاطع اور اس کی منظر، ان چیزوں کے لیے جدید بھی سب سے پہلے عربوں نے تیار کیں۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ علم مثلثات میں عربوں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ پھر اس پر خاص طور سے کوئی اضافہ کیا جاتا، چنانچہ علماء فرنگ کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

علم الفلکیات میں بھی عربوں نے اپنی ذہانت و قابلیت اور ایجاد و اختراع کا ایک زمانہ سے لوہا منوایا۔ انہوں نے سابق فلکی علماء کی طرح یہ نہیں کیا

۱۰۷ء کاجوری، تاریخ الرياضیات، ص ۱۰۷

۱۲۶ء انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، مادہ مثلثات و نصیر الدین طوسی شکل الاقطار ص ۱۲۶

کہ نظریات ہی قائم کر کے رہ گئے ہوں، بلکہ انہوں نے اس فن کو عملیات میں داخل کر لیا، رصد وغیرہ قائم کرنا، بعض اہم نظریاتِ فلکی عربوں ہی کی طبع و قواد کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے بہت سے رصد خانے قائم کیے اور ان میں منفعت بخش ارساد کا انتظام کیا۔ اس فن میں انہوں نے ایسی مہارت کا ثبوت دیا کہ علمائے فلکیات دنگ رہ گئے۔ کوئی ان کی برابر ہی نہیں کر سکا۔ مغرب نے بھی عربوں کے تفوق کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ لالاند فرانسسیسی عالمِ فلکی بتانی کو ان میں علماءِ فلکین میں شمار کرتا ہے جو اپنی مہارت اور خصوصیات کے اعتبار سے ساری دنیا میں فرو ہیں۔ زمین کی گردیت پر بھی عربوں کے بہت سے اقوال ملتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ زمین ایک محور پر گردش کر رہی ہے۔ بڑی منفعت بخش زینچیں بھی انہوں نے ایجاد کیں۔ زمین کے لیے نقطہ زین کی حرکت عربوں نے بیان کی۔ گرمائی اور سرمائی اعتدالوں کی قیمت میں بھی انہوں نے اصلاحیں کیں۔ فلک معدل النہار پر فلک بروج کے میل کی قیمت کا اندازہ بھی عربوں ہی نے کیا۔ اور باعثِ تعجب امر یہ ہے کہ اس میل کا حساب نہایت دقیق ہے۔

اپنی رصد میں انہوں نے ایک دقیقہ تک کا حساب رکھا تھا۔ آفتاب زمین سے کتنا بلند ہے؟ اس سوال کا جواب جو انہوں نے دیا تھا وہ تقریباً وہی ہے جو آج کل کے علماءِ فلکیات دیا کرتے ہیں۔ آلاتِ رصد میں اصطلاب بھی عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ غرض اس فن میں انہوں نے غیر معمولی اہتمام کیے۔ میں نے دیبساطِ علمِ الفلک، میں دیکھا ہے کہ پچاس فی صد ستاروں کے نام وہی ہیں جو عربوں نے رکھے تھے۔ اور آج تک وہ فرنگی زبانوں میں برابر استعمال ہو رہے ہیں۔ اس فن میں ان کی مہارت اور کماں کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعض فلکی علماء نے ایسے مکانات بنائے تھے جن میں آسمان تھا، آسمان

۱۔ ملاحظہ ہو دمقطف، بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء، اسمعیل منظر، تاریخ الفلک العربی ص ۲۶، ۲۵

۲۔ اسمعیل منظر، تاریخ الفلک العربی ص ۲۶، ۲۵

۳۔ فاندیک، کتاب علم الالہیہ ص ۱۲،

پر تارے تھے، بنا دل تھے، بچلیاں تھیں، سب ہی کچھ تھا اور دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پہنچا پہنچا آسمان کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ علماء مغرب کا اس میں اختلاف ہے کہ حرکتِ قمر میں انواعِ علامت کے انکشاف کا سہرا کس کے سر ہے۔ بعض لوگ تیخویر کا نام لیتے ہیں۔ بعض ابو الوفا کا۔ لیکن اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اس انکشاف کا سہرا ابو الوفا کے علاوہ کسی اور کے سر نہیں ہے۔

عربوں کی ہمدانی جب عربوں نے عیش و عشرت کے میدان میں قدم رکھا تو اس میں بھی وہ بازی لے گئے۔ ایک طرف اگر علم و فنون نے اپنے منظر یاد

خیالات کی ندرت کاریوں سے ایک عالم کو محو حیرت بنا رکھا تھا تو دوسری طرف بزم و انجمن میں بھی وہ سب سے پیش پیش تھے، ان کی بزم آرائیاں آج تک لوگوں کی زبانوں پر اور کتابوں کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے جب شعر و شاعری کی طرف توجہ کی تو اس میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اس میدان میں بھی کوئی حریف باقی نہیں رہ گیا، جب موسیقی کی طرف ان کی نظر متوجہ ہوئی تو ایسے راگ اور باجے ایجاد کیے کہ مرورِ ایام کے باوجود آج تک وہ باقی ہیں۔ جب انہوں نے تعمیر پر نظر عنایت کی تو ایسے ایسے قصور و محلات تیار کر کے کھڑے کر دیے کہ دنیا میں جنت کا نمونہ قائم کر دیا۔ ان کی عمارات کی خوبی، خوش منافی، سنگینی و استحکام و مناسب اور تناسب پر جب نظر پڑتی ہے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔

ماخذ

مصر کے مشہور مجلہ علمی المقطف، میں یہ مقالہ غالباً ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا۔
میں نے اسی زمانہ میں اس کا ترجمہ کیا تھا جو رسالہ جامعہ، دہلی میں شائع ہوا تھا۔

۱۔ المقری، نفع الطیب ج ۲ ص ۲۳۱۔
۲۔ کتاب تراث الاسلام ص ۳۹۵۔
۳۔ کاجوری، تاریخ الرياضیات ص ۱۰۵۔

شب گشت

بھیس بدل کر خبریں حاصل کرنے والا خلیفہ !

ہارون کے بارے میں بہت سی روایتیں اور حکایتیں ایسی ہیں جنہوں نے اسے پُر اہرار، سحر طراز، دلچسپ اور محبوب عوام شخصیت کا مالک بنا دیا تھا۔

ممکن ہے ان روایتوں میں کہیں کہیں مبالغہ بھی ہو۔ لیکن مجموعی حیثیت سے نہ ان کی صحت مشتبہ ہے نہ ان کی تفصیل۔

اس طرح کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت حد درجہ دلچسپ ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

رات کا وقت ہے، وجہ اپنی معمولی رفتار سے بہہ رہا ہے، دونوں کناروں پر سائے کا عالم ہے اور اندھیرے کی وجہ سے نہ گھاٹ نظر آتا تھا نہ کشتیاں۔ لیکن غور کرنے سے ایک چھوٹی سی ڈونگی دکھائی دیتی ہے جس پر ایک بوڑھا ملاح گردن جھکائے خاموش بیٹھا ہے اور تین شخص سوداگروں کے لباس میں بڈھے کے پاس کھڑے ہیں۔ بظاہر اس میں ایک مالک، ایک مصاحب اور تیسرا خادم معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مصاحب نے آگے بڑھ کر بوڑھے ملاح سے اس طرح گفتگو کی۔

مصاحب: اے پیر مرد! مہربانی کر کے اس وقت ہم کو وجہ کی سیر کرا۔ اور یہ دو دینار

تیری حق الخدمت کے موجود ہیں ان کو قبول کر۔

ملاح: حضرت میری مجال نہیں ہے جو میں آپ کی فرمائش بجالا سکوں کیونکہ خلیفہ ہارون کلا مہول ہے کہ وہ ہر شب بجرے پر سوار ہو کر نکلتا ہے۔ جس کے ساتھ ایک منادی پکارتا جاتا ہے کہ خبردار! جو کوئی شخص اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، جوان ہو یا لڑکا، آزاد ہو یا غلام، رات کے وقت سیر کرے گا اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

یہ گفتگو ہنوز ختم نہیں ہوئی تھی کہ دُور سے ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دی جس میں حسبِ موقع شمعوں اور مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ جب وہ کشتی حد سے آگے چلی گئی تو پھر اس مصاحب نے بوڑھے ملاح سے اصرار کیا اور ایک معقول انعام کے وعدے پر رضا مند کر لیا۔ یہاں تک کہ یہ کشتی بھی اگلے بجرے کے پیچھے پیچھے چل کھڑی ہوئی۔ جب کشتی بجرے کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ اس پر ایک مشعلی سرخ اطلس کا لباس پہنے ہوئے اور ایک طلائی اور مینا کار دستے کا مشعل ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔ جس میں عودِ قاتل جل رہا تھا۔ بجرے کا درمیانی حصہ شمعوں سے روشن تھا جس کے وسط میں زرنگار کرسی بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ایک نوجوان سیاہ خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں تھینا سو غلام ایٹادہ تھے۔ ان کے بیچ میں بیس مصاحب اور بھی تھے۔

مالک: آپ نے یہ تماشا دیکھا؟ کیا خوب طرز اختیار کیا ہے؟

مصاحب: یہ تو حقیقت میں خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک: دہنس کر! یہ امین الرشید کی شرارت ہے یا ماموں الرشید کی۔

مصاحب: حضور پر فرماتے ہیں، بالکل خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک: دو بارہ غور سے دیکھ کر، بے شک تمام سامانِ خلافت مہیا ہے۔ دو شخص

جو سنانے کھڑے ہیں ان میں ایک تو بالکل جعفر و زبیر السلطنت معلوم ہوتا ہے اور دوسرا

سریر رہی غلام،

مصاحب: کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا امر ہے، میری تو عقل گم ہے۔

مسئلہ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ کشتی منظر سے دُور ہو گئی۔ تب مصاحب نے ملاح

سے پوچھا کہ کیا خلیفہ اسی طرح ہر شہر وریا کی سیر کیا کرتا ہے؟
اس نے کہا کہ ہاں!

پچنانچہ ملاح سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے یہ لوگ چلے گئے۔
دوسرے دن بڑھا ملاح انعام کے لالچ سے اسی جگہ اپنی کشتی لگاتے بیٹھا تھا کہ یہ لوگ
آج موجود ہوئے۔ اور جس وقت شاہی بجرہ سامنے سے گزرا فوراً یہ کشتی بھی اس کے عقید
میں روانہ ہوئی۔ دیکھا تو بجرے پر آج دوسرے ٹھاٹھ تھے۔ اور قریب دو سو غلاموں کے
موڈب کھڑے جو محل کے غلاموں سے علاوہ تھے۔ ملاح نے آج دس دینار کے لالچ سے اس
کشتی کو تیز چلایا۔ اور دوڑ تک اس بجرے کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے
ایک باغ کے کنارے پہنچ گئے، وہاں دو غلام مع سواری کے موجود تھے۔ خلیفہ کشتی
سے اترا اور چرخر پر بسوار ہو کے باغ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ مسافر بھی کشتی سے نیچے آئے اور
جی کڑا کر کے خلیفہ کے پیچھے ہوئے مگر آگے چل کر مشعلیوں نے اجینی سمجھ کر شور و غل کیا تب
لوگوں نے گرفتار کر کے خلیفہ کے روبرو پیش کیا۔

خلیفہ: تم کون ہو؟ اور یہاں کیونکر تمہارا آنا ہوا؟

مصاحب: ہم غریب الدیار ہیں اور تاجرانہ حیثیت سے بغداد میں وارد ہیں۔

خلیفہ: تمہاری رسائی یہاں تک کس کی سازش سے ہوئی؟

مصاحب: حضور ہماری حماقت نے ہم سے سازش کر کے سیر و جیلہ پر آمادہ کیا جس کی

وجہ سے حضور کے خدام نے گرفتار کر لیا۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ حضور کے دیدار فیض

آثار سے مشرف ہوتے۔ اب آگے جو قسمت میں ہو۔

خلیفہ: اگر تم مسافر نہ ہوتے اور کوئی بغدادی ہوتا تو ضرور ہمارے دریائی قانون

کے مطابق قتل کر دیا جاتا، لیکن اب تم ہمارے مہمان ہو۔ اطمینان سے استراحت کرو اور

اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر، یہ لوگ آج ہمارے مہمان ہیں، ان کو بھی اپنی بے تکلفی

کی محفل میں شریک کرو۔

وزیر: بہت خوب!

تھوڑی دور چل کر ایک عظیم الشان محل نظر آیا جو شاہانہ طرز پر آراستہ تھا۔ وہاں پہنچ کر سب لوگ اپنے اپنے قریبے سے بیٹھ گئے۔ دسترخوان چٹا گیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو دور شروع ہوا۔ جب ان سوداگروں کی طرف دور آیا تو پہلے مالک نے انکار کیا۔ خلیفہ نے اس مصاحب سے سبب انکار دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ وہ حضور ہمارے آقا نے مدت سے شراب چھوڑ دی ہے، لیکن خلیفہ نے مع یارانِ مجلس خوب پنی اور مست ہو کر نشے میں چھوٹنے لگا۔ جب ان لوگوں کو کسی قدر تھلپہ ہوا تو آپس میں اس مکان کی آراستگی اور دیگر سامان و ظروف وغیرہ کی تعریف کرنے لگے۔ مالک نے اپنے مصاحب سے کہا کہ کیا خوب ہوتا اگر یہاں کے حالات کی مجھ پر وضاحت ہوتی۔

خلیفہ نے ان باتوں پر کان لگائے اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کن خیالات میں ہیں؟ اور مصاحب نے جواب دیا ہمارا مالک اس وقت حضور کی خوش انتظامی اور سامانِ آرائش دیکھ دیکھ کر محو ہو رہا ہے اور مجھ سے اس کی تعریف کرتا جاتا ہے۔

خلیفہ: آپ کے نزدیک یہاں کس چیز کی کمی ہے؟

مصاحب: ہماری کیا مجال ہے کہ کسی کمی کا ذکر کر سکیں، بفضلہ تعالیٰ تمام سامانِ عیش

مہیا ہے۔

خلیفہ: نہیں نہیں، بلا تصنع آپ جس چیز کی کمی دیکھیں فی الفور اس کا اظہار کریں۔

مصاحب: ہمارا خیال ہے کہ شراب بلا سماع تضحیٰ اوقات ہے۔

خلیفہ یہ سن کر مسکرا دیا اور فوراً دستک دی جس کے ساتھ ہی ایک دروازہ کھلا اور

اس سے ایک خادم نکلا۔ پھر اس نے ایک ہاتھی دانت کی مرصع کرسی لا کر بچھائی، پھر ایک

خوبصورت کینز آئی اور کرسی پر بیٹھ کر عود بجانا شروع کیا، چنانچہ اس نے چوبیس گیتیں

بجائیں، جس کی ہر آواز پر عقل حیران ہوتی تھی۔ اس کی خوبصورتی کے ساتھ اس کی خوش

آوازی غضب تھی۔ اس نے یہ اشعار گانا شروع کیے۔

ترجمہ: عشق کی زبان میری آنکھوں میں بول رہی ہے۔

اور یہ کہتی ہے کہ میں تیرا عاشق ہوں۔

میرا تم زوہ دل میرا گواہ ہے۔

اور میرا دل تیرے فراق سے زخمی ہے اور کانپتا ہے۔

جس محبت نے مجھے پگھلا دیا میں اس کو کہاں تک چھپاؤں۔

دل زخمی ہے اور آنسو ہلاک کرنے والے ہیں۔

تیرے عشق سے پہلے مجھ کو بھی معلوم نہ تھا کہ عشق کیا چیز ہے؟

لیکن خدا کا حکم مخلوقات میں پہلے سے نافذ ہو چکا ہے۔

یہ اشعار کچھ ایسے درد انگیز لہجے میں لکائے کہ خلیفہ پر دیوانگی سی کیفیت طاری ہو گئی

اور یکایک چیخ اٹھا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ دیر کے بعد جب ہوش آیا تو دوسری پوشاک

زیب تن کی اور ذرا دیر سکوت کرنے کے بعد اس نے پھر دشکادی۔ قاعدہ اول کے

مطابق دوسری لونڈی حاضر ہوئی۔ اس نے بھی خود بجانا شروع کیا، ان مہمانوں نے جب

دیکھا کہ خلیفہ محو سماع ہے تو آپس میں آہستہ آہستہ اس طرح گفتگو کی۔

مالک: یہاں تو سامانِ خلافت پورے طور پر چھپتا ہیں۔

مصاحب: بے شک، آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ کچھ آپ نے بھی خیال فرمایا!

مالک: کیا تم نے خلیفہ کے منہ پر کوئی نشان بھی دیکھا ہے؟

مصاحب: جی ہاں، میں عرصے سے اس پر غور کر رہا ہوں۔

اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ خلیفہ متوجہ ہو گیا اور پوچھا کہ کیا سرگوشیاں ہیں؟

مصاحب نے جواب دیا کہ ہمارا مالک آپ کی اس وقت کی قیاضیوں سے بار بار ذکر

کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ہر کمینز کے رد و بدل میں حضور نے چار جوڑے قیمتی جن میں سے ہر ایک

پانچ سو دینار سے کم نہ ہو گا، خادموں کو چاک کوس کے ڈے دیے۔ اس کے بعد مصاحب نے

خلیفہ کا خیال تبدیل کرنے کی غرض سے برہستہ یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: سخاوت نے تیری ہتھیلی کے پتھوں میں گھر بنایا ہے۔

اس لیے تیرا مال تمام لوگوں کے لیے مباح ہے

سخاوت کسی دن اگر اپنے دروازے بند کر دے

تو اس کے فضل کی گنجی ہے۔

خلیفہ ان اشعار کو سن کر بہت معظوظ ہوا اور فوراً حکم دیا کہ ایک ہزار دینار مع غلٹے سے دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ اور جب پنجودی کی کیفیت طاری ہوئی تو پھر ان مہانوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں۔

مالک: مجھ کو خلیفہ کی پیشانی پر ایک نشان منظر آتا ہے، میری نظر تو غلطی نہیں کرتی۔
مصاحب: بجا ارشاد ہوا، مجھے بھی منظر آ رہا ہے۔

مالک: تو کیا اس کی نسبت دریافت کریں؟

مصاحب: حضور موقع نہیں ہے، ذرا صبر کیجئے!

مالک (غصہ سے): مجھے قسم ہے تربت عباس کی کہ جب تک اس کا حال معلوم نہ کر

لوں گا اس وقت تک کچھ بھی تسکین نہ ہوگی۔

تربت عباس کا لفظ اس زور سے نکلا کہ خلیفہ چونک پڑا۔ اور اس نے مصاحب کی

طرف دیکھ کر کسی قدر خوفزدہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ بس معمولی

باتیں ہیں۔ مگر میرے مالک کا ایک سوال ہے، خدا کے لیے اس کا جواب صحیح دیجئے اور

وہ یہ ہے کہ آپ کی پیشانی پر جو نشان منظر آتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ خلیفہ یہ بات سن

کر ساکت ہو گیا۔ اور دیر تک مصاحب اور اس کے مالک کو پہچانتے کی کوشش کرتا رہا۔

بالآخر خوفزدہ ہو کر رونے لگا۔ اور اپنا تمام واقعہ فی البدیہہ منظم میں بیان کرنے لگا اور

اس سلسلے میں ڈرتے ڈرتے یہ بھی بیان کیا۔

ترجمہ: میرا دل کہتا ہے کہ اس جمع میں ہمارا سردار ہے،

جو اس زمانہ کا خلیفہ اور پاک نسل سے ہے،

دوسرا شخص جعفر وزیر ہے،

تو وزیر ابن وزیر کہا جاتا ہے،

اور تیسرا سردار ہے جو انتقام کے لیے جلاوت ہے،

سو اگر کسی یہ بات صحیح نکلی،

تو بہر حال جو میں چاہتا تھا وہ مل گیا۔
اور دل کی خوشی ہر طرف سے آپہنچی ہے۔

اگرچہ اس نے اپنے اشعار میں ظاہر کیا کہ میں نے اپنے تینوں مہمانوں کو پہچان لیا ہے
تاہم مصاحب نے اس کے اس خیال کی تردید کی اور چاہا کہ اس سلسلہ تقریر کو بھی ٹال دے
مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ حضرت جو آپ کے مالک ہیں میں نے ان کو پہچان لیا ہے
والشہید یارون الرشید ہمارے امیر المومنین ہیں اور آپ ان کے وزیر جعفر ہیں اور میرے
صاحب مسرور ہیں۔ لہذا میں پہلے اپنی جان بخشی چاہتا ہوں کہ حضور کے لقب کے
طفیل میں دریا کی سیر کرتا ہوں اور اس کے بعد اپنا عرض حال کرتا ہوں۔ امیر المومنین اصلی
نام میرا علی ہے۔ محمد جوہری کا لڑکا ہوں، میرا باپ مشہور سوداگر تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا،
تو دولت کنیر میرے ہاتھ آئی۔ امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا، ایک دن دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ
ایک عورت خچر پر سوار میری دکان پر آئی، تین خوبصورت کنیزیں اس کے ہمراہ تھیں۔ مجھ
سے پوچھا کہ علی بن محمد جوہری آپ ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ کا غلام موجود ہے۔

پھر کہا کہ میرے لائق اعلیٰ درجے کی موتیوں کی لڑیاں ہیں؟

میں نے کہا جو کچھ موجود ہے پیش کرتا ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی پسند خاطر ہو تو
زبے نصیب۔ چنانچہ سولہ لڑیاں میں نے پیش کیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی پسند نہ
آئی اور سب سے عمدہ موتی پیش کرنے کا حکم دیا۔ تب میں نے ایک چھوٹی لڑی جو
میرے والد نے ایک لاکھ کو خرید کی تھی پیش کی اور عرض کیا کہ یہ وہ قیمتی سلک جس کی
منظر بہ مشکل بادشاہوں کے یہاں ہوگی۔

چنانچہ وہ لڑی دیکھ کر پھرک اٹھی اور کہا کہ مجھے مدت سے ایسے ہی موتیوں کی
آرزو تھی۔

پسند آنے پر نرخ پوچھا، میں نے خرید کے دام عرض کر دیے، قیمت سن کر جواب
دیا کہ لاگت ہر پانچ ہزار دینار نفع کے دیے جائیں گے۔ ایک خوبصورت کنیز اس کے علاوہ۔

میں نے عرض کیا کہ یہ لڑکی اور اس کا مالک حضور میں موجود ہیں، موتی بھی آپ کے ہیں اور یہ خادم بھی آپ کا غلام ہے۔

میری بات سن کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ نفع تو تم کو ضرور ملنا چاہیے۔ پھر چلتے وقت خدا کی قسم دے کر کہا کہ قیمت لینے مکان پر ضرور آنا۔ چنانچہ میں اسی وقت دکان کو نقل لگا کر ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دُور چل کر ایک عالی شان عمارت کے دروازہ پر پہنچا۔

سبحان اللہ! کیا کہنا، نہایت رفیع الشان عمارت تھی۔ صدد دروازہ پر یہ طغریٰ لکھا تھا، ترجمہ: اے گھر تیرے اندر غم نہ آئے،

اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے،

تو مہمانوں کے لیے اچھا گھر ہے،

جبکہ مہمانوں کو کہیں گھر نہ ملتا ہو،

دروازہ پر چند لمحے ٹھہرنا پڑا۔ پھر ایک کینز محل کے اندر لے گئی کہ چلتے قیمت لے

لیجئے۔ چنانچہ ایوان میں ایک طرف میرے واسطے کرسی بچھا دی گئی۔ اس کے قریب ایک

طرف تحریر سرخ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور چاندی کی کرسی پر وہ بی بی بیٹھی ہوئی تھی، گلے

میں وہی موتیوں کا مالا تھا جو ابھی ابھی مجھ سے خریدا تھا مجھے دیکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑی

ہوئی اور کہا کہ نور الدین! میں چاہتی ہوں تم میرے پاس رہو اور سلسلہ کلام ایسا چھیڑا

جس کے ہر لفظ سے محبت کی بواقی تھتی، پھر مجھ سے کہا کہ میں اس شہر میں گناہ ہو

کر رہتی ہوں، میرے نام سے کوئی واقف نہیں ہے، حلف اٹھاؤ اور خدا کی قسم کھاؤ

تب میں اپنا راز ظاہر کروں گی۔ چنانچہ میں نے قسم کھائی۔ تب کہا کہ میں بیٹی برسی کی بیٹی

ہوں، جعفر میرا بھائی ہے۔ میرا نام دینا ہے میں نے اس سے خاندان کا نام سنا تو مجھے کسی قدر

تسکین ہوئی اور بطور معذرت کے عرض کیا کہ میرا گناہ معاف فرما جسے صرف طمع زر مجھے یہاں

تک لاتی ہے؟

دینے کہا: ”کچھ مضائقہ نہیں، کچھ نہ کچھ احسان کرنا چاہیے، میں خود مختار ہوں۔

ابھی قاضی کو بلاتی ہوں، چنانچہ دو شاہد طلب کیے گئے پھر قاضی سے کہا کہ میں اساعت

نور الدین علی سے کرنا چاہتی ہوں، آپ نکاح پڑھا دیں۔ چنانچہ قاضی نے ایجاب و قبول کر کے نکاح کا منشا پڑھا اور دین بہر میں وہی موتیوں کی لڑھی سامنے رکھ دی، بعد نکاح کے ہر طرف خوشی اور مبارکباد کے ترانے گائے جانے لگے۔ لحظہ بہ لحظہ خوبصورت کینز میں عود وغیرہ بجاتی بھتیں اور عمدہ راگیناں سناتی تھیں۔ صرف ایک شعر ان میں قاب یاد رہ گیا ہے۔

ترجمہ: میرے اشتیاق کا موسیٰ تمہارے خوشی کے طور پر ہے،
جب تیرا سن اس کو تم دیتا ہے تو وہ تجھ سے چھپ کر باتیں کرتا ہے۔

جب دس لوندیاں باری باری عود بجا چکیں تو پھر دینا نے عود بجانا شروع کیا اور حسب حال کچھ شعر پڑھے جس میں اپنی محبت اور میری خوبصورتی کا ذکر تھا۔ جب میں نے اپنی بی بی سے اشعار سننے تو بے ساختہ ہو کر اس سے عود لے لیا اور میں نے عود کے ساتھ کچھ گنگنا شروع کیا چار بیت اس وقت بھی یاد ہیں۔

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے تمام سن تجھ کو عطا کیا،
یہاں تک کہ تیرے گرفتاروں میں میں بھی شامل ہو گیا،
اپنی آنکھوں کے جادو سے خلافت کو گرفتار کرنے والے،
پانی اور آگ دونوں تیرے چہرے میں یکجا ہیں،
اور گلاب ایک گھاس ہے جو تیرے گالوں میں اُگی ہے،
تو میرے دل کی جلن بھی ہے اور نعمت بھی،

تو میرے دل میں بے انتہا تلخ ہے اور بے انتہا شیریں۔
اس کے بعد ہم خواب گاہ کے کمرے میں جو پہلے سے اُراستہ تھا چلے گئے اور سوئے،
غرض کہ ایک مہینہ اسی طرح عیش و عشرت میں گزر گیا۔ عزیز واقارب، دکان، مکان سب
انت دان سے خوب ہو گئے اور آج تک وہی بے خودی کی حالت ہے۔

ایک دن دینا نے حمام کا قصد کیا اور مجھے قسم دے کر رخصت ہوئی کہ جب تک میں
واپس نہ آؤں خیرداد قدم باہر نہ نکالنا، جب میں نے اقرار کر لیا تب وہ باہر نکلی، چند ہی
قدم طے کیے ہوں گے کہ دروازہ سے ایک کہن سال عودت محل کے اندر آئی اور مجھ سے کہا

کہ بیٹا تجھ کو زبیدہ خاتون نے یاد کیا ہے، میں نے مغفرت کی کہ اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا، قسم کھا چکا ہوں، لیکن بڑھیا نے نہ مانا اور کہا کہ

بقابلہ زبیدہ خاتون کی ناراضی کے کفارہ یمین سہل ہے۔ عرض کہ مجبوراً میں اس کے ساتھ

ہو لیا۔

جب زبیدہ کے حضور میں پہنچا تو مجھے دیکھ کر فرمایا کہ نور الدین تم ہی دینکے معشوق تُو
میں نے عرض کیا کہ حضور کا فرمانبردار غلام ہوں۔

تب زبیدہ خاتون نے ارشاد کیا کہ تمہارے حسن و جمال کی جیسی میں نے تعریف سنی

تھی ویسا ہی پاتی ہوں۔ مجھے کوئی چیز سناؤ۔ کیونکہ تم خود خوب بجاتے ہو۔

میں نے حکم کی تعمیل کی، میری عود نوازی سے حضرت زبیدہ بہت خوش ہوئیں حضرت

کے وقت دعا دی کہ خدا تیرے قدم و قامت اور خوبصورتی کو منظرِ بد سے بچائے۔ اور مجھے

حکم دیا کہ دینا کے آنے سے قبل مکان پر پہنچ جائے۔

بڑھیا جو مکان سے مجھ کو لے آئی تھی گھڑ تک پہنچی آئی، لیکن میرے آنے سے پہلے

دینا اچھکی تھی۔ میں نے چاہا کہ تخت پر جا کر بیٹھ جاؤں، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دینا تخت پر

سور ہی ہے، میں بھی اس کے قدموں میں برابر جا کر بیٹھ گیا۔ جب اس نے مجھے بلینے

دیکھا تو اس نے پاؤں سمیٹ لیے اور ایک ایسی لات ماری کہ عرشِ تخت سے فرشتے

جا پڑا۔ اور خفا ہو کر بولی کہ نور الدین تو نے قسم توڑ ڈالی اور تجھ سے جھوٹ بولا اور زبیدہ

کے مکان پر پہنچا۔ خدا گواہ ہے، اگر مجھے اپنی رسوائی کا خیال نہ ہوتا تو قصرِ زبیدہ کو اس

کے سر پر ڈھا دیتی۔

پھر اپنے غلام کو حسین کا نام صواب تھا بلایا اور حکم دیا کہ اس جھوٹے کینے کی گردان

دے۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تو اب نے میری مشکبیں کس لیں اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ چاہتا تھا کہ قتل کرے

اتنے میں محل کی سب چھوٹی بڑی لونڈیاں میری سفارش کرنے لگیں اور دینا سے بہ نیت عرض

کیا کہ حضور نور الدین کا یہ پہلا گناہ ہے، سرکار کے مزاج سے یہ کچھ بھی واقف نہ تھی۔

اور آخر اس کا قصور ہی کیا ہے کہ قتل کیا جا رہا ہے چنانچہ کنیزوں کی سفارش سے اس کا جزون کم ہوا اور میرے قتل سے باز آئی، لیکن بولی کہ کوئی نشان تو ضرور ہونا چاہیے جو یہ بھی یاد رکھے چنانچہ پھر مجھ کو داغا، نشانات اسی کے ہیں اور گھر سے باہر نکال دیا۔

میں دینا کے گھر سے اس رسوائی کے ساتھ نکلا کہ اپنے اوپر ملامت کرتا تھا، بمشکل آہستہ آہستہ چل کر گھر پہنچا اور علاج شروع کیا۔ چند روز میں آرام ہو گیا تو دکان کی فیکر ہوئی اثاثے البیت کو فروخت کر ڈالا، زرٹمن سے چار سو غلام خرید کیے اور تفریح کے لیے یہ کشتی خرید کی جس میں بیٹھ کر روزانہ سیر کرتا ہوں اور اپنا نام خلیفہ رکھا ہے اور اس حال میں ایک سال ہو گیا ہے۔ پھر اپنی مشوقہ کو یاد کر کے رونے لگا۔ ہارون الرشید نے یہ واقعہ سن کر بہت ہی تعجب کیا اور جوان سے اجازت لے کر واپس آ گیا۔

چونکہ نوجوان کی مہمان نوازی سے خلیفہ بہت خوش ہوا تھا اس لیے ارادہ کیا کہ اس مظلوم کا انصاف کیا جائے۔ چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ دربار میں اس نوجوان کو پیش کرو، جعفر نے نہایت اعزاز سے اس نوجوان کو پیش کیا۔

جب خلیفہ کے حضور پیش کیا گیا تو شاہی قاعدے سے سلام کیا اور دیر تک دعائیں دیتا رہا۔

ہارون نے بیٹھنے کی اجازت دی اور کہا کہ نور الدین میں چاہتا ہوں کہ تمہارا افسانہ سنوں کیونکہ وہ عجیب و دلکش داستان ہے۔

نوجوان نے عرض کیا کہ امیر المومنین سے معذرت کا خواستگار ہوں، جب تک غفور قصور نہ ہوگا مجھے اطمینان نہ ہوگا۔

چنانچہ ہارون نے اس کا قصور معاف کیا اور امان دی، تب اس نوجوان نے اول سے آخر تک دوبارہ اپنا حال سنایا۔ جب ہارون کو یقین ہو گیا کہ واقعی یہ دینا کا بندہ ہے تب نوجوان سے دریافت کیا کہ:

اب بھی تم اپنی مشوقہ سے ملنا چاہتے ہو،

عرض کیا کہ ہاں امیر المومنین یہی تو احسان کا وقت ہے

چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ فوراً دینا کو حاضر کرے۔ جعفر نے لا کر پیش کر دیا۔ تب ہارون نے دینا سے پوچھا کہ اس نوجوان کو پہچانتی ہو؟

جواب دیا کہ امیر المؤمنین کیا عورتیں بھی مردوں کو پہچانتی ہیں؟

یہ جواب سن کر ہارون کو ہنسی آگئی اور کہا کہ میں خوب سن چکا ہوں۔

تب دینا نے عرض کیا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب میں امیر المؤمنین سے معافی کی

خواستگار ہوں۔

خلیفہ نے قصور معاف کر کے قاضی کو بلایا اور دوبارہ نور الدین علی کا دینا سے عقد

پڑھا دیا۔ چنانچہ نور الدین کی بقیہ زندگی ہارون کی مصاحبت میں نہایت عیش و عشرت

سے گزری۔

ماخذ

ابرامیکہ ، اعلام الناس

الف لیلہ کا ہارون رشید

الف لیلہ عربی زبان میں ایک زندہ جاوید کتاب ہے۔ دنیا کی کوئی ایسی زبان نہیں جس میں اس کا ترجمہ نہ ہو چکا ہو اور اسے شوق سے نہ لیا گیا ہو اور شوق کی آنکھوں سے نہ پڑھا گیا ہو، اس کتاب میں خلفاء اسلام کی زندگی کے بعض بڑے دلچسپ پہلو پیش کیے گئے ہیں، وہ اتنے دلچسپ ہیں کہ انہوں نے شہرت عام اور بقائے دوام کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ الف لیلہ کی کہانیاں بچے بچے کی زبان پر ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ نہایت دلچسپ اور سبق آموز بھی ہیں۔

الف لیلہ میں ہارون رشید کے متعلق بھی کئی دلچسپ حکایتیں موجود ہیں۔ ان میں سب سے مختصر اور بے حد دلچسپ حکایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

عہد دولت ہارون الرشید بادشاہ بغداد میں علی خواجہ نامی سوداگر ساکن بغداد تھا۔ پیشہ تجارت میں بسر اوقات کرتا تھا۔ باوجود اطمینان و فارغ البالی حسرت زن و فرزند میں مرتنا تھا۔ یہ ہے کہ تنہائی کی زلیبت موت سے بدتر ہے۔

اس تاجر نے تین شب متواتر خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ اس سے کہتا ہے، اے شخص حج تجھ پر فرض ہے تو کیوں نہیں قصد بیت اللہ شریف نہیں کرتا۔ اس راہ میں کیوں قدم نہیں دھرتا۔ جلد خانہ کعبہ کو روانہ ہو، خبردار اس میں توقف ڈرانہ ہو۔ یہ خواب دیکھ کر خوف اس کے دل پر طاری ہوا اور اس پیر مرد ستودہ صفات نے کچھ

ایسی تاثیر اس کے دل پر کی کہ اپنا سب اسباب تجارت بیچ کر سفر بیت اللہ کی تدبیر کی۔ اپنے مکان میں ایک کرایہ دار کو رکھ کے ہمراہ ایک قافلہ کے جو مکہ کو جاتا تھا روانہ ہوا۔ اور قبل جانے کے اس نے ایک ہزار اشرفی جو ز اور اسے بچی تھیں ایک ٹھلیا میں رکھ کر اور اس میں روغن زیتون بھر کر منہ اس کا اچھی طرح بند کیا، اور ایک سوداگر کے پاس جو اس کا بڑا شفیق و عزم خوار تھا، صاحب اعتبار تھا، اس گھڑے کو لے گیا۔ کہا، میں عازم خانہ خدا ہوں، تجھ کو اپنا شفیق جانتا ہوں، میری واپسی تک یہ ٹھلیا روغن زیتون کی اپنے پاس بٹھے رکھے، جب مع الخیر واپس آؤں گا لے لوں گا۔

اس سوداگر نے کبھی اپنے گودام کی علی خواجہ کو دے کر کہا کہ تم آپ گودام کھول کر جس مقام پر چاہو رکھ دو۔ حج سے واپس آ کر اپنی امانت بھروسہ لے لینا۔

علی خواجہ نے اس ٹھلیا کو ایک حجرہ میں رکھ کے اس کو متفضل کر دیا اور کبھی اس کی اس سوداگر کے سپرد کر دی۔ اور اپنا مال تجارت ایک اونٹ پر بار کر کے اس پر سوار ہوا اور قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ بعد طے مراحل و قطع منازل جب مکہ معظمہ پہنچا اور مناسک حج سے فرصت پائی تو اسباب تجارت جو اس کے پاس تھا نکال کر بیچنا شروع کیا۔

اتفاقاً دو سوداگر سیر کرتے ہوئے اور پسند کر کے آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ تاجر اس متاعِ نادر کو قاہرہ دار السلطنت مصر میں لے جا کر فروخت کرے تو نفع کثیر ہائے آئے۔

علی خواجہ مدت سے ملک مصر دیکھنے کا مشتاق تھا۔ یہ بات سن کر زیادہ تر اشتیاق بڑھا اور بغداد جہانے کا ارادہ ملتوی کر کے مصر کا عزم مستمم کیا اور ایک مصری قافلے کے ساتھ چل نکلا۔ جب وہاں پہنچا۔ اس ملک کی سیر سے دل نہایت مسرور ہوا۔ شہر کو بار و نوح دیکھا اور

وہاں کے باشندوں سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا۔ مال جو عمدہ دکھا یا سب کو پسند آیا۔ بڑی قیمت سے بیچا، فائدہ بہت اٹھایا اور اسباب خرید کر کے دمشق جانے کا ارادہ کیا۔

ایک ماہ تک قاہرہ میں رہ کر سیرِ ہرام کی، جو کنائے دریائے نیل کے کسی منزلوں سے نظر آتے ہیں۔ اور شہروں کو جو کنائے دریائے نیل کے آباد ہیں دیکھ کر لطف مزید حاصل کیا۔

پھر وہاں سے دمشق کی جانب روانہ ہوا۔ راہ میں رود سلیم اور اس کی مسجد کی جو شاہانِ اسلام

نے تعمیر کی تھی زیارت کی، اور شہر دمشق میں داخل ہو کر اس کو نہایت آراستہ اور آباد پایا چہنچہ
 بکثرت، زراعت و باغات شگفتہ اور بار آور دیکھے نہایت محظوظ ہوا اور بغداد کو بھول گیا۔
 روح میں بالیدگی ہوئی، جان میں جان آئی۔ سبزہ و گل کے منظرہ سے تازگی پاتی۔ چوک کی
 خوب سیر کی، لطف اٹھایا، بازاروں میں گشت کی، چکر کھائے، چند دن اس شہر میں قیام کیا،
 پھر وہاں سے حلب اور موصل و شیراز کا راستہ لیا۔ عمائد کی ملاقات سے محظوظ ہوا۔ اسی طرح
 جا بجا پھرنا اور امصار و بلاد کی سیر کرتا سات برس کے بعد بغداد میں داخل ہوا۔ اعزاز ادا جابا
 کی ملاقات سے دل کو سرور حاصل ہوا۔

حسب الوطن از ملک سلیمان خوشتر!

اب ذکر اس بے ایمان امانت دار کا سنیے۔ سات برس تک نہ اس کو علی خواجہ یاد آیا
 نہ اس گھرے کو دیکھا۔ جس روز علی خواجہ اس شہر میں داخل ہوا اسی شب کو وہ اپنی عورت کے
 ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ عورت نے کہا مدت تک سے روغن زیتون ہم نے کھایا نہیں بلکہ
 منظر بھی نہیں آیا، سو اگر کو علی خواجہ کا قصہ یاد آیا، بی بی سے کہا، میرا ایک دوست کعبہ شریف
 گیا ہے۔ اس کا گھڑا روغن زیتون کا میرے پاس امانت ہے۔ ایک پیالہ اور روشنی مجھے
 دو، میں کوٹھڑی سے نکال کر لاؤں۔ وہ نیک بخت بہت امین تھی اور انجام بین تھی۔ بولی
 امانت میں خیانت کرنا بہت بُرا ہے۔ انجام اس کا ذلت و خفت کے سوا کیا ہے؟ اگر وہ
 آئے اور اپنی امانت طلب کرے اور نہ پاتے تو پھر کیا ہو، رسوائی حد سے سوا ہے۔

وہ بولا سات برس گزرے اس کا پتہ سے نہ ٹھکانا، کیسا آنا جانا ہے؟ عورت نے ہر چند
 سمجھایا، اس کی سرشت میں بے ایمانی تھی، بالکل سمجھانے میں نہ آیا۔ روشنی اور پیالہ لے کر کوٹھڑی
 کو کھولا، گھرے کو ٹٹولا، طول مدت کے باعث وہ تیل سڑ کر متعفن و خراب ہو گیا تھا۔ ایسی
 بدبو اس میں آتی تھی کہ ناک نہ دی جاتی تھی، مگر اس لٹیم نے گھڑا کھول کر تیل پیالے میں انڈیلا۔
 قضا کار ایک اشرفی بھی تیل کے ساتھ نکل آئی۔ پھر اس نے بے تکلف سب تیل نکال کر
 اشرفیاں چنیں، اپنے کھیسے میں بھریں۔ دوسری کوٹھڑی میں بہت ہوشیاری سے رکھ دیں،
 بڑے کام کا بُرا ہی نتیجہ ہوتا ہے، کیسا ہی نیک ہو بدنام ہوتا ہے۔ تیل وہ سڑ گیا شیطان

کا اس پر سایہ پڑ گیا۔ اشرفیاں نکال کر اور تازہ تیل منگا کر گھڑے میں بھر دیا۔ منہ باندھ کے اسی طرح دھر دیا۔ اتفاقاتِ زمانہ جس شب کو یہ حرکت ہوئی دم سحر بعد نمازِ علیٰ خواجه اس کے مکان پر آیا۔ بعد ذوقِ شوق امانت طلب کی، اس نے کئی سامنے پھینک دی کہ جہاں رکھ گئے ہو وہاں سے جاؤ۔

علیٰ خواجه نے کوٹھڑی کو کھولا، جہاں گھڑا رکھا گیا تھا وہیں پایا۔ اپنے مکان پر اٹھا لایا، یہاں کھول کے جو دیکھا تو تیل موجود ہے مگر اشرفیوں کا نشان مفقود ہے۔ علیٰ خواجه اُسے پاؤں اس کے پاس واپس آیا، کل حال سنایا۔

وہ بولا سبحان اللہ! خوب کیسے گئے تھے، حاجی ہو کے نہ آتے نہ ایسا بہتان لگاتے۔ خوب چچ کر کے آئے گویا آسمان پر چڑھ آئے۔ بے ایمانی دو چند ہوئی، زیارت کچھ نہ سود مند ہوئی۔ یہ تو بتائیے کہ مجھ کو تیل دے گئے تھے یا اشرفیوں کا کچھ ذکر کیا تھا؟ اچھا اٹا دھرا پانڈھا۔ علیٰ خواجه نے بہ منت کہا کہ میری تمام عمر کی کمائی ہے جس پر یہ آفت آئی ہے۔ اگر عند الضرورت صرف ہو گئی ہوں تو بتدریج دے دینا، انکار تو نہ کرو۔ عاقبت کے مواخذہ سے ڈرو۔

ہر چند اس تاجر حاجی نے بہت کچھ شور و غل مچایا۔ تمام اہل محلہ کو یہ سانحہ سنایا، مگر اس پاجھی نے دم نہ مارا، اٹا اسی کو بے ایمان بنایا۔ غرض یہ خبر چار سو مشہر ہوئی۔ ہر کس و ناکس کو خبر ہوئی۔ آخر قاضی تک نوبت آئی۔ اس نے گواہ طلب کیے۔ علیٰ خواجه نے کہا، مجھ کو اس کا بڑا اعتبار تھا، برسوں کا یار تھا۔ اس وقت قاضی نے اس دعا باز کو قسم کھانے کو کہا، وہ حرام خور بے تکلف قسم کھا گیا۔ قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، مدعی کو جواب دے دیا۔

بادشاہ بغداد ہارون الرشید نیک نہاد تھا، نمازِ جمعہ کو وہ سوار ہوا، علیٰ خواجه نے راہ میں عرضداشت گزار سی۔ بعد ملاحظہ حکم ہوا صبح کو مدعی مدعا علیہ دونوں در دولت پر حاضر ہوں۔ ہم بذاتِ خود اس کا فیصلہ کریں گے۔ شب کو موافق معمول لباس تبدیل کرنے کے شہر کا حال دریافت کرنے جو نکلا ایک محلہ میں دس بارہ لڑکے چاندنی میں کھیل رہے تھے خلیفہ ہارون رشید

کھڑ گیا۔ ایک لڑکا ان میں خوبصورت اور ہوشیار تھا، وہ کہنے لگا کہ ہم تم مل کر قاضی کی نقل کریں۔
 میں قاضی بنتا ہوں تم کسی کو علی خواجہ اور کسی کو تاجر بغدادی بنا کے ہزار اشرفی دعویٰ کرو۔ میں
 اس قحطے کا فیصلہ کروں گا، جھگڑا چکا دوں گا، سر مو کسی کی رعایت نہ کروں گا۔

خلیفہ نام علی خواجہ تاجر بغدادی کاسن کے متیجر ہوا۔ کہ کل اسی مضمون کی عرضی راہ میں
 کسی نے گزرائی ہے اور میں نے اس کو پڑھا ہے۔ متخاصمین کا یہی نام ہے۔ دیکھو اس مقدمہ
 کے فیصلہ میں اس لڑکے کی تجویز کا کیا انجام ہے۔

غرض کہ خلیفہ مشتاق ہو کر لڑکوں کی نقل دیکھنے لگا۔ اور اپنے دل میں تصور کرتا تھا کہ یہ
 مقدمہ شہر میں اس درجہ مشہور ہوا ہے کہ بچے تک لہو و لعب میں اس کی نقل کرتے ہیں بہر کیف
 ان اطفال میں سے ایک کو علی خواجہ مدعی اور دوسرے کو تاجر بغدادی مدعا علیہ قرار دے کر
 رو برو اس لڑکے کے جو قاضی بنا تھا اور بڑی عظمت و شان سے مسندِ قضا پر تن کے بیٹھا تھا۔
 پیش کیا۔ اس مصنوعی قاضی نے فرضی علی خواجہ سے پوچھا۔

تو کیا دعویٰ اس سوداگر پر رکھتا ہے؟

علی خواجہ نے بہ تفصیل اپنے دعوے کو بیان کیا۔ مصنوعی قاضی نے دعویٰ مدعی کاسن
 کے اس سوداگر سے پوچھا کہ تو نے اس کی اشرفیاں کیا نہیں دیں؟
 اس فرضی تاجر نے وہی جواب دیا جو اصل سوداگر نے قاضی شہر کے سامنے بیان کیا تھا
 اور حلف اٹھانے پر مستعد ہوا۔

جعلی قاضی نے کہا، قبل اس کے کہ تم حلف اٹھاؤ میں اس برتن کو دیکھنا چاہتا ہوں،
 جس میں مدعی نے روغن زیتون بھر کے تیرے گھر میں رکھا تھا۔ پھر علی خواجہ مصنوعی سے کہا
 جلد اس ٹھلیا کو حاضر کر۔

علی خواجہ مصنوعی نے وہ گھڑا پیش کیا۔ اس فرضی قاضی نے بتکرار دونوں متخاصمین
 سے تصدیق کی کہ تم خوب پہچانتے ہو یہ وہی ٹھلیا ہے جس کو مدعی مدعا علیہ کے گھر رکھا گیا تھا۔
 ان دونوں نے اقبال کیا کہ بے شک یہ وہی سبوت ہے۔

پھر قاضی نے اسے کھلوا یا اور کہا۔ ذرا سا روغن میرے پاس لاؤ، تاکہ ذائقہ دریا

کروں کہ امتدادِ زمانہ سے مزے میں فرق آگیا ہے یا منتعفن ہو گیا ہے۔ غرض کہ فرضی قاضی نے قدرے روغنِ زبان پر رکھا۔ کہنے لگا یہ نیا ماہر ہے۔ سات برس کا زمانہ گزرنا تیل کا ذائقہ نہیں بدلا۔ کوئی حاضر ہے۔ دو روغنِ فروشوں کو بازار سے لاؤ۔ انہیں میں کے دولہ کے روغنِ فروشوں بن کر سامنے آئے اور مودب ہو کر تسلیم بجالائے۔

قاضی نے پوچھا تم کیا پیشہ اختیار کرتے ہو؟

انہوں نے کہا ہم خرید و فروختِ روغنِ زیتون کی کیا کرتے ہیں۔ قدیم سے ہمارا یہی روزگار ہے پھر سوال کیا کہ روغنِ زیت کتنی مدت تک اچھا رہتا ہے اور بد ذائقہ نہیں ہوتا؟

مصنوعی روغنِ فروش بولے، پیر و مرشد کیسی ہی احتیاط سے رکھا جاتے ہیں سال کے بعد اس کے رنگ و بو میں فرق آجاتا ہے، بوند بھر زبان پر نہیں رکھا جاتا بلکہ بھینک دیا جاتا ہے۔ پھر مصنوعی قاضی نے حکم دیا کہ اس ٹھکیا میں جو روغن ہے اس کو چکھ کر تجویز کرو کہ کتنی مدت کا ہے اور کیسا مزہ ہے اس کا؟

فرضی روغنِ فروشوں نے جھوٹ موٹ اس ٹھکیا میں روغنِ زیت نکال کے دیکھا اور دیکھ کر کہا خداوندِ نعمت یہ تیل تازہ ہے، انتہا یہ کہ سال بھر گزر رہو گا، قاضی نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو علیٰ خواجہ کو سات برس ہو گئے کہ اس روغن کو اسی ٹھکیا میں رکھ کر حج کعبہ کو گیا تھا، فرضی روغنِ فروشوں نے کہا:

حضورِ جبریا ہیں فرمائیں مگر یہ روغن ایک برس سے زیادہ کا ہرگز نہیں، اسی سال کا نیا ہے کوئی تاجر بغداد میں نہیں کہ جو اس بات کو جانتا ہو، چنانچہ اس تاجر نے بھی جو مدعا علیہ بنا تھا اس روغن کو سونگھ کر اور زبان پر رکھ کر اس امر کا اقرار کیا۔ تب فرضی تاجر سے کہنے لگا:

اے ملعون! تو سخت دغا باز و مکار اور بڑا جفا کار ہے، تو نے یہ فریب کیسا کیا، اگر زیت تجھے درکار ہے تو جو امر درست ہو اس کا اظہار کر، اپنی خطا کا اقرار کر، وگرنہ تجھ کو پھانسی کا سزاوار کروں گا۔ تیرے لہو میں اپنا ہاتھ بھروں گا، جہنمِ واصل ہو گئے زندہ نہ بچو گے۔ یہ سن کر وہ تھرا یا اور ایسا رعب چھایا کہ اس نے اشرفیاں نکال لینے اور تیل بدلنے کا اقرار کیا، عقو کا خواستگار ہوا۔

لڑکے یہ سن کر تالیاں بجانے لگے، کوونے لگے، اس لڑکے کو جسے سو داگر بغدادی قرار دیتا پکڑ کر حوالات میں لے گئے۔

خليفة ہارون پہ معاملہ دیکھ کر سخت متحیر ہوا۔ جعفر سے کہا تو نے اس لڑکے ذہن کی رسائی اور طبیعت کی زور آزمائی دیکھی۔ اس لڑکے کو پہچان رکھ اور محلے کا خوب دھیان رکھ، دم سحر تخت عدالت پر جب جلوہ افروز ہوں گا ان لڑکوں کو بھی میرے سامنے لانا ہوگا۔ علی خواجہ اور تاجر بغدادی کا اسی کی رائے سے قصہ چکانا ہے، اور قاضی شہر بھی حاضر ہو کر فیصل کرنا اس بچے سے سیکھے۔ بزرگی بعقل نہ برسال، نر اسند کا گدھانہ بنا رہے، اور مدعی سے کہلا بھیج کہ کل وہ ٹھلیا بھی اجلاس میں اپنے ہمراہ لیتا آوے۔ اور شہر کے دو چار روغن فروش بھی حاضر رہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید پر سب احکام راہ میں وزیر کو دے کہ اپنے محل میں داخل ہوا۔ جب مرغ سحر نے اذان دی اور نمازیوں نے نماز سحر ادا کی، طائران خوش الحان نے حمد و ثناء خدائے تعالیٰ میں زبان کھولی۔ اور مسجدوں میں اذان ہونے لگی۔ شہر زادے سکوت اختیار کیا۔ بادشاہ ذی جاہ نے قصد دربار کیا۔ تمام دن کاروبار سلطنت میں مشغول رہا۔ بعد پر خاست دربار شہر بار خلوت میں داخل ہوا۔ شہر زاد کا مطلب حاصل ہوا۔ قصہ خوانی شروع ہوئی۔ شہر زاد نے پہلے مدح خوانی کی پھر یوں طبع آزمائی کی :

صبح کو وزیر جعفر اس محلے میں گیا جہاں نے قاضی کی نقل کی تھی، معلوم ہوا، سب لڑکے اپنے گھر موجود ہیں۔

وزیر نے ان کے بالوں کو بلایا اور کہا اپنے اپنے لڑکوں کو جلد حاضر کرو۔ چنانچہ دم پھر میں سب لڑکے حاضر ہو گئے۔ وزیر نے ان سے پوچھا کہ تم میں سے کل کس لڑکے نے قاضی بن کر علی خواجہ کا مقدمہ فیصل کیا تھا؟

سب بڑے لڑکے نے کہا، میں قاضی بنا تھا۔ وزیر نے کہا کہ میرے ساتھ چل، خلیفہ نے تجھے باو فرمایا ہے۔ والدین اس لڑکے کے ڈر گئے اور رونے لگے۔ وزیر نے ان کو تسکین کی۔ جب وہ مشغول ہو گئے تو اس لڑکے کی ماں نے اپنے بیٹے کو عمدہ کپڑے پہنا کر وزیر کے ہمراہ کر دیا۔ وزیر نے خلیفہ کے حضور میں حاضر کیا۔

خلیفہ نے وقتِ اجلاس کے اس لڑکے کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ جب متخاصمین حاضر ہوئے اور مقدمہ پیش ہوا خلیفہ نے ان سے فرمایا، تم ہر ایک اپنا حال اس لڑکے سے کہو یہی تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا۔ علی خواجہ اور تاجر بغدادی نے اپنا اپنا حال اس لڑکے سے ظاہر کیا اور وہ سوداگر بعد انکار مستعد قسم کھانے پر ہوا۔

اس لڑکے نے کہا، ابھی قسم کھانا ضروری نہیں پہلے اس ٹھیلیا کو حاضر کرو، چنانچہ وہ سبوچہ روغن زیتون پیش ہوا۔

خلیفہ نے اس کا منہ کھلوا کر روغن کو چکھا اور روغن فروش جو حاضر تھے ان کو بلا کر چلیا یا ان سب نے بالاتفاق کہا کہ مزا اس روغن کا بگڑا نہیں، اسی سال کا ہے۔ تب اس لڑکے نے ان سے کہا تم خلاف کہتے ہو اس وجہ سے کہ علی خواجہ نے اس کو سات برس پہلے ہی کہ اس طرف میں بھڑکے رکھا ہے۔ ایک برس کا روغن اس میں کہاں سے آگیا ہے؟ روغن فروشوں نے بعینہ وہی جواب دیا جو ان فرضی روغن فروشوں نے کھیلنے کے وقت دیا تھا۔ آخر اس سوداگر بغدادی نے قائل ہو کر اپنے قصور کا اقرار کیا۔ اس لڑکے نے خلیفہ سے عرض کیا:

خداوند ہم نے کل آپس میں کھیلنے وقت یہ نقل کی تھی، ہم کو مقدور مجرم کے سزا دینے کا نہ تھا۔ یہ مقدمہ آج حضور میں فیصل ہوا۔ اس کو سزا دے کہ ہزار اشرفی اس سے علی خواجہ کو دلا دیجئے کہ اس کا حق ثابت ہوا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس سوداگر کو پھانسی دو اور اس سے پوچھو کہ ہزار اشرفی علی خواجہ والی کہاں ہے؟ جہاں بتائے وہاں سے نکال کر علی خواجہ کے حوالے کرو۔ اور اس لڑکے کو گلے سے لگا کے ہزار روپیہ مرحمت کیا اور سچا نطت گھر پہنچا دیا۔

ماخذ

الف سید

آغانی کا ہارون رشید

آغانی کا ہارون رشید بھی اتنا ہی سحر طراز ہے جتنا الف لیلا کا ہارون رشید منظر آتا ہے۔ ہارون کو زندہ جاوید بنانے میں الف لیلا اور آغانی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ کتاب عربی لٹریچر کا لعل شب چراغ ہے۔ یہ ظاہر یہ داستانوں اور روایتوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن حقیقتاً اموی اور عباسی عہد حکومت کے صفحات کی تصویر گویا ہے۔ آغانی عربی زبان میں کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے، جب تک عربی زبان زندہ ہے یہ کتاب بھی زندہ رہے گی۔ عربی ادب اور لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والا کوئی شخص آغانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

ذیل میں آغانی کے ہارون کا تعارف آغانی ہی کی روایتوں سے کرایا جاتا ہے۔ صرف چند روایتیں بھی ہارون کو، اس کے عہد کو اور اس عہد کی بھرپور زندگی کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

(۱)

ابراہیم موصلی اور ہارون

حماد بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے میرے دادا سے ایک کینز خریدی جس کی قیمت ۶۳ ہزار دینار تھی۔ کینز خلیفہ کے پاس ایک رات رہی۔ ہارون نے فضل بن ربیع کو حسب ذیل خط لکھا:

”ہم نے یہ کینز ابراہیم سے خریدی ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ کینز ویسی نہیں جیسا ہمیں گمان تھا، نہ ہمارے مذاق کے مطابق ہے، اس کی قیمت میرے اوپر گراں گزر رہی ہے۔ تمہارے ادا ابراہیم کے درمیان دوستی ہے، تم ذرا اس کے پاس چلے جاؤ اور اسے آمادہ کرو کہ چھ ہزار دینار کم کر دے“

فضل یہ حکم پاتے ہی ابراہیم کے پاس گیا۔ اندر جانے کی اجازت طلب کی، میرے دادا فوراً باہر نکل آئے اور گرم جوشی سے ملاقات کی۔ فضل نے کہا۔ اس تکلف کو چھوڑیے ہمارے آپ کے درمیان کوئی معاشرت تو ہے نہیں۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو فریب کار ہوتے ہیں، میں تمہارے پاس ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں جس کے بارے میں مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ پھر فضل نے ابراہیم سے سارا ماجرا کہا۔ ابراہیم نے کہا خلیفہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری نگاہ میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔ فضل نے کہا اس کا ارادہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ابراہیم نے کہا میں اپنا سارا مال و متاع مساکین میں تقسیم کر دوں اگر خلیفہ کی فرمائش کا دو گنا نہ گھٹا دوں۔ اس نے چھ ہزار کہا ہے نا، میں بارہ ہزار گھٹانے دیتا ہوں۔ فضل خلیفہ کے پاس گیا اور اُسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔

خلیفہ نے کہا ”میں نے اپنی رعایا میں سے کسی فرد کو اتنا شریف طبیعت نہیں پایا اُسے یہ سارا مال واپس لے دو۔“

میرے والد نے مجھ سے کہا ”میں تمہارے دادا (ابراہیم) کے پاس آیا، میں نے کہا آپ نے اتنی قیمت گھٹا دی یہ کوئی کم مالیت تو تھی نہیں۔ والد نے میری بات سے نفاقاں بڑھاتا پھر کہا، تم ہو بیوقوف، میں لوگوں کی ذہنیاتوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میں ساری قیمت لے لیتا تو اس صورت میں لیتا کہ وہ ناگواری کے ساتھ ادا کرتا اور یہ میرے لیے بُرا ہوتا اور میری قدر اس کی نگاہ میں گھٹ جاتی۔ لیکن تخفیف کر کے میں نے فضل پر اور خلیفہ پر احسان کر دیا۔ اس کی طبیعت خوشی ہو گئی وہ مسرور ہو گیا، اُس کی نظر میں میری وقعت بڑھ گئی اور میاں میں پھر بھی نفع میں رہا، یہ کینز میں نے چالیس ہزار درہم پر

خریدی تھی۔ قیمت لی میں نے چوبیس ہزار دینار،
 جب ابراہیم کے پاس خزانہ خلافت سے کنیز کی قیمت آئی تو وہ پوری تھی۔ اس میں کمی
 نہیں کی گئی تھی، اس نے مجھے بلایا اور کہا:
 ”کہو میاں اسحاق، دیکھا تم نے، میں دورانہ پیش ہوں یا تم، میں نے کہا ابا جان آپ
 خدا مجھے آپ پر قربان کرے۔“

(۲)

شاعر کی سخاوت

ابن منذر بیان کرتے ہیں کہ خاندانِ برمک کو تباہ و برباد کرنے کے بعد خلیفہ ہارون رشید
 ایک مرتبہ حج کرنے پہنچا، اس کے ساتھ فضل بن یحییٰ بھی تھا۔ فضل بڑا مہمان نواز اور فضول
 شہرچ آدی تھا۔ میں نے ارادہ کیا خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے کچھ کہوں۔ ترویہ کے دن میں اس
 کے حضور میں پہنچا، وہ خود بھی مجھے کئی دفعہ پوچھ چکا تھا۔ قبل اس کے کہ میں لب کشائی کروں
 فضل نے پیش قدمی کی اور کہا۔

امیر المومنین یہ برمک کا خاص شاعر ہے، اُن کی مدح و تعریف میں اس نے خوب خوب
 کہا ہے۔ جب میں خلیفہ کے سامنے پہنچا تھا تو میں نے دیکھا تھا اس کے چہرہ سے خوشی ظاہر
 ہو رہی تھی۔ فضل کی باتیں سن کر اس کے پہرے پر خشکی دور گئی۔

ابن منذر فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے۔ علم لغت کا ماہر تھا اور اہل حیات میں بہت
 عبارت گزرتھا، ہر وقت مسجد میں پڑا رہتا تھا، جب دیکھتے تھے نفاق لڑھک رہا ہے، پھر زندگی کا
 رُخ بدل گیا۔ اب لوگوں کی ہجو کرنے لگا، اہل بصرہ پر خوب خوب چوٹیں کدی، آخر وہاں سے
 نکال دیا گیا پھر حجاز پہنچا، ماموں کے عہد میں وفات پائی

فضل نے کہا، امیر المومنین اسے حکم دیجئے کہ وہ قصیدہ جو "اتانا بزالاملاک من آل برمک" سے شروع ہوتا ہے، سنائے۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ سناؤ

میں نے انکار کیا

خلیفہ نے برہمی کے ساتھ اصرار کیا، آخر میں نے سنانا شروع کیا:

ہمارے پاس آل برمک کے شہزادے آتے۔ یہ خبر کتنی اچھی ہے

اور یہ منتظر کس قدر دلکش ہے۔

یہ لوگ جب بطحا میں وارد ہوئے

تو یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر سے وہ جگمگا اٹھا

بغداد تازیک ہو گیا، ہمازی تاریکی روشن ہو گئی۔

جب کہ ان تین چاندوں نے سج کیا۔

یہ اشعار کہہ کر میں ٹھے دست بستہ عرض کیا، یا امیر المومنین آل برمک جب آپ کے رفیق

اور خدمت گزار تھے تب میں نے ان کی مدح کی تھی، ان کی مدح و توصیف میں میں منفرد

نہیں ہوں، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے سایہ عاطفت میں مجھے پناہ دی، فکرو دنیا سے

مجھے بے نیاز کیا، مجھ پر احسانات کیے۔

ہارون نے غلام کو حکم دیا اس کے منہ پر چائے لگاؤ۔ میری خوب مرمت کی گئی۔ پھر کہا

خدا کی قسم تجھے مزا چکھاؤں گا۔ کسی کی کیا مجال ہے جو تجھے کچھ بھی دے سکے، پھر اس نے

گھسٹوا کر مجھے نکلوا دیا۔

(۳)

ہجو کا العام

ربیعہ رقی نے عباس بن محمد کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ ایسا بہتر عقیدہ اس نے

زندگی میں شاید ہی کسی کے لیے کہا ہو۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

ترجمہ: دُنیا کے شہریار جب کسی شہر میں جمع ہوں تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ گویا ستارے

ہیں اور تو ان کے درمیان اس طرح بگمگاتا ہے جیسے چاند۔

ربیعہ توقع کرتا تھا کہ اسے کم از کم دو ہزار دینار انعام میں ملیں گے، مگر عباس بن محمد نے

اس قصیدہ کا صلہ کیا بھیجا؛ صرف دو دینار۔

جب ربیعہ کی نظر ان دو دیناروں پر پڑی تو مارے غصے کے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے قاصد

سے کہا:

یہ دینار تمہیں دیتا ہوں، تم نے لو اور دیکھو اس رقعہ کی پشت پر جو کچھ لکھا ہے وہ کسی

طرح عباس تک پہنچا دینا۔ ربیعہ نے رقعہ میں لکھا تھا:

میں نے تیری مدح کی جیسے مرقع تلوار ہوتی ہے تاکہ وہ بھی وہی مقام حاصل کرے

جو میرا ہے لیکن تو ایسا آدمی ہے جو وفا ہے نا آشنا ہے، میں نے جو تیری مدح کی وہ غلط

سخنیں کی وہ افتراتا تھا، تیری مدح کر کے میں نے اپنے کمال کو بڑھ لگایا۔ تیری مدح میں نے

کی گویا زنا کا جرم کیا۔

عباس کی اس رقعہ پر نظر پڑی، اٹھایا، پڑھا غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اسی وقت

گھوڑے پر سوار ہوا اور ہارون رشید کے پاس پہنچا، ہارون اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اس

کا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرے۔ اس نے جو اسے برا فرختہ مزاج دیکھا

تو پوچھا:

”کیا بات ہے؟“

ربیعہ نے میری بھوکی ہے، اس نے جواب دیا۔

فرار ربیعہ بابِ خلافت پر طلب کیا گیا خلیفہ نے کہا ”کیوں تک حرام تو نے عباس کی

بھوکی ہے میں محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔“

ربیعہ نے کہا: خدا کی قسم یا امیر المؤمنین! میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا

ایسا قصیدہ کہ کسی شاعر نے خلیفہ کی مدح میں بھی نہ کہا ہوگا۔ میں نے ان کی تعریف میں پورے

مبائے سے کام لیا اور ان کے اوصاف کھول کھول کر بیان کیے۔ اگر امیر المومنین کو یقین نہ ہو تو میرا قصیدہ منگوائیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ خلیفہ نے عباس کو حکم دیا کہ ربیعہ کا قصیدہ منگوا لیا جائے، اس لیے کہ اب اسے بھی قصیدہ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا ہے۔

عباس نے انا کافی کی۔ رشید نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں رقعہ فوراً منگواؤ۔ عباس نے محسوس کیا اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ رقعہ منگایا گیا۔ ہارون رشید نے دیکھا تو وہی کچھ پایا جو ربیعہ نے کہا تھا۔ اس نے قصیدہ کی بہت تعریف کی اور کہا،
 «خدا کی قسم کسی شاعر نے کسی خلیفہ کی بھی اتنی پر زور مدح نہ کی ہوگی۔ ربیعہ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا، پھر وہ عباس سے مخاطب ہوا۔ تم نے اس کا کیا صلہ دیا؟
 ربیعہ نے دخل دیا: امیر المومنین! اس قصیدہ کے صلہ میں انہوں نے مجھے دو دینار بھیجے اسی سے میں برا فروختہ ہوا۔

خلیفہ کو یقین نہ آیا۔ اس نے کہا۔ ربیعہ میں تمہیں اپنی زندگی کی قسم دیتا ہوں، سچ پر سچ بتاؤ۔

ربیعہ نے کہا امیر المومنین کی زندگی کی قسم ان کے دو دیناروں نے مجھے برا فروختہ کیا۔ اب رشید کو بہت غصہ آیا۔ اس نے گھور کر عباس کو دیکھا اور کہا۔ کیوں تم نے اسے خفا کیا۔ تمہیں مال کی کمی ہے۔ میں نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ یہ تمہارے چھوڑے ہوئے پینے کا نتیجہ ہے جس کے تم خود ذمہ دار ہو۔ تم نے اپنے آباؤ اجداد کو ذلیل، مجھے خفیف اور اپنے تئیں رسوا کیا۔

پھر خلیفہ اپنے غلام سے مخاطب ہوا۔ اسے حکم دیا کہ ربیعہ کو تیس ہزار درہم فوراً دیے جائیں۔ بیش قیمت خلعت بھی دیا جائے۔ پھر رشید نے مجھ سے کہا۔ اب اس واقعہ کا تعریفاً یا تھر سجا کسی طرح کا ذکر نہ کرنا۔

میں یوں نوازا گیا اور عباس کو یہ سزا ملی کہ ان کی لبت خلیفہ کی صاحبزادی سے ٹوٹ گئی۔ اور وہ خلیفہ کی منظروں سے گر گئے۔

پہ توڑی اور کینہ زوری

حماد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خدا کی مخلوق میں محمد الزنن فن غنا کا بہت بڑا ماہر تھا، جو راگ کسی سے ایک مرتبہ سن لیتا ازبر کر لیتا۔ جب وہ آنکلتا ہم لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔ کوئی شخص ہمارا راگ حاصل کرنا چاہتا تو محمد الزنن سے التجا کرتا۔ یہ حضرت ایک دفعہ کسی طرح سن لیتے تو وہ راگ ان کا ہو جاتا۔ اور اسے سکھا دیتے۔ میرے والد کا تو یہ حال تھا کہ انہیں جو انعام یا تحفہ ملتا اس میں وہ محمد کا حصہ ضرور رکھتے تھے۔ اس جن سلوک کے پیش نظر ان کے راگ کو وہ ایک مضبوط قلعہ تصور کرتا تھا۔ جن کے قریب بھی وہ نہیں پھٹکتا تھا۔ لیکن ابن جامع کی تاک میں وہ ہمیشہ رہتا تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنے راگ کے معاملے میں بے حد بخیل تھا۔

ایک روز رشید کو ابن جامع نے اپنا ایک خاص راگ اس شعر پر سنایا۔
وہ ہجر کا معاملہ ہو تو بہادر وصل کا معاملہ ہو تو بزدل، اس کا وعدہ فردا کبھی پورا نہیں ہوتا۔
یہ راگ وہ خوب گایا۔ میں نے محمد کو اشارہ کیا کہ یہ راگ سننا چاہئے۔

تھوڑی دیر کے بعد نماز کے لیے اٹھا۔ محمد الزنن کو بھی اشارہ سے میں نے بلا لیا۔ وہ آگیا، پھر میں نے منارق، علویہ اور عقید کو بھی بلا لیا۔ یہ بھی آگئے۔ میں نے محمد سے کہا، ابن جامع کا راگ تو سناؤ۔ اس نے اس کا چربہ اتارا، ایسا گویا خود ابن جامع گارہا ہے وہ برابر گاتا رہا، یہاں تک کہ ہماری پوری ٹکری نے سیکھ لیا، اس کے بعد میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔

جب میرے گانے کی باری آئی، میں نے سب سے پہلے وہی دھن ابن جامع والا

چھیڑی۔ اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ پھر خلیفہ محمد سے مخاطب ہوا۔

”کیا تم یہ راگ کا سکتے ہو؟“

میں نے کہا ”کیوں نہیں“

ابن جامع نے کہا ”بالکل جھوٹ، اس نے ابھی ابھی میرے ہی راگ کا چہرہ اتارا ہے“

میں نے کہا ”اچھا یہ بات ہے۔“

پھر میرے اشارے کے مطابق علویہ، عقید اور مخارق نے بھی وہی راگ گایا۔

اب ابن جامع سے نہ رہا گیا۔ وہ اچھل پڑا، خلیفہ کے سامنے پہنچا۔ کہنے لگا۔

”میں اپنی زندگی کی قسم کھاتا ہوں، اگر میں غلط کہتا ہوں تو میری بیوی کو طلاق یہ

راگ صرف تین دن ہوئے ہیں نے ایجاد کیا ہے۔ اس وقت کے علاوہ کسی کو اس کی ہوا بھی

مہیں لگی۔“

خلیفہ میری طرف مخاطب ہوا۔

”اچھا اب سچ سچ بتا دو۔“

میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

خلیفہ بے تماشاً ہنسنے لگا، تالیاں بجاتا اور کہتا،

”ہر شخص کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہی رہتا ہے۔ ابن جامع کی بلا محمد الزلف ہے۔“

(۵)

راگ کی چوری

ایک روز خلیفہ ہارون رشید نے اپنے وزیر جنفر برہکی سے کہا۔ ایک طویل مدت گزر گئی،

اپنے مخصوص مغنیوں کا گانا ہم سن رہے ہیں، طبیعت اکتا گئی۔ آؤ ہم لوگ آپس میں چند

گوتیوں کو بانٹ لیں۔ ہر گوتیے کے مقابلے میں ایک گویا رکھا جائے۔ پھر دیکھیں کون بازی

لے جاتا ہے۔

اس اقرار کے مطابق ابن جامع خلیفہ کے حصہ میں پڑا۔ اور ابراہیم موصلی جعفر کے پتے میں۔ دربار کے سربراہ اور وہ اصحاب ان دونوں کا امتحان کرنے پر مامور ہوئے۔ ہارون نے ابن جامع کو حکم دیا۔ اس نے ایک راگ سنایا اور ایسا سنایا کہ ساری مجلس پر سناٹا چھا گیا رشید بے انتہا خوش ہوا۔ ابراہیم موصلی سے کہا اب تم یہی راگ سنا سکتے ہو؟ ابراہیم بولا: نہیں امیر المؤمنین میں یہ راگ نہیں جانتا۔

رشید نے جعفر سے کہا۔ یہ پہلی شکست تمہیں ملی۔ پھر اسماعیل بن جامع کو حکم دیا۔ شروع کر۔ اب ابن جامع نے دوسرا راگ الاپا۔ یہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ برتر اور بہتر تھا۔ رشید نے ابراہیم سے کہا۔ اسے گاؤ گے!

ابراہیم نے معذرت کی۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا، تمہیں دو ہزیمتیں اٹھانا پڑیں۔ ابن جامع تیسرا راگ شروع کرو۔

اب پھر ابن جامع نے شروع کیا۔ یہ تیسرا راگ پہلے راگوں سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تھا۔

خلیفہ نے کہا ابراہیم اب کیا کہتے ہو؟

ابراہیم نے پھر معذوری ظاہر کر دی۔

جعفر نے ابراہیم سے کہا، کم بخت تو نے مجھے ذلیل کیا۔

خلیفہ نے ابن جامع کو بہت سے انعامات و تحائف عطا کیے، خلعتِ فاخرہ دیا۔

ابراہیم سرنگوں بیٹھا یہ سرفرازیوں و بختاریاں یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی۔

ابراہیم اپنے گھر پہنچا اور اسی وقت آدمی بھیج کر محمد الزنف کو بلوایا۔ یہ بھی بہت اچھا

گویا تھا۔ اور دوسروں کے راگ تابڑ توڑ نقل کرنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ ایک مرتبہ کوئی

راگ کسی کاسن لے بس وہ حفظ۔ رشید کسی بات پر اس سے خفا تھا۔ اس لیے اس کو اس

کے گھر منظر بند کر دیا تھا۔ ابراہیم نے محمد سے کہا۔ میں نے تمہیں ایک خاص کام کے لیے

منتخب کیا ہے۔ تمہارے سوا کوئی اسے نہیں کر سکتا۔ کہو کیا کہتے ہو؟ کرو گے؟

اس نے کہا آپ کی محبت اور شفقت مجھ سے ہر کام کر لے گی۔ ابراہیم نے اسے سارا ماجرا سنایا۔ اور کہا میں چاہتا ہوں تم اس وقت ابن جامع کے پاس جاؤ اور اس پر ظاہر کرو کہ مجھ پر اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس پر مبارکباد دینے آیا ہوں۔ پھر میری خوب برائیاں کرنا۔ جہاں تک ہو سکے گن گن کر میرے عیوب بیان کرنا۔ جب وہ ڈھڑے پر آجائے تو اس کے خاص راگ اس سے سنو۔ انہیں بوزبان کر لو پھر جو کچھ مال و دولت مجھ سے چاہو گے میں دوں گا، خلیفہ کو بھی تم سے راضی کر دوں گا، یہ میرا ذمہ ہے۔

ابراہیم سے پٹی پڑھ کر محمد، ابن جامع کے ہاں روانہ ہوا، وہاں پہنچا، سلام کیا اور کہا مجھے آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا، بے حد مسرت ہوئی، مبارکباد دینے حاضر ہوا ہوں۔ خدا کا شکر ہے اس نے آپ کے ہاتھوں ابراہیم کو ذلیل کیا۔ ابن جامع نے کہا۔

”تمہیں یہ خبر مل چکی ہے؟“

”سارے شہر میں پھیل چکی ہے۔“

”ابراہیم تو اب منظروں سے گر گیا ہو گا؟“

”بالکل۔“

محمد نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا: استاد کچھ مجھے بھی سنائیے، میرے کان بھی کچھ آپ کی زبان سے سن لیں، تاکہ مجھے یہ شرف حاصل ہو جائے کہ میں نے آپ کو سنا ہے۔ آپ سے روایت کرتا ہوں، میرا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے۔

ابن جامع یہ باتیں سن کر پھول گیا۔ خوشی کے مارے محمد الزف کو کھانا کھلایا۔ بہترین شراب پلائی، خود بھی پی، پھر ترنگ میں آکر اپنا راگ سنایا۔ محمد بھی اس کی نئے میں نئے ملنے لگا۔ یہاں تک کہ اسے ازبر کر لیا۔ پھر دوسرے راگ کی فرمائش کی۔ اسے بھی یاد کر لیا۔ پھر تیسرے کی فرمائش کی اور اسے بھی یاد کر لیا۔ اس کے بعد اس نے کہا:

”استاد میری آرزو پوری ہوئی اب اجازت ہو تو میں جاؤں۔“

محمد الزف ابن جامع کے ہاں سے نکل کر سیدھا ابراہیم کے ہاں پہنچا، اس نے پوچھا

”کہو کیا خبر لائے؟“

”جو آپ چاہتے تھے“

محمد نے ایک ایک کر کے تینوں راگ سنا دیے۔ ابراہیم نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، محمد تو اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن ابراہیم خلیفہ کے دربار میں پہنچا۔ جب گویوں کی طلبی ہوتی تو یہ بھی پہنچ گیا۔

خلیفہ نے کہا: اب بھی تم اپنے آپ کو اپنی جگہ کے مستحق سمجھتے ہو؟ حالانکہ ابن جامع سے ہار چکے ہو؟ تم کو کم سے کم ایک مہینہ تک گھر سے باہر نہ نکلنا چاہئے تھا۔
”اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟“
”کہو!“

”میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ کو کسی بات میں خوش رکھوں اور پھر اس کے خلاف کروں۔ میں جانتا تھا ابن جامع آپ کے حصے میں آیا تھا، پھر میں کیسے برابر ہی کرتا۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی راگ ایسا نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں۔“
خلیفہ نے کہا یہ باتیں چھوڑو، ابھی کل تو تم اپنی نارسانی کا اعتراف کر چکے ہو، اگر وہ غلط تھا تو اب سہی۔ سنا تے ہو؟“

ابراہیم، ابن جامع کے راگ کو الاپنے لگا۔ ابن جامع بڑھی توجہ سے کان لگائے سن رہا تھا۔ اب اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ کہنے لگا میں حلف اٹھاتا ہوں کہ ابراہیم نے نہ یہ راگ خود ایجاد کیے ہیں نہ کسی سے سُنے ہیں۔ میرے سوا ان کا کوئی بھی جانتے والا نہیں ہے۔“
ابراہیم نے کہا: امیر المومنین سچ تو یہ ہے کہ میں نے ابن جامع کو اسی کے داؤں سے زیر کیا ہے، میں نے اس کے پاس محمد الزن کو بھیجا اور اُسے اس بات کی ضمانت دی کہ اگر وہ ابن جامع کو چرکا دے کر اس کے راگ یاد کر لایا اور مجھے ویسے ہی سنا دیے تو میں امیر المومنین کو اس سے راضی کر دوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، میں نے اس سے یہ راگ حاصل کر لیے۔ ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ راگ بہت قدیم زمانہ کے ہیں۔ میں انہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔“
رشید نے کہا: ابراہیم تم نے سچ کہا، پھر اس نے محمد زن کو طلب کیا اور اس کی خطا معاف کر دی۔

ابراہیم نے کہا، "اگر مجھ پر یہ لازم آتا ہے کہ میں ابن جامع کے ہر راگ کو جانوں تو اس پر بھی یہ لازم آتا ہے کہ میرا راگ جانے، اسی طرح ہر گویے کو ایک دوسرے کے راگوں کا عالم ہونا چاہیے۔ اور اگر کوئی اس معیار پر پورا نہ اترے تو اسے ذلیل کیا جائے یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

رشید نے کہا، ٹھیک کہتے ہو۔

پھر مجلس برخاست ہو گئی۔

ماخذ

الانغانی - اس کتاب کا ترجمہ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کے حسب ارشاد میں نے اردو میں کیا تھا۔ جسے انجمن ترقی اردو (منہد) دہلی نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا تھا۔

ہارون کی وفات

جو اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک دن رخصت بھی ہونا ہے، باقی رہ جانے والے صرف اس کے اعمال ہیں، خواہ اچھے ہوں یا بُرے ہوں۔

ہارون نے کافی عرصے تک مسندِ شہریاری کو رونق بخشی۔ مجموعی حیثیت سے اس کا عہد شاندار اور بادگار تھا۔ خاندانِ عباسیہ ہی میں نہیں امویوں اور عباسیوں کے کئی سو سالہ دور میں اس جیسی بلند پایہ، جامع الصفات اور جامع اعداد ہستی شاید کوئی اور نہیں مل سکتی۔

اس نے اپنے دورِ حکومت میں ایک نئی سوسائٹی، ایک نیا معاشرہ، اہل علم کا ایک نیا گروہ، فن کاروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کر دیا۔ وہ جب تک زندہ رہا عیشِ فراوان اس کا رفیق و دمساز رہا۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو مالوسی اور حسرت کا توشہ اپنے ساتھ لے گیا۔

اس کی زندگی کے آخری ایام سخت ترین ذہنی کش مکش کے آئینہ دار تھے۔ ہرامکہ کے استیصال کی ندامت، جعفر کے قتل کا غم، امین اور ماموں کے مابین جنگِ تخت نشینی کا اندیشہ، ان سب چیزوں نے مل کر اس کی صحت پر حملہ کیا، وہ تاب نہ لا سکا۔ اور بالآخر موت کے سامنے اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

شہرِ رقہ کو دار الخلافہ مقرر کرنا
خاندانِ ہرامکہ کے زوال و استیصال کے بعد اور ان کے تمام اوروں اور ماتحتوں کی بربادی سے باشندگان

بغداد خلیفہ سے بدظن رہنے لگے۔ اس لیے ہارون الرشید نے بغداد کو چھوڑ کر شہر رتہ کو اپنا دارالخلافہ مقرر کر لیا۔

اس سے پہلے بھی ہارون نے بغداد سے اپنی نفرت ظاہر کی تھی اور کوفہ کو اپنا دارالخلافہ مقرر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوفیوں کی اولاد حضرت علیؑ سے طرفداری کی وجہ سے اس نے کوفہ کو پسند نہیں کیا۔ ہارون الرشید نے دارالخلافہ کی تبدیلی کے وجوہات جو غالباً صحیح معلوم ہوتے ہیں یہ بتلائے کہ چونکہ ملک الجزیرہ میں ہمیشہ بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں اور شمالی صوبہ جات میں بنی امیہ کی طرف داری میں اب تک بہت جوش باقی ہے، اس لیے یہی بات مناسب ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے کم سے کم الجزیرہ جا کر اپنی موجودگی سے وہاں کی غیر مطیع رعایا کے دلوں میں اپنی ہیبت اور خوف دل نشین کر دے۔

ہارون رشید کا بذات خود میدان جنگ میں جانا

۱۹۲ء میں ہارون الرشید خراسان جانے کے لیے رتہ سے بغداد روانہ ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے القاسم کو رتہ کی حکومت اور حفاظت سپرد کی۔ ماہ شعبان کی ۵ تاریخ کو وہ بغداد سے نہران روانہ ہوا اور اپنے دوسرے بیٹے المامون کو دارالخلافہ سابق یعنی بغداد کا گورنر مقرر کیا۔

خلیفہ کا طوس میں پہنچنا

طوس کے نواح میں پہنچ کر ہارون الرشید نے اپنی ناطاقتی اور کمزوری کو چھپانے کی کوشش کی مگر اب وہ ایسا صاحبِ فراتش ہوا کہ خدام و ملازم اس کو پکڑ کر اٹھاتے بٹھاتے تھے۔ اس کی بیماری کی اس حالت سے تمام فوج میں بڑی گھبراہٹ پڑ گئی۔ جب اس کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے گھوڑے پر سوار ہونے کی بڑی کوشش کی تاکہ فوج اس کو بچھم خود دیکھ کر تسلی پکڑے۔

خلیفہ نے اول تو ایک بڑے عربی گھوڑے پر، پھر ایک یابو پر اور سب کے بعد ایک چھپر پر چڑھنے کی بار بار کوشش کی مگر وہ چڑھ نہ سکا۔ اس لیے اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ

مجھ کو واپس لے چلو، واللہ لوگ سچے ہیں۔

ہارون الرشید نے طوس کے قریب ایک گاؤں میں قیام کیا، یہاں ایک بڑے زور کے ساتھ اس کے پیر کا پٹنہ لگے اور اس سے کھڑا نہ رہا جاسکا۔ غلام اور خدام اور اس کے حرم کی مستورات اس کے گردا گرد جمع ہو گئیں۔

ہارون الرشید کا موت کے لیے تیار رہنا!

ہارون الرشید نے اپنے خادموں اور غلاموں کو حکم دیا کہ میں جس مکان میں بیٹھا ہوں یہیں میرے لیے ایک قبر کھودو۔ بعد اس کے بہت سے حافطوں کو بلوایا، جنہوں نے دو دو تین تین پارے پڑھ کر تمام قرآن شریف اس کو سناؤ۔ خلیفہ اسی اثنا میں اپنی قبر کے کنارے ایک پلنگ پر لیٹا رہا۔ انتقال سے پیشتر خلیفہ کو ایک اور فتنہ آیا۔ اور جب ہوش آیا تو اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے وزیر کی طرف دیکھ کر تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اے فضل کیا وہ وقت قریب آپہنچا جس کا مجھ کو خوف تھا؟ دیکھو حاضرین کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی ہیں۔ جو لوگ گذشتہ زمانہ میں ہم پر حسد کرتے تھے وہ اب ہم کو بنظر ترحم دیکھ رہے ہیں۔ ہم سب کو صبر کرنا چاہیے، جو قسمت میں ہے ہو کر رہے گا۔ میں اب دوستوں کے لیے روتا ہوں جن سے میں محبت کیا کرتا تھا، دراصل میرا یہ سب عیش و عشرت فانی تھا جو اب پھر کبھی نہیں آئے گا۔

اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں خلیفہ نے ایک موٹا کیل لانے کے لیے حکم دیا۔ کیل کو اڑھ کر خلیفہ اپنے ایک ملازم سہل بن سعد کی کمر پرتیکہ لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے فوراً بعد خلیفہ کو بیماری کا دورہ شروع ہوا۔ سہل خلیفہ کے سنبھالنے کے لیے کورا۔ خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ نہیں کچھ نہیں۔ تو پھر اسی طرح بیٹھ جا کر۔ سہل نے جواب دیا۔ آگیا میرا المومنین میں یہیں حاضر ہوں گو میں آرام سے بیٹھا ہوں لیکن امیر المومنین کی تکلیف دیکھ کر مجھ کو سحت رہنا ہے میرے کربا ر دن الرشید نے ایک قبضہ لگایا اور کہ اے سہل! یاد رکھ ایک شاعر نے جو ذیل کے مضمون کا شعر کہا ہے اس کا مصداق میں اس وقت ^{ہو رہا ہوں} اس شعر کا مطلب ہے

کہ میں ایک بہادر قوم کی نسل سے ہوں، اس وجہ سے میں اس وقت سخت ترین تکلیف کو بردہ
استقلال اور رضا سے برداشت کر رہا ہوں۔

ہارون الرشید کی یہ آخری کوشش تھی اور اس کے تھوڑے عرصے کے بعد وزیر اعظم
فضل، مسرور اور ایک یا دو دیگر درباریوں کے سامنے خلیفہ نے اپنا آخری سانس لیا اور وفات
پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فضل برمکی کے انتقال کے بعد ۳ جمادی الاخریٰ ۱۹۳ھ مطابق ۲۲ مارچ ۸۰۹ء
شب شنبہ، بمقام طوس ہارون الرشید نے انتقال کیا اور اسی مقام پر دفن ہوا۔

صفات

مسلمان اور یورپین مورخین نے مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں ہارون کے حالات
اور واقعات لکھتے ہوئے ہارون کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ابن خلدون نے: بڑا اولوالعزم، علم و ہنر کا قدردان اور فہم و فراست، عزم و ثبات،
نیاضی و شجاعت میں ممتاز تھا، خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلے اسی نے علم و ہنر کی سرپرستی
کا بیڑا اٹھایا۔ نہایت ذی علم تھا۔ فقہ، حدیث، ادب اور ایام العرب سے خوب واقف
تھا۔ مذہبی عقائد کا سختی سے پابند تھا۔ زندگہ اور الحاد سے سخت نفرت رکھتا تھا۔ بزرگان
دین سے معتقدانہ ملتا تھا۔ علماء و فضلاء کی نصائح کو توجہ سے سنتا تھا اور بعض اوقات
نصیحت سن کر رونے لگتا تھا۔ سیاست ملکی میں نہایت بیدار مغز تھا۔ ہارون سے پہلے کوئی
خلیفہ اس سے زیادہ سخی، جواد اور بے دریغ مال کا خرچ کرنے والا نہیں گزرا۔

(تاریخ ابن خلدون مترجمہ مولانا احمد حسین الہ آبادی جلد ۱ ص ۲۱ تا ۲۴)

ہارون کے عہد پر تبصرہ

ہارون الرشید کا دور حکومت اس کا مستحق ہے کہ ایک منظر باز گشت اس پر ڈالی جائے۔ ہارون رشید میں درحقیقت تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک دیندار اور پاکباز بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ علامہ ذہبی اور حافظ کا قول ہے :

” ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں۔ علم و ہنر، تدبیر و دانائی، فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی، شجاعت اور بلند وصلگی میں وہ خلفا بر بنو عباس میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون رشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اس کی قدر وافی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیے کہ زمانہ کے تمام اہل کمال دربار میں کھینچ آئے۔ اور مدینہ السلام (بغداد) علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ بیت الحکمت کی کامیابیاں اس کے عہد میں سب سے بڑی علمی فتوحات ہیں۔ الف لیلیٰ کی تالیف اسی کے زمانہ میں ہوئی جس نے ہارون الرشید کے نام کو زبان زد خاص و عام کر دیا۔ علمی درس گاہیں جس قدر تمام ملک میں کھلیں اس کی ایک بڑی فہرست ہو سکتی ہے۔ اگرچہ علوم فلسفیہ سے چنداں ذوق نہ تھا لیکن فقہ و حدیث، ادب اور ایام العرب کا فاضل تھا، جیسا خود قابل، طباع اور صاحب فضیلت تھا ویسے ہی اس کے اراکین دولت تھے۔ خصوصاً خاندان براءمکہ جو درجہ وزارت پر ممتاز تھا۔ جس طرح حضرت سلیمان کہ آصف بن برخیا، نوشیروان کو بزرگمہر، بہرام گور کو خوردہ روز، ملک شاہ کو نظام الملک

طوسی جیسے وزراء پر فخر تھا۔ اسی طرح ہارون رشید کو اپنے مربی دشمن بیچی، فضل اور جعفر برہکی پر ناز تھا۔

باوجود ایسا عظیم شہنشاہ ہونے کے تکلف اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا۔ جبریل اور بنی شریع وغیرہ عیسائی اطباء کا جو اعزاز و دربار میں تھا آج اس کی نظیر سے یورپ اور ایشیا خالی ہے۔ جو عزت عیسائیوں کی دربار میں تھی ویسا ہی رتبہ یہودی، پارسی، ہندو علماء اور حکماء کا بھی تھا۔

اپنے زمانہ کے ہم عصروں سے بھی دوستانہ ملتا تھا، چنانچہ شارلمین شہنشاہ فرانس اس کا خاص دوست تھا۔ اور اس محبت کو خود شاہ فرانس نے بڑھایا تھا۔

مذہبی عقائد اور خیالات میں مستحکم تھا اور زندقہ والحاد کا قطعی دشمن، سور کعتیں روزانہ پڑھنے کا عادی تھا۔ اور سوائے بیماری کے کبھی نماز قضا نہیں کی تھی، ایک سال جہاد کرتا تو دوسرے سال حج بیت اللہ کو جاتا تھا۔ بتیس برس کی خلافت میں آٹھ یا نو بار حج کیا اور ایک مرتبہ مکہ معظمہ سے عرفات تک پیدل گیا۔ حج کے موقع پر علماء و فقہاء کی کثیر تعداد ہمراہ ہوتی تھی۔ اور جس سال اتفاق نہ ہوتا تھا تو اپنی طرف سے تین سو حج کا ایک قافلہ روانہ کرتا۔ خیرات خفیہ و علانیہ دونوں طرح سے جاری تھی۔ اور ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ کے عشق و محبت کا پابند تھا۔ فضائل حسنین میں بھی اس نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ قتلِ سادات اور علویہ میں کا اگر چہ اس پر الزام ہے، لیکن یہ معاملات ملکی تھے اور ایسی مجبوری تھی کہ جس سے کسی خلیفہ کو مفر نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم ہارون رشید نے سادات پر ایسا ظلم نہیں کیا جیسا کہ خود سادات نے اپنی چند روزہ حکومت میں عباسیوں پر کیا تھا۔

بزرگانِ دین سے خاص تعلق رکھتا تھا۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر خود جاتا تھا اور وہ جو نصیحت فرماتے تھے اسے رغبت کے کانوں سے سنتا تھا۔ ابو معاویہ ایک عالم کے ہاتھ خود دسترخوان پر آفتاب و طشت لے کر دھلواتے جو تاریخی یادگار ہے۔ ابن سماک وغیرہ کے وعظ سے اس کو رقت ہوتی تھی اور صوفیائے کرام کے خاص وظائف مقرر تھے۔ باوجود پابندی

شریعت زاہد نشک بھی نہ تھا۔ اس کی بے تکلفی کی مجلس میں نغمہ و سرود بھی ہوتا تھا
 ابراہیم الموصلی موسیقی کا استاد خاص اس خدمت پر دس ہزار درہم کا نوکر تھا۔ کینزوں سے
 بھی صحبت رہتی تھی اور بنید کا دور بھی چلتا تھا جس کی علت کا فقہا نے فتویٰ دے دیا تھا۔
 عدل و انصاف کا بھی اس میں جوہر موجود تھا اور جس کا یہ اثر تھا کہ تمام ملک میں خوشحالی
 پائی جاتی تھی۔ تجارت میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، قریب قریب مال و دولت سے آباد تھا۔ دار الخلافہ
 کی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ کہ دس لاکھ کی
 مردم شماری تھی۔ بیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام موجود تھے۔ ۱۲ میل طولا اور تین میل عرضاً
 مسلسل آبادی تھی۔ علاوہ اس کے اپنے عہد دولت میں طرطوس، صیصہ اور مرعش کے شہر آباد کیے۔
 اور ضرورت کے وقت بڑے بڑے شہروں کا دورہ بھی کیا اور ملک کی حالت اپنی آنکھوں سے
 دیکھی۔ خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلے چوگان کھیلا اور اونیزاں نشانہ پر شرط باندھ کر تیر اندازی
 کی اور شرطیج بھی کھیلا۔ گویوں کے مراتب اور طبقے مقرر کیے۔ بہر حال خلیفہ ہارون الرشید
 کے تمام دور حکومت میں سوائے قتل برائے قتل کے کوئی الزام نہیں ہے۔ لیکن منصف مزاج
 اس قتل کا خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور یہ نہ ہوتا تو بقائے سلطنت کے
 واسطے اور کون سی تدبیر تھی۔ سیاست ملکی میں بے انتہا سخت تھا اور معاملات سلطنت میں
 کسی کی نہ سنتا تھا۔“

ماخذ

ذہبی، جاحظ،

ہارون رشید اور پرامکھ !

جو دستم کی لوزہ میں کہانی !

واقعات اور روایات کا تحقیقی جائزہ

آلِ بَرک

یہ ایک نو مسلم خاندان تھا۔ فارس کا رہنے والا، مذہب آتش پرستی۔ اصلی زادیوم بلخ پارسیوں کے بعد آتش کدہ نو بہار کا متولی، اسی خاندان کا ایک فرد جعفر بن جاباس تھا۔ گویا آلِ برک کا اسلام میں آغاز جعفر بن جاباس سے ہوا اور خاتمہ جعفر برمکی پر۔

اول بہ آخر بستے دارو!

آتش کدہ نو بہار کو پارسیوں میں وہی مذہبی حیثیت اور جیت حاصل تھی جو مسلمانوں میں کعبہ کو حاصل ہے۔

جعفر بن جاباس بہ ہمہ صفت موصوف تھا، شاعر بے بدل، ادیب لائق، جعفر بن جاباس ذہین، طباع، بہترین نقاد و شعراء ادب، شوق سیاحت سے مجبور ہو کر بلخ سے دمشق پہنچا اور یہاں کی اعلیٰ سوسائٹیوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اپنی نکتہ سنجی اور سحر بازی سے اس نے امراء اور وزراء کا دل موہ لیا۔ یہ زمانہ ولید بن عبدالملک کی خلافت کا تھا۔ (۶۵۶ء تا ۶۸۶ء ۷۹ء)

ولید نے جعفر بن جاباس کو اپنا مقرب بارگاہ بنا لیا اور منصب ولید کی قدر شناسی کتابت پر فائز کر دیا۔ مسلمانوں میں رہنے پہنچنے اور انہیں قریب سے دیکھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ بلخ کا توطن اور آتش کدہ نو بہار کی تولیت چھوڑ ہی اور دین اسلام کا ایک مخلص پرستار بن گیا۔

جعفر بن عباس کی اولاد احضار نے اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی جو گراں بہا خدمتیں انجام دیں وہ تاریخِ کاروشن ترین باب ہیں۔

اس خاندان کے لوگوں نے حکومتِ عباسیہ کی تشکیل و تعمیر اور استحکام و بقا میں جو حصہ لیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ عہدِ عباسیہ کی ساری ترقیاں اور کامرانیوں پر اہمکہ ہی کے جوشِ عمل، جوشِ کار اور جذبہٴ خدمتِ اسلام کا نتیجہ ہیں۔

مہدی اور ہادی کی بھی لیکن خاص طور پر ہارون کی خوش قسمتی سے اس کو وزراء بھی ایسے ملے تھے جو کسی فرماں روا کو مشکل ہی سے میسر آسکتے ہیں۔ ہر مکی خاندان نہ صرف عباسی وزارت میں بلکہ دنیا کی تاریخ میں اپنے اوصاف و کمال اور کارناموں میں ممتاز ہے۔ وہ ہارون سے بھی زیادہ علم و دست، علماء نواز، بلند منظر، خوش مذاق اور مخیر و فیاض تھے، ان کا آستانہ پر صنف کے اصحابِ کمال کا مرجع تھا۔ انہوں نے جو کارنامے انجام دیے اور عباسی حکومت کو علم و تمدن کے جس مرتبے پر پہنچایا اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب درکار ہے۔

ان کے دورِ وزارت کے متعلق ابنِ طباطبائی کا یہ اجمالی تبصرہ بالکل صحیح ہے۔

برامکہ کا دورِ وزارت جبین دہر کا نور اور زمانہ کے سرکاتاج تھا، ان کے مکارم ضربِ المثل تھے، وہ دنیا کے مرجعِ امال تھے اور لوگ کھنچ کھنچ کر ان کے آستانے پر آتے تھے۔ دنیا نے اپنی ساری نعمتیں ان کے سامنے سجادی تھیں۔ بیچی اور اس کے بیٹے انجم ناباں۔

اس لیے سیوطی کے بقول ہارون رشید کا پورا دور سراسر خوبی تھا اور اس کا ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دور کی تمام ترقیوں کا حال کتاب کے اخیر میں آئے گا۔

آئندہ صفحات میں ہم بسط و تفصیل سے اس خاندان کے عمائد خالد، یحییٰ، فضل و ہارون کا ذکر کریں گے۔ اسی سلسلے میں برامکہ کے عروج و زوال کی کہانی بھی آجائے گی۔

ماخذ

تاریخِ اسلام (عہدِ عباسیہ) ابراہیم، نزہت القلوب، جغرافیہ گنج دانش۔

خالد برمکی !

خالد کی ولادت ۹۰ھ مطابق ۶۷۰ء میں ہوئی۔ جعفر بن عباس نے خالد کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ صرف کی۔

خالد کا اصل جو لان گاہ عمل بنو عباس کا عہدِ خلافت ہے۔ امویوں کے اہل بیت رسولؐ کے خلاف جب علویوں نے آل عباس کی رفاقت میں حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تو خالد اس جماعت کے داعیوں اور مردانِ کار میں پیش پیش تھا۔ اسے اہل بیت رسالت سے غیر معمولی عقیدت تھی۔ اس عقیدت کو جعفر بن عباس کی تربیت نے اور زیادہ پختہ کر دیا تھا، پھر جب حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسندِ خلافت بنو عباس کے ہاتھ آئی تو اہل بیت رسالت کے تعلق سے اس نے اس خاندان کا بھی پورا ساتھ دیا۔ اس کی وفاداری، دُور اندیشی، دلیری اور حسن تدبیر کا سفاح پر اتنا اثر پڑا کہ جب اس نے اپنے وزیر ابوسلمہ کو بعض وجوہ کی بنا پر قتل کیا تو قلمدانِ وزارت خالد کو سونپ دیا۔

سفاح کے انتقال کے بعد ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء میں منصور منصور کا خالد پر اعتماد و سخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے بھی خالد کو اس کے منصب پر برقرار رکھا، پھر کچھ عرصے بعد درباری سازشوں کے تحت وہ موصل کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا۔ یہاں اس نے اپنی کارگزاری کا ایسا ثبوت دیا کہ خلیفہ کا اور زیادہ معتمد بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محکمہ خراج یعنی محکمہ محاصل و مالیات اس کے سپرد کر دیا گیا۔ منصور کو خالد پر اتنا

زیادہ اعتماد تھا کہ جو کوئی کام بھی خالد سے مشورہ لیے بغیر نہیں کوٹھا تھا۔

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو جب ولی عہدی سے
 ہمدی کو خالد نے ولی عہد بنایا معزول کیا اور اپنے بیٹے ہمدی
 کے لیے بیعت لی تو یہ کام خالد ہی کی حکمتِ عملی سے انجام پایا، ورنہ اس پر عمل درآمد ناممکن تھا۔
 خالد کا یہ کارنامہ منصور کی نظر میں اتنا چچکا کہ اس نے خالد کو ہمدی کا اتالیق مقرر کر دیا۔
 خالد کی دورانہدیشی اور فراست کا اندازہ ذیل کے
 خالد کی دورانہدیشی اور فراست واقعے سے ہو گا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہمدی مع مختصر فوج کے ایک جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ خالد
 ہمراہ کاب تھا کہ دور سے ایک قلعہ کی بندی معلوم ہوتی۔ ہمدی نے قلعہ کے اوپر جا کر نظارہ
 کرنا چاہا۔ چنانچہ مع اپنے منتخب سپاہیوں کے قلعہ کے اندر داخل ہوا اور اس کے بند حصے
 پر چڑھ گیا۔ ناگاہ شمال کی جانب سے گرد اڑتی ہوئی نظر آتی۔ خالد نے ہمدی سے کہا کہ غبار
 خالی از علت نہیں ہے۔ کیا تعجب ہے کہ دشمن کے لشکر کی گرد ہو، کیونکہ اندھنی کی یہ علامت
 نہیں ہے اور ہوا کی معمولی رفتار میں کچھ اضافہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غبار غرور کسی لشکر کا ہے
 اس لیے ہم کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

ہمدی کو خالد کی باتیں تعجب انگیز معلوم ہوئیں۔ لیکن بزرگ ناصح کے کہنے سے روانہ ہوا
 ایک فرسنگ طے کیا ہو گا کہ گورخر، ہرن اور صحرائی جانور بھاگتے ہوئے نظر آئے۔
 خالد نے کہا کہ لشکرِ حریف کے بھاگتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آگے چلو۔ تھوڑی دُور
 پہنچنے پر معلوم ہوا کہ لشکرِ دیالہ لڑائی کے ارادہ سے آ رہا ہے۔ ہمدی نے واپس جانا
 غنیمت سمجھا۔

خالد نے بڑھ کر رکاب تھامی اور عرض کیا کہ یہی تو لڑائی کا موقع ہے، دشمن کی فوج
 منزل مارے آ رہی ہے۔ ہر ایک سپاہی تھکا ماندہ بھوکا پیاسا ہے۔ ہماری فوج اگرچہ حریف
 کے مقابلے میں کم ہے لیکن تازہ دم اور دھاوے کے قابل ہے۔ سب کو درست کر کے حملہ
 کر دینا چاہیے۔ فتح ہمارے ساتھ ہے اور بغیر مقابلہ واپس چلنے میں علاوہ بدنامی کے غنیمت کو

جرات نہ ہوگی اور اگر تھوڑا سا وقفہ بھی مل گیا تو پھر ان سے مقابلہ مشکل ہو گا۔

یہ بھی نے حسب مشورہ خالد حملہ کر دیا۔ میدان میں تلواریں چمکنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں دیالہ کو شکست ہوئی۔ اکثر ہلاک ہوئے اور کسی قدر گرفتار۔ میدان ہمدی کے ہاتھ رہا۔ اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔ جس میں سے سب عمدہ اور منتخب چیزیں خالد کو عطا کی گئیں اور امیر المومنین منصور کے حضور میں اس واقعہ کی ایک عرضداشت ہمدی نے اپنے قلم سے لکھ کر روانہ کی۔ اس معرکہ کے بعد خاندان عباسیہ کو آل برک سے خاص محبت ہو گئی۔

بغداد کی تعمیر بھی خالد ہی کے ذوق تعمیر کا نتیجہ

ہے۔ بغداد کی تعمیر خالد کا لازوال کارنامہ ہے۔ اسی کے اہتمام میں اس شہر کی عالی شان

عمارتیں، فلک رفعت محل، قصر الذہب، بقعہ الخضر، مسجد جامع تیار ہوئی۔ پانچ سال کی لگاتار

محت کے بعد دنیا کا یہ بڑا شہر بہ صرف زر کثیر ۱۸ مارچ ۶۹۹ء مطابق ۶۶۶ء تمام کو پہنچا۔

بغداد کی تعمیر جب مکمل ہو گئی تو ہر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اس شہر

بغداد کی وسعت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شہر میں عام حمام ساٹھ ہزار

تھے اور ہر حمام میں کم از کم سات خدمت گار ضرور ہوتے تھے۔

تیس ہزار مسجدیں تھیں، شہر کو سولہ دروازوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر دروازہ کے باہر آٹھ

میل کی مسافت تھی، آبادی دس لاکھ سے زیادہ تھی۔

بہت سے شعراء نے بغداد کی خوبیوں اور رعنائیوں کو دیکھ کر اپنے

شعرا کے قصائد خیالات و تاثرات اشعار، اور قصائد کی صورت میں ظاہر کیے۔

انور نے ایک طویل قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں :

خوشا نواچی بغداد جائے فصل و بہار

کہ کس نشان نہ دید در جہاں چناں کشور

سواد و بشل چوں سپہرینا رنگ

ہوائے بصفتم نسیم جہاں پرور

ہزار ذوق خورشید شکل بر سر آب

برآں صفت کہ پراگندہ بر سپہرا نتر

صبا سرشتہ بہ خاکش طراوتِ طربیٰ

ہوا نہفتہ در ایشِ حلاوتِ کوثر

بالآخر شعبان کے مہینہ میں جمہرات کے روز ۱۶۵ھ مطابق ۱۷۶۱ء یہ بادشاہ
وقات گزرے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ماخذ

ابراہیم، ابن عساکر، ابن خلکان، کامل ابن اثیر، تاج العروس شرح ناموس، اعلام اناس،
ابن خلدون، روضۃ الصفا، الفخری،

یہ بھی برہمکی

یہ بھی خالد کا بیٹا تھا۔ آل برہمکی میں اس سے بڑھ کر عظیم و جلیل شخصیت کوئی اور نہیں گزری۔ اگر یہ بھی کی فراست اور دانش مندی کام نہ آتی تو ہارون ولی عہدی سے محروم کر دیا گیا ہونا، بلکہ قتل کر دیا گیا ہوتا۔ یہ بھی نے اس کی ولی عہدی قائم رکھی۔ اسے تختِ خلافت پر جھکن کیا، اسے دشمنوں اور مخالفوں سے بچایا۔ اس کے راستے کے کانسٹے ہٹائے۔ اسے ہر طرح کی فکروں اور پریشانیوں سے آزاد کر دیا۔ ہر طرح کی فکروں اور پریشانیوں کا بوجھ اپنے دوش اتواں پر لے لیا۔ اس کے عہد میں خلافتِ عباسیہ عروج کی انتہا پر پہنچ گئی۔ وہ یہ بھی تھا جس نے ہارون کو بتایا، جس نے بغداد کو بغداد بنایا، جس نے ہارون کے حدودِ مملکت میں بے انتہا توسیع کی۔ جس نے کنگالوں کو لکھتی بنا دیا، جس کے در سے کبھی کوئی ساکلی محروم نہ گیا۔ جو شاعروں، ادیبوں، عالموں، فن کاروں اور موسیقاروں کا قدردان تھا۔ ان کے منہ موتیوں سے اور دامنِ یسقمِ فذر سے بھر دیتا تھا۔ وہ دشمنوں کا دوست اور دوستوں کا یار و فادر تھا۔ اس نے مخالفوں کو معاف کیا، دشمنوں سے درگزر کیا۔ زندگی میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جتنا بڑا خود تھا اتنا ہی بڑا اس کا دل بھی تھا۔ اس کے پاس اربوں روپیہ تھا لیکن اس روپے کو وہ اپنی ملکیت نہیں امانت سمجھتا تھا۔ اور نہایت دیانتداری سے مستحقین میں اسے خرچ کر دیتا تھا۔ اس نے اپنے کردار اور سیرت کا عوام اور خواص کے دل پر ایسا نقش قائم کر دیا تھا کہ خلفہ کی دشمنی اور عداوت بھی اسے محو نہ کر سکی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلیفہ ان باتوں سے برہم ہوتا

ہے لوگ اس کے مہیشے کہتے رہے، اس کی باتیں یاد کر کے روتے رہے، اس کے محاسن اور محامد کا چہرہ چاکرتے رہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما

یہی ہارون کا اتالیق اور کاروبار تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے ملکی خدشا ہارون کا اتالیق انجام دینے کے مواقع بھی ملتے رہے۔ جب یحییٰ کے شباب کا زمانہ ہوا اس وقت خالد برمکی حکومت عباسیہ میں کمال اقتدار رکھتا تھا۔ کیونکہ ابو جعفر منصور نے خالد کی کارگزاریاں دیکھ کر اس کو موصل کا والی (گورنر) بنا دیا تھا۔ ایسے معزز عہدہ دار کو اسلامی سلطنت میں یہ مشکل نہ تھی کہ اپنے لڑکے کے واسطے وہ کوئی صورتِ ملازمت نہ نکال سکتا۔ چنانچہ منصور نے خالد کے استحقاق پر نظر کر کے محرم ۱۷۵ھ ۱۱ نومبر ۷۹۱ء میں آذربائیجان کا حاکم مقرر کیا۔

ہارون الرشید نے تختِ خلافت پر جلوس فرماتے ہی یحییٰ ابن خالد برمکی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا، یحییٰ نے جو اب تمام مملکت کا ذمہ دار ہو گیا تھا اپنے فرائض منصبی نہایت بیدار مغزی، لیاقت اور انصاف پسندی سے انجام دیے۔ سرحدوں پر قلعہ جات تعمیر کرا کے ان کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ انتظامِ سلطنت میں جن جن باتوں کی کمی تھی اور جو جو نقص تھے ان سب کو درست اور مکمل کیا۔ خزانے کو معمور کیا، تمام صوبہ جات کو تجارت کی ترقی، حفظِ امن و امان اور حفاظتِ عامہ سے خوشحال اور زرخیز بنا دیا۔ المختصر سلطنت کو خوشحالی، فارغ البالی اور شان و شوکت کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچا دیا۔ سلطنت کے تمام کاروبار بذاتِ خود نگران اور منظم تھا۔ باوجود ان سب باتوں کے نہایت ہی فصیح و بلیغ، عقیل اور صاحبِ شعور اور جامع جمیع صفات اور نہایت قابل، مدبر، منظم تھا۔ بڑے کدو فر سے حکومت کرتا تھا۔ اور سلطنت میں جو فتنہ و فساد برپا ہوتا تھا اسے نہایت لیاقت سے رفع کر دیتا تھا۔ اس کا اخلاق ایسا اچھا تھا کہ ہر شخص اس سے محبت کرتا۔ مزاج میں اس قدر بردباری اور

علم تھا کہ ہر شخص اس کا ادب اور لحاظ کرتا تھا۔ فیاضی میں بے مثل تھا۔ لاکھوں روپے خیرات کرتا تھا۔ تمام دُنیا نے اس کی فیاضی کی تعریف میں عموماً اور شاعروں اور فاضلوں نے خصوصاً بڑے بڑے قصائد لکھے ہیں۔

علم اور علمائے لگاؤ
 علم اور علمائے لگاؤ سے سچی کو غیر معمولی لگاؤ تھا۔
 چنانچہ یہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں فاسد بیجے اور بڑے بڑے نامی پنڈت اور حکیموں کو دربار میں بلایا۔ ان میں سے منکھ اور صالح (سالی) بن بہلہ مشہور پنڈت ہیں جو ترجمے پر مقرر تھے۔ ان پنڈتوں کے ذریعے سے ہندوستان کا بہت بڑا علمی سرمایہ بیتِ انکمنہ میں پہنچا۔ اور غالباً جب ان حکیموں کی اسلامی سلطنت میں اس قدر عزت افزائی ہوئی تو اور بھی نامی پنڈت ہندوستان سے بغداد پہنچے جن میں سے کنکھ، صنہیل، ثنائق، جو در بہت مشہور ہیں۔ ان حکیموں نے ہندوستان کے نامی اطباء اور حکماء کی تصنیفات کو فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا۔

ایک نجومی کی پیشین گوئی
 ایک مرتبہ ہارون سے ایک یہودی نجومی نے یہ پیشین گوئی کی کہ آپ ایک سال کے اندر مرجا جائیں گے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کو بڑا فکر ہوا۔ اور کھانا پینا تک چھوٹ گیا۔

آخر کار یہی نے اس نجومی کو خلیفہ کے حضور بلوا کر اس سے یہ دریافت کیا۔
 یہ بتاؤ تم کب تک زندہ رہو گے؟ یہودی نے جواب دیا کہ میرا تو نجوم یہ کہتا ہے کہ میں ابھی بہت دین جیوں گا۔

یہی نے نجومی کا سراہی وقت اور وہیں تلوار سے اڑا دیا۔ پھر عرض کیا کہ امیر المؤمنین آپ نے اس شخص کی پیش گوئی کا جھوٹ اور سچ ملاحظہ فرمایا؟ خلیفہ کا رنج اور فکر جاتا رہا اور اطمینان حاصل ہو گیا۔

داد و دہش، بذل و عطا، دربادی اور سخاوت یہی کی سرشت تھی۔ ایک مرتبہ دربار میں جاتے وقت ایک خسہ حال اور اشفقتہ روزگار شاعر صورتِ سوال کھڑا نظر آیا۔ یہی کو اس وقت بہت جلدی تھی، ایک نظر اس پر ڈالتا ہوا خلیفہ کی خدمت

میں چلا گیا۔ بارگاہِ خلافت سے واپس آنے کے بعد شاعر کو بلایا، حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے نکاح کیا ہے۔ جس کی تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ چار ہزار دین مہرا داکروں ساگراوانہ کروں تو عورت کو طلاق دوں۔ دوسری یہ کہ چار ہزار کا ایک مکان خریدوں، تیسری یہ کہ تمام سامان خانہ داری مہیا کروں۔

بیچنی نے سنا تو فوراً چار ہزار مہرا داکیا، چار ہزار درہم خریداری مکان، اور چار ہزار ضروری سامان کے واسطے دیے۔ علاوہ ازیں چار ہزار اور بھی دیے کہ بالکل اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ سولہ ہزار درہم دے کر رخصت کیا۔

اسحاق موصلی ان لوگوں میں تھا جو آلِ برہک کے زوال و اربابانہ اسحاق موصلی کی داستان قتل اور تباہی و بربادی کے بعد بھی ہر خوف اور دہشت سے بے نیاز ہو کر ان کے گن گایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیچنی کی شان میں ایسے تاثرات الم کاظمیٰ کر رہا تھا کہ نئے وزیر فضل بن ریح تک اس کی شکایت پہنچی۔ فضل نے اسحاق کو بلوایا اور مہایت برہمی کے عالم میں سوال کیا۔

”کیا تم نہیں جانتے کہ خاندانِ برہک خلیفہ کا معسوب اور اس کی تعریف کرنے والا مستحقِ تعزیر ہے؟“

اسحاق نے جواب دیا

”جانتا ہوں۔ لیکن تعریف سے باز نہیں آسکتا۔“

فضل بن ریح کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے تمہاری شامت آئی ہے،“

اسحاق نے دلبری سے جواب دیا۔

”ہر سزا خوشی سے بھگت لوں گا، لیکن جب تک زبان چلتی ہے اس خاندان کی تعریف

میں رطب اللسان رہوں گا۔“

اس جواب پر فضل نے دریافت کیا ”آخر وہ ایسی کیا بات ہے کہ تم اپنے آپ کو خطرہ

میں ڈال کر بھی آلِ برہک کی تعریف و توصیف سے باز نہیں رہ سکتے۔“

اسحاق نے جواب دیا

”بہت سے واقعات ہیں، میں کہاں تک سناؤں گا۔ اور آپ کب تک سنیں گے؟“

صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں!

فصل بن ربیع نے استیاق کے لہجے میں کہا

”ضرور سناؤ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔“

اسحاق نے واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا:

”میرے پاس نہ گھر تھا نہ در کہ میں نے ایک جاڑی سے عقد کر لیا۔ مکان کرایہ پر لیا۔ کرایہ

ادانہ کر سکا تو مالک خالی کرانے کے درپے ہوا، میں بہت حیران تھا کہ کیا کروں؟ ہر طرف

منظر ڈرائی، مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر یچی کے پاس پہنچا اور اسے اپنا حال زار سنایا۔

اس نے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہاری فکر اب بھی باقی ہے؟“

میں نے کہا ”نہ صرف باقی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ ہو گئی ہے۔“

یچی نے مجھے تسکین دی، پھر غلام کو حکم دیا کہ خلعت لائے۔ اسی وقت میں نے اسے

زیب تن کیا، پھر دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، میں نے خوب ڈٹ کر کھایا، پھر بنید لائی گئی۔

میں نے جام پر جام چڑھاتے۔ یچی بھی پیتا رہا۔ پھر میں گانا سنا دیا۔ اسی دوران قلم دوات

اور کاغذ لانے کا یچی نے حکم دیا۔ اس نے چار رقعے لکھے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میرے

لیے انعام و اکرام کا حکم بھی کسی رقعہ پر ہو گا۔ پھر اس نے اپنے وکلار (ایجنٹ) کو بلا یا۔ رقعے

ان کے حوالے کر دیے، اور میں نے انعام و اکرام کے لالچ میں اور زیادہ جی توڑ کر گانا شروع

کیا۔ میں گاتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں انعام و اکرام کی فہرست تیار کرتا جاتا تھا۔ شام ہو گئی

اور کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ یچی نے تیکے سے ٹیک لگائی اور سو کیا۔ میں اب کیا کرتا۔

واپس ہوا۔ کاندھے ڈائے اور سر جھکاتے پہنچا۔ جب گھر کے پاس پہنچا تو میرا غلام آگے

بڑھ کر کہنے لگا:

”کہاں جا رہے ہیں آپ؟“

”گھر۔ اور کہاں؟“

”کیسا گھر؟ وہ تو بیچا جا چکا ہے۔ مشتری دروازہ پر بیٹھا آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ بکنے کی تو گواہی بھی گنز چکی۔ ہاں صرف آپ کا گھر ہی نہیں بلکہ ساری گلی کی گلی بک گئی۔“

میں نے خیال کیا کہ یہ سب کچھ سلطان کے لیے خریدایا گیا ہوگا۔ اب میں گوگلو کے عالم میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا پتے گھر کے دروازہ پر پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں یچی کا ایجنٹ کھڑے وہ میرے پاس آیا اور گویا ہوا۔

”اپنے گھر میں داخل ہو جائے، خدا آپ کو برکت دے۔“

میں خوش خوش اندر داخل ہوا تو ایجنٹ نے یچی کا یہ فرمان سنایا۔

دراحد اسحاق موصلی کے لیے وہ مکان خرید لیا جائے جس میں وہ کرایہ دے کر رہتا ہے۔ مکان کے اس پاس جو زمین، جائداد اور مکانات وغیرہ ہیں وہ بھی خرید کر اسے دے دیے جائیں۔ اب ایجنٹ نے دوسرا فرمان سنایا جو یچی نے اپنے بیٹے فضل کے نام بھیجا تھا:

”میں نے اسحاق موصلی کے لیے ایک لاکھ درہم منظور کیے ہیں جن سے اس کے لیے مکان خرید جائے گا۔ اتنی ہی رقم تم بھی اس کو دو تاکہ جیسی چاہے اس کی ترمیم و توسیع کر سکے۔“

تیسرا فرمان یچی نے اپنے بیٹے جعفر برمکی کے نام لکھا تھا:

”میں نے اسحاق موصلی کو ایک لاکھ درہم دیے ہیں تاکہ اس کے قیام کے لیے مکان خرید جاسکے اور ایک لاکھ درہم تمہارے بھائی فضل سے دلوائے ہیں تاکہ مرضی کے مطابق اس کی مرمت وغیرہ کرا سکے، تم بھی اس کو ایک لاکھ درہم دو تاکہ وہ اپنے نئے مکان کے شایان شان سامان خرید سکے۔“

چوتھا فرمان یچی نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد کے لیے لکھا تھا۔ جس میں فرمایا تھا:

”میں نے ایک لاکھ درہم اسحاق موصلی کو دیے ہیں تاکہ اس کے لیے مکان خرید لیا جائے اور دو لاکھ تمہارے دونوں بھائیوں نے دیے ہیں تاکہ اس کے مکان کے لیے فرش فروش اور ضروری ساز و سامان خرید لیا جائے، ایک لاکھ درہم تم بھی دو جسے وہ اپنے عام مصارف میں لائے گا۔“

ایجنٹ نے مجھ سے کہا "یہ سارا روپیہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ستر ہزار روپہم میں میں نے یہ مکان اور اس کے ملحقات خریدے ہیں۔ یہ دستاویزیں موجود ہیں جو میرے نام ہیں لیکن ان میں یہ تصریح ہے کہ میں نے یہ سب کچھ آپ کے لیے خریدا ہے۔ خدا آپ کو برکت دے۔ میں نے سب چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔ اب میں اپنے والد سے بھی زیادہ فارغ البالی اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگا۔"

اب آپ ہی بتائیے براہمکے نے میرے ساتھ جو کچھ کیا گو ان کی دیگر بخششوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن میں اس پر ان کی ممنونیت کا اظہار کروں تو کیا مجھے ملامت کی جاسکتی ہے؟

فضل بن ربیع یہ باتیں سن کر فوراً اثر سے رو پڑا۔ وہی نہیں بلکہ حاضرین مجلس کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ سب نے بیک آواز کہا:
"خدا کی قسم تمہیں ملامت نہیں کی جاسکتی۔"

براہمکے کے مٹ جانے کے بعد اور ہارون کے احسان شناس مرثیہ خواں وفات پا جانے کے بعد بھی جو لوگ آلِ برہمکے کے ممنون کرم تھے خون کے آنسو روتے پڑتے تھے۔ براہمکے سے ماموں کو بھی نفرت اور عداوت درتہ میں ملی تھی۔ ایک مرتبہ اس کے پاس ایک شخص منذر بن میسرہ لایا گیا۔ اس پر یہ الزام تھا کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی براہمکے کو یاد کر کے روتا ہے۔

ماموں یہ سن کر برہم ہو گیا۔ اس نے پوچھا
"کیا تو اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے؟"
مندر نے جواب دیا۔

"امیر المؤمنین اگر انسانیت اور شرافت کو فی چیز ہے تو جب تک زندہ رہوں گا براہمکے کو یاد کرتا اور ان پر آنسو بہاتا رہوں گا۔ وہ میرے محسن تھے۔ انہوں نے مجھے فلاکت اور غربت کے بھروسے نکال کر دولت اور عشرت کے ایوان میں پہنچا دیا تھا۔"
سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے منذر بن میسرہ نے کہا:

”امیر المومنین امیری داستان سن لیجئے۔ میں کسی زمانہ میں مالدار اور دولت مند تھا۔ قسمت نے پلٹا کھایا اور میں غریب، مفلس، نادار اور تلاش بن گیا۔ سوچا بغداد جاؤں شاید وہاں نسبت یاوری کرے، بغداد آیا، لیکن سوال پیدا ہوا کہ ٹھہروں کہاں؟ سڑکتے میں ٹھہر سکتا تھا لیکن کرایہ نہ تھا۔ کوئی ایسا دوست محزنیہ اور شناسا بھی نہ تھا کہ دروازہ پر دستک دیتا۔ آخر بیوی بچوں کو مسجد میں بٹھایا اور خود یحییٰ کے در دولت پر پہنچا۔ اس روز اس کے بھتیجے کی شادی تھی۔ حاضرین میں میں بھی بیٹھ گیا۔

قاضی سے یحییٰ نے کہا کہ آپ میرے بھتیجے کا عقد میری بیٹی عائشہ سے کر دیجئے۔ چنانچہ قاضی نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہو گیا۔ چاروں طرف سے مبارکباد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اور یحییٰ نے ہوش سہرت سے مشک و عنبر کی گولیاں لوگوں پر پھینکیں۔ امیر المومنین! خدا کی قسم میں نے تو اس ٹوٹ میں اپنی آستین بھری۔ جب نچھاور ہو چکی تو پھر ایک سو ایک خادم آئے۔ ان سب کے ہاتھ میں ایک ایک طبق تھا۔ اور ہر طبق میں ایک ہزار دینار تھے۔ چنانچہ سب کے ہاتھ میں ایک ایک رکھ دیا گیا۔ ان لوگوں نے دینار اپنی آستینوں میں رکھ لیے اور طبق بغل میں دبا لیا اور رخصت ہو گئے۔ اب میں اکیلا رہ گیا۔ چونکہ مال زیادہ تھا اس وجہ سے میری جہرات نہ ہوتی تھی کہ میں بھی لے لے کے چلتا ہوا جاؤں۔ ورنہ مفلسی کی وجہ سے یہ ہو سکتا تھا کہ یہ رقم چھوڑ کر خالی ہاتھ چلا جاؤں۔ جب مجھے اس شش و پنج میں ایک خادم نے دیکھا تو اشارہ کیا کہ دونوں چیزیں لے کے چلا جا۔ چنانچہ میں اٹھا کر چلا۔ لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا کہ میں گھرنک اس کو لے جاؤں گا۔ بلکہ میرا خیال تھا کہ لے کر مجھ سے چھین لیں گے اس لیے پھر پھر کر بیچنے دیکھتا جاتا تھا، میری ان حرکتوں کو خود یحییٰ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے جب پہلے دروازہ کے قریب پہنچا اور میں نے چاہا کہ پر وہ ہٹا کر باہر نکل جاؤں کہ اتنے میں ایک خادم نے مجھے روکا اور یحییٰ کے پاس لے گیا۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ دینار چھین لیے جائیں گے۔ لیکن یحییٰ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور مفصل حالات پوچھے۔ میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ جس وقت میں نے کہا کہ میرے اہل و عیال بھوکے پیاسے مسجد میں بیٹھے ہیں اسی وقت اپنے بیٹے موسیٰ کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص عالی خاندان ہے

اور کسی زمانہ میں صاحب ثروت تھا۔ اب عیال کی تمام سے پریشان ہے اس کو پتہ نہ گھر کے بچاؤ اور
 مہمان داری کرو۔ چنانچہ ایک شبانہ روز میں موسیٰ کا مہمان رہا۔ بڑے تکلف کی دعوتیں کھاتیں۔
 لیکن اہل و عیال کی طرف سے طبیعت بے چین تھی۔ میں نے موسیٰ سے ان کا حال پوچھا تو جواب
 دیا کہ خدا ان کے رزق کا خود کفیل ہے۔ اس کے بعد ایک خلعت فاتورہ کے کرچے رخصت کیا۔
 اور پتے بھائی عباس کے سپرد کیا۔ اور کہا کہ مجھے امیر المومنین نے یاد فرمایا ہے یہ چار سے
 ایک مہمان ہیں۔ آج آپ شہر مہمان داری ادا کیجئے۔ چنانچہ عباس نے یہی میری ویسی ہی خاطر داری
 کی جیسی کہ موسیٰ نے کی تھی۔ چنانچہ یکنے بعد دیگرے ایک ایک مہمان کا مہمان ہوا۔ دسویں دن
 جعفر کی باری آئی۔ ایک دن یہاں بھی رہا۔ کیا دسویں دن ایک خادم نے کہا کہ اب چل کر پتے اہل و
 عیال سے ملتے۔ میں نے کہا کہ میں تامل یہاں دس روز پڑا رہا۔ کچھ نقد بھی ہاتھ نہ لگا۔ اور جو
 انعام بچی کے یہاں سے مجھے ملا تھا وہ بھی چھین گیا، کاش میں اسی دن چلا جاتا تو اچھا تھا۔
 عرض کہ اسی دهن میں خادم کے ساتھ ساتھ چار ہاتھ کا اس نے ایک مکان کے دروازے
 پر لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہی تمہارا مکان ہے۔ میں اس مکان کی رفعت و شان اور ساز و سامان
 دیکھ کر متحیر ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ چار درجے کے مکان کے اندر پہنچا۔ وہاں میں
 نے اپنے اہل و عیال کو دیکھا۔ رشتہ کی کڑے پہنے پہنے ادم اور عمر پھر رہے ہیں اور ایک لاکھ
 درہم اور دس ہزار کا عطیہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد خادم نے دو موضع کی معافی کا قیام
 حوالے کیا اور کہا کہ یہ مکان مع اسباب کے تمہارا ہے امیر المومنین اسی شان و شوکت سے میں
 تیرے برتن تک ہر ایک کا خدمت گزار رہا۔ ان کی قیامتوں اور ہر باتوں سے کسی کو یہ ظہر نہیں
 ہو سکتی تھی کہ آیا میں بھی آل ہر ملک سے ہوں یا کوئی غیر! اور اب بھی جو کچھ ہے انہی کے توان
 گرم کا صدقہ ہے۔ لیکن جب بلالوں نے اس خاندان کو یاد کر دیا تو مجھ پر بھی سخت مصیبت
 پڑی اور میری جو معافی تھی اس پر مردوں معدہ نے مکان تشفی کر دیا۔ اب اس میں کچھ فاقہ
 نہیں ہے اور ہر گاہی مکان کی اور نیکی کے بعد مجھے کچھ نہیں بچتا۔

اب میں ہر ایک کو یاد کرتا ہوں اور ان کے حق میں دعا کرتا ہوں۔

معاذوں رشید یہ حال سن کر متاثر ہوا اور اسی وقت مردوں معدہ کی طلبی کا حکم دیا جب

وہ حاضر ہوا تو پوچھا کہ اس شخص کو پہچانتے ہو کون ہے؟
 عمر نے کہا ہاں واقف ہوں، یہ براء مکہ کا ایک جاگیردار ہے اور اس کی معافی پر مکان
 لگا دیا گیا ہے۔

چنانچہ ماموں الرشید نے اسی وقت حکم دیا کہ بدوبست سے آج تک جو رقم وصول ہوئی ہے
 وہ سب واپس کی جائے اور بدستور معافی ہے۔

ماموں الرشید کا یہ حکم سن کر منذر و مشتقی خوب رویا۔ ماموں نے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا
 موقع ہے؟ دیکھو میں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

منذر نے کہا امیر المؤمنین کا ارشاد صحیح ہے لیکن هذا ایضاً من صنایع البرامکنا، یعنی
 یہ فیاضی بھی براء مکہ کی ہی بددلت ہے نہ میں ان کے حال پر روتا نہ آپ کو خبر ہوتی، نہ یہاں
 تک پہنچتا نہ یہ صلہ ملتا۔

ابراہیم بن میمون کہتا ہے کہ ماموں نے بھی تسلیم کیا اور کہا، لعمری هذا ایضاً من صنایع
 البرامکنا، بے شک براء مکہ کے احسان اور فیاضی پر جس قدر تو اُسو بہاے پچھو گھر اور
 ہے۔ جس قدر غم کرے وہ تھوڑا ہے۔ اس وقت سے منذر کا قول ضرب المثل بن گیا اور
 عرب میں اسے ہر موقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔

یہی کے علو طرف اور جذبہ رحم و کرم کا اندازہ اس واقعہ سے
 عالی ظرفی اور جذبہ رحم ہو گا کہ ایک تباہ حال اور اُتھفہ روزگار شخص عبداللہ بن
 مالک کے پاس جو ہاردن کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، پہنچا۔ اور اس کو یحییٰ کا ایک مکتوب
 دیا کہ یہ شخص مستحق امداد و اعانت ہے اس کی سرپرستی کر کے مجھے مضمون کیجئے۔

عبداللہ اور یحییٰ میں برہابرس سے مخالفت اور شتمک چلی آرہی تھی۔ عبداللہ کو یقین
 نہ آیا کہ یہ خط یحییٰ کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ اس نے تصدیق کے لیے اپنے سفیر متعینہ بغداد کو
 لکھا کہ یہ خط پیش کر کے یحییٰ سے تصدیق کرے کہ کیا واقعی یہ خط اسی کی طرف سے لکھا گیا ہے۔

عبداللہ کے سفیر نے جو دربار خلافت میں رہتا تھا یحییٰ سے یہ واقعہ بیان اور وہ خط
 جو آیا تھا پیش کر دیا۔ یحییٰ اس وقت اپنے ندیوں سمیت بیٹھا ہوا تھا۔ خط کا مضمون پڑھ کر

سیفر کو رخصت کر دیا اور کہا کہ آپ کو کل جواب ملے گا۔

اس نے حاضرین سے پوچھا اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے جعلی خط بنا کر میرے دشمن کے سامنے پیش کیا ہے؟

سب نے مختلف جواب دیے۔ کسی نے قتل، کسی نے قطع ید اور کسی نے سزائے تازیانہ تجویز کی۔

یہی نے اپنے مشیروں کی تجویز سن کر افسوس کیا اور کہا کہ حیف ہے تم میں سے ایک بھی صاحب مروت نہیں۔ معاذ نے جو کچھ کیا ہے میرے کرم اور میری فیاضی کے بھروسے پر کیا ہے۔ مجھے ہرگز نہیں منظور ہے کہ معاذ عبد اللہ کے روبرو شرمندہ ہو۔ علاوہ ازیں عبد اللہ اور میرے درمیان اس طرح صفائی بھی ہو جائے گی۔ گویا منجانب اللہ یہ سامان ہو گیا ہے۔ پھر قلم اٹھا کر اپنے ہاتھ سے اس مضمون کا خط عبد اللہ کو لکھا کہ آپ کا خط میرے پاس پہنچا۔ صحت و عافیت کا اثر وہ سن کر کمان مسرت ہوئی، معاذ نے جو خط پیش کیا ہے وہ خاص میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ آپ کو اس پر شک کیونکر ہوا۔ معاذ میرا دوست ہے اور قابلِ عزت ہے۔ جو کچھ آپ اس پر احسان کریں گے وہ مجھ پر احسان ہوگا۔

یہ خط تمہم کر کے سیفر کے سپرد کیا۔ عبد اللہ نے یہ خط پڑھا تو بہت خوش ہوا اور معاذ سے کہا کہ مدت سے ہم دونوں میں رنج تھا۔ آپ کے ذریعے سے صلح ہو گئی۔ پھر عبد اللہ نے دو لاکھ درہم، دس عربی گھوڑے، مع زین مرصع اور بیس تھان قیمتی کپڑوں کے، دس غلام مع ساز و سامان اور ظروف طلا و نقرہ مرحمت فرمائے اور نہایت اعزاز سے بغداد روانہ کیا۔ جب معاذ بغداد آیا تو سیدھا یحییٰ کے گھر پہنچا۔ اطلاع ہونے پر اندر بلا گیا۔ یحییٰ نے کہا میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ معاذ خوف کے مارے یحییٰ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عرض گزار ہوا۔ میں وہ ہوں جس کو جو رو ستم زمانہ نے مردہ کر دیا تھا۔ لیکن آپ کے ہاتھوں سے دوبارہ زندہ ہوں۔ آپ کی طرف سے جس نے جعلی خط بنا کر عبد اللہ بن مالک کے سامنے پیش کیا تھا وہ ملزم میں ہی ہوں۔

یہ سن کر یحییٰ نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ فرمائیے عبد اللہ نے کیا سلوک کیا معاذ

نے تفصیل سنائی اور کہا تمام اسباب در دولت پر حاضر ہے۔ اب حکم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہی سنا تو بہت خوش ہوا۔ اور کہا کہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میرے اور عبداللہ کے درمیان جو عداوتِ قلبی تھی وہ دور ہو گئی اور خوش ہو کر حکم دیا کہ جس قدر عبداللہ نے دیا ہے اتنا ہی ہماری طرف سے معاذ کو دیا جائے۔ چنانچہ اسی قدر دے دیا گیا۔ اس کے بعد اپنے مصاحبوں میں معاذ کو داخل کر لیا۔

یہی سنی کی سخاوت اور فیاضی کا ایک اور منہ بولتا واقعہ :
سخاوت اور فیاضی مخارق کا بیان ہے کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ہارون رشید جلوہ فرماتھا۔ میں نے کہا اس وقت بے اختیار میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنے استاد ابراہیم موصلی کی خدمت میں حاضر ہوں، ابراہیم کے ہاں پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہلیز پر دربان ایسا وہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”استاد کا کیا حال ہے؟“

اس نے کہا ایسے اندر ایسے،

میں اندر پہنچا۔ استاد بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کچھ بانڈیاں رکھی ہوئی تھیں جو کھد کھدا رہی تھیں۔ دو تین لوٹے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک ستارہ بھی تھا پر دے کے پیچھے کچھ لوٹیاں تھیں۔ سامنے ایک کشتی رکھی تھی جس میں قرینے سے جام، پیالہ اور ساغر رکھا ہوا تھا۔ میں گنگھاتا ہوا داخل ہوا۔ میں نے کہا ستارہ رکھنے سے فائدہ۔ اس میں سے راگ تو نکلتا ہی نہیں۔ استاد نے کہا۔ بیٹھو تو۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ میرے پڑوس میں جو جائداد ہے ایک لاکھ درہم میں فروخت ہو رہی ہے۔ خدا جانتا ہے ہر صدہ دراز سے یہ آرزو ایسے بیٹھا ہوں کہ اس جائداد کو خرید لوں، اب موقع آیا ہے۔ میں نے کہا تو یہ کون سا مشکل کام ہے۔ خدا نے آپ کو اس سے کہیں زیادہ دولت عطا فرمائی ہے۔

”ہاں یہ سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ جو رقم جمع ہو چکی اس میں سے کچھ نکالوں۔“

”پھر اس وقت ایک لاکھ درہم آپ کو کون دے گا؟“

”یہ تو خود رشید سے بھی ملنے کی امید نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی اور دے سکے۔“

میں نے یہ راگ ایجاد کیا ہے اسے سمجھو۔
 استاد تیار کر بیٹھ گئے، یہ شعر پتے پتے راگ میں انہوں نے گایا:
 ترجمہ، ”رفقا تو ہجوم یاس والہم میں بھی سو رہے ہیں مگر فرطِ غم سے میری آنکھ نہیں نکلتی،“
 اگر تجھے بخشش کی، منفعت کی، دولت کی طلب ہے تو یچی کے دروازہ پر جا، وہ
 جو دو کرم کا حلیف ہے۔

استاد نے کہا اب تم وزیر الوزرا یچی برمی کے در دولت پر جاؤ۔ تم دیکھو گے وہاں لوگوں کا تانتا
 لگا ہوا ہوگا، دروازہ پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ تم جلدی سے یچی کے قریب قبل اس کے کہ کوئی
 دوسرا پہنچے پہنچ جانا۔ اگر وہ پوچھیں تو سارا ماجرا کہہ دینا اور کہنا میں چاہتا ہوں آپ کی فلاں کینز
 اسے اذہر کر لے۔ یچی اسے بلائے گا اور تم سے کہے گا، اُسے میرے سامنے سکھاؤ پھر جو کچھ
 گزرے مجھے آکر بتانا۔

میں یچی کے در دولت پر پہنچا اور استاد کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا ہوا۔ وہی پیش
 آیا جو استاد نے بتایا تھا۔ جب میں کینز کو گانا سکھا چکا تو یچی نے مجھ سے پوچھا۔
 ٹھہرو گے یا جاؤ گے؟

اب جاننے کی اجازت چاہتا ہوں۔

یچی نے جانتا دو کی قیمت ایک لاکھ درہم فوراً استاد کو بھجوا دی اور دس ہزار درہم
 مجھے عنایت کیے۔ میں روپے لے کر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ اپنی خوش ادا کینزوں کے
 سامنے یہ دولت فراواں میں نے ڈھیر کر دی۔ مسند پر ٹھاٹھ سے نیکہ لگا کر بیٹھ گیا اور
 شراب و کباب میں مصروف ہو گیا۔ سارا دن کیف و طرب کے عالم میں گزر گیا۔

دوسرے دن میں نے کہا لاؤ ذرا استاد کو دیکھتے چلیں۔ میں پہنچا، وہی کل کا سماں آج
 بھی تھا۔ میں نے دیکھا استاد کچھ مٹہ پھلانے بیٹھے ہیں۔ پوچھا آپ کو ایک لاکھ درہم نہیں
 پہنچے۔

پہنچے تو۔

پھر؟

تم پر کل کیا گزری، یہ بتاؤ؟

میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ پھر میں نے پوچھا۔ اس پرے کے پیچھے کیسے ہے استاد نے کہا دیکھ لو، میں نے پر وہ اٹھایا تو دیکھا کہ کل والی دس تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں، پھر اب جاؤ اور کیوں تمہیں خرید لیتے استاد؟

جو چیز گھر میں آگئی وہ باہر نہیں نکلتی۔

پھر کیا ہو گا؟

ایک اور تیاراگ سیکھو۔

میں استاد کے پاس بیٹھ گیا اور وہ نیا راگ بھی سیکھ لیا۔ استاد کی آواز سنی تو معلوم ہوا براگ، یہ آواز، یہ ستر بالکل نیا ہے پہلے جو کچھ سنا تھا وہ اس کے مقابلے میں بالکل پیچ تھا۔ استاد نے فرمایا۔

لے اب اٹھو اور سیدھے فضل بن یحییٰ کے پاس جاؤ، تمہیں معلوم ہو گا وہاں بارہا ہونے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں، لیکن تم اجازت طلب کر کے جانا اور میری ساری کتھا سنانا۔ کل کا قصہ کہنا اور یہ بھی بتانا کہ اس کے باپ نے میرے اور تمہارے ساتھ کیسی دریا دلی کا مظاہرہ کیا، پھر اسے بتانا کہ میرا یہ نیا راگ کل کے مقابلے میں کتنا اعلیٰ درجے کا ہے اور میں نے تمہیں اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کی کسی کینز کو یہ سکھا دو۔

یہ ہدایات لے کر میں فضل بن یحییٰ کے در دولت پر گیا۔ اجازت لے کر اس کے

پاس پہنچا، پوچھا کیا بات ہے؟

میں نے کل کی ساری رام کہانی سنا ڈالی۔

کہا خدا براہیم کو غارت کرے بڑا کنجوس ہے۔

پھر اس نے ایک خادم کو بلایا۔ وہ سارے کے بیٹھا اور میں نے اہلقتین شروع

کر دی۔ میں ابھی اپنا گانا پورا بھی نہ کر پایا تھا کہ فضل سارے کے سامنے اپنی مسند پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

خدا کی قسم مخارق! تمہاری اور تمہارے اُستاد کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ تم ایک دن میرے پاس ٹھہر کیوں نہیں جاتے۔

میں نے معذرت کی۔ فضل نے فوراً بیس ہزار روپے میرے حوالے کیے۔ اور دو لاکھ روپے میرے اُستاد کے پاس بھیج دیے۔ میں تو اپنے درہم لے کر گھر پہنچا، تھیلیاں کھولیں اور کنبڑوں کے سامنے ڈھیر کر دیں، شراب کے ڈور چلے، کیف و سرور کی دنیا میں کھو گیا۔ صبح ہوئی تو میں نے پھر خانہ اُستاد، کارخ کیا۔ جس رنگ میں گل تھے اسی میں جگمگاتے بیٹھے تھے۔ گنگنا تا ہوا داخل ہوا۔ اُستاد نے کہا قریب آؤ۔

فرمائیے!

یہ پردہ اٹھاؤ!

میں نے پردہ اٹھایا تو گل کی اور پرسوں کی تھیلیاں جوں کی توں رکھی ہوئی ہیں۔ میں

نے پوچھا:

”یہ کیا ہے؟“

”کم سخت جانتا نہیں، جو روپیہ میرے پاس آ گیا وہ پھر باہر نہیں جاتا، میں نہیں سمجھ سکتا کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے جسے اتنی دولت ملے اور پھر اپنی محبوب و مرغوب چیز کنبڑوں کی وجہ سے نہ لے سکے۔“

”بیٹھو بیٹھو، یہ نیاراگ سیکھو۔“

اب اُستاد نے اپنے نئے راگ کی مجھے تعلیم دی، خدا کی قسم پہلے کے دونوں راگوں کو گویا میں اس کے آگے بھول گیا۔ اُستاد نے پوچھا:

”سچ کہنا ایسا راگ کبھی سنا ہے؟“

”کبھی نہیں اُستاد!“

”اب تم جعفر برہمی کے پاس جاؤ۔“

میرے لیے چارہ کار ہی کیا تھا، روانہ ہوا۔

جعفر کو میں نے بیٹھی اور فضل کے ہاں کا سارا قصہ سنایا۔ پھر اُستاد کا نیاراگ بھی سنایا۔

جعفر بہت مسرور ہوا۔ فوراً سازندے طلب ہوئے، ایک کینز بلائی گئی۔ خود جعفر ایک مرتع کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور کہا۔

”ہاں مہارق شروع کرو،“

میں نے تعمیل کی، جعفر نے کہا:

”مہارق تم خوب گائے اور تمہارے اُستاد نے بہت خوب راگ ایجاد کیا، آج یہیں

کیوں نذرہ جاؤر،“

میں نے غدر کیا جو مجموع ہوا۔ خزاپچی کو حکم ہوا کہ مجھے تیس ہزار درہم دیے جائیں اور

ابراہیم کے پاس تین لاکھ درہم بھیج دیے جائیں۔“

میں تو حسب معمول یہ دولت کثیر لے کر گھر پہنچا۔ دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ خوب

رنگ رلیاں منائیں، سارا وقت عیش و طرب میں گزر گیا۔

صبح ہوئی تو میں پھر اُستاد کے پاس پہنچا، وہ ٹھہل رہے تھے، کہنے لگے:

”مہارق شاہاش،“

در کیا ہوا؟“

”بیٹھو،“

میں بیٹھ گیا، پھر پردہ اٹھایا۔ دیکھنا کیا ہوں کہ درہم ہی درہم رکھے ہوئے ہیں۔ میں

نے پوچھا:

”جاؤ کا کیا ہوا؟“

اُستاد نے ایک کاغذ نکالا اور میرے سامنے رکھ دیا۔ فرمایا یہ سے جاؤ کا قبالہ اسے

یہی بنی بنی بنی نے خریدا اور مجھے بخش دیا۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھا ہے وہ بھی

دیکھ لو۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ جاؤاد خواہ تمہیں کتنا ہی روپیہ مل جائے خود نہیں خرید سکو گے۔

”میں اس جاؤاد کو خرید کر قبالہ تمہیں بھیج رہا ہوں۔“

یہ خط اور قبالہ دکھا کر ابراہیم رونے لگا:

مخارق انہی لوگوں کے ساتھ زندگی کا، مسرور رہنے کا اور اٹھنے بیٹھنے کا لطف ہے۔ یہ
دیکھو چھ لاکھ درہم، ایک لاکھ کی جائداد اور ساٹھ ہزار درہم یہ سب میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے
بیٹھے حاصل کر لیے، ایسے قدر دان قسمت ہی سے ملتے ہیں۔

فارسی طبیب سے حسن سلوک ایک مرتبہ یحییٰ سخت بیمار پڑا، درباری حکیموں
اور طبیبوں نے علاج اور دوا دوش میں کوئی دقیقہ

نہ اٹھا رکھا، لیکن مرض بڑھتا گیا ہوں جوں دوا کی۔ اطلاع ملی کہ فارس میں ایک یکتائے
روزگار طبیب عداقت میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ وہ بلایا گیا۔ اس نے تندہی کے ساتھ
علاج شروع کر دیا۔ دو ہفتے کے علاج میں یحییٰ کو کامل صحت ہو گئی۔ غسلِ صحت کے
دن ظروفِ نقرہ، جامہائے قیمتی، اسپانِ مطوق، زر و جواہر اور نقدی ملا کر تیس ہزار
دینار یحییٰ نے صلے میں دیے۔ علاوہ اس کے دو ہزار درہم اور خلعتِ فضل نے اور ایک
لاکھ درہم مع تحائف کے جعفر نے طبیب کو انعام دیا اور یرامکہ کی ایک فیاضی سے
تمام عمر کے لیے طبیبِ فارس دولت مند ہو گیا۔ سچ یہ ہے کہ خاندانِ یرامکہ اہلِ کمال
کا نشان تھا۔

ایک حکیم کا وظیفہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے عیون الابرار میں جبرئیل بن سنجیت شروع
حکیم کی سالانہ آمدنی کا ایک نقشہ دیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ سالانہ وظیفہ جبرئیل کو جو صرف یرامکہ سے ملتا تھا وہ یہ ہے:

یحییٰ بن خالد برمکی چھ لاکھ درہم، جعفر بن یحییٰ بارہ لاکھ درہم، فضل بن یحییٰ چھ لاکھ
درہم، یرقم تو خاص تھی۔ اور مختلف موقعوں پر غسلِ صحت کے وقت جو دیا جاتا تھا وہ قوم
خارج از حساب ہیں۔

اہلِ علم کی قدر دانی خطیبِ بغدادی نے تاریخِ بغداد میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن
عمر الواقدی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ علامہ مذکور مدینہ میں
گندم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن تجارت میں جو روپیہ لگا ہوا تھا وہ اور لوگوں کا تھا۔
اتفاق سے اس المال کے ایک لاکھ درہم تلف ہو گئے۔ تب یحییٰ برمکی کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ خدام اور حاجب نے جس وقت دسترخوان بچھالے جا کر پیش کیا۔ کیونکہ صلائے عام کا وقت تھا۔ سب کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گئے۔ ابو عبد اللہ کا بیان ہے کہ فرائع طعام کے بعد بیچنی نے میرا حال پوچھا، میں نے سارا قصہ بیان کیا اور رخصت ہو کر میں چلا بھی گیا۔ میرے مکان پر ایک خادم پہنچا اور ایک ٹھیلی ہزار دینار کی پیش کی اور پیام دیا کہ بیچنی نے سلام کہا ہے اس کو قبول فرمائیے اور کل پھر تشریف لائیے گا۔

میں نے وہ نذرانہ قبول کیا۔ چنانچہ متواتر چار روز تک یہی ہوتا رہا، تب میں نے جانا بند کر دیا۔ رخصت کے وقت دو لاکھ درہم اور ایک مکان مع سامان کے مرحمت فرمایا اور درخواست کی کہ میرے پاس سکونت اختیار کیجئے۔

میں نے دعاوی اور وعدہ کیا کہ بعد واپسی مدینہ منورہ کے حاضر خدمت ہوں گا۔ چنانچہ رہا ہی کیا اور تمام عمر بغداد میں بسر کر دی۔

علاوہ اس ظاہری قیاضی کے خفیہ طور پر بھی علماء اور علماء و صلحاء کی خفیہ خدمت کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن خلدکان نے لکھا ہے کہ کسی نے بیچنی کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ تو کہا کہ خدا نے مجھے سفیان کی دعا کی بدولت بخش دیا کیونکہ میں ایک ہزار درہم سفیان کو دیا کرتا تھا۔ اور وہ میرے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔

بیچنی کے مقولے بیچنی کے بہت سے پُر مضر اور حکیمانہ مقولے بھی کتب تاریخ میں ملتے ہیں۔ منجملہ ان کے منشیہ نمونہ از خردار۔ بے چند نمونے یہ ہیں:

” جس شخص نے مجھ سے گفتگو کی میں نے وہ گفتگو ادب اور لحاظ سے سنی، جب وہ شخص اپنا کلام ختم کر چکا تو یا تو اس کا ادب اور لحاظ میرے دل میں زیادہ ہو جاتا یا بالکل ہی دل سے محو ہو جاتا تھا۔“

دوسرا مقولہ اس کا یہ کہ،

” اقرار اور وعدہ کی وفا فی قیاض آدمی کے جال ہوتے ہیں جن میں کہ وہ تشریف اور اچھے آدمی کی زبانوں سے تعریفیں اور توصیفیں پکڑتا ہے۔“

یہی جب کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تو اس کے ساتھ زر نقد کی تھیلیاں ہوا کرتی تھیں
ہر تھیلی میں دوسو درہم ہو۔ تہہ تھے جو شخص اس سے سوال کرتا تھا اس کو ایک تھیلی دے دیتا تھا۔
فضل اور جعفر میں بھی یہی فیاضی برابر قائم رہی۔

یہی کا قول ہے کہ جب زمانہ موافق ہو اس وقت بھی خوب
فیاضی کرنی چاہیے، کیونکہ جو دو کرم سے خزانے میں کمی نہیں
ہوتی۔ اور جب ادبار ہو اس وقت بھی فیاضی سے ہاتھ نہیں روکنا چاہیے، کیونکہ دولت
روکنے سے اس وقت نہ رُکے گی (کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے)

بادشاہ کس طرح پیک جنبش سب لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے
ایک عجیب واقعہ ہیں۔ اصحاب عزیمت کیونکہ طوفانِ قہر و عتاب کا رخ اپنی دریاولی
اور سخاوت سے موڑ دیتے ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوگا:

صالح بن مہران جو ہارون الرشید کے مقربین میں سے تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک دن
خلیفہ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں کہ ہارون الرشید بڑا خشمگین اور برہم بیٹھا ہے
ذرا دیر بعد خلیفہ نے سراٹھایا اور فرمایا: فوراً جاؤ اور منصور بن زیدو سے ایک کروڑ درہم وصول
کرو۔ اگر وہ روپیہ ادا کرنے سے انکار کرے تو اس کا سر کاٹ کر تجارے سامنے پیش کرو۔ اگر
تم نے تعمیل حکم میں پس و پیش کیا تو میں اپنے والدِ مہدی کی رُوح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ
پھر تیرا سر کاٹ ڈالوں گا۔

صالح نے دریافت کیا کہ امیر المومنین! اگر منصور ایک حصہ زر فوراً ادا کرے اور بقایا
کی ادائیگی کے لیے دوسرے دن کے لیے کسی کی ضمانت دے دے تو اس حالت میں کیا
کیا جائے۔

خلیفہ نے کہا اگر وہ آج ہی ایک کروڑ درہم نقد نوے تو سر کاٹ ڈالنا۔
صالح کو یقین ہو گیا کہ خلیفہ منصور کے قتل کے دیرے ہے۔ وہاں سے طول و غمگین
روانہ ہوا۔ کیونکہ منصور اس کا دوست تھا اور بغداد کے مشاہیر میں بہت ہی مقدر تھا۔
صالح سیدھا منصور کے گھر گیا اور اسے الگ لے جا کر تمام کیفیت بیان کر دی۔ منصور

نے اپنے تئیں صالح کے قدموں میں ڈال دیا اور رو کر کہا کہ امیر المومنین میرے قتل کے ورپے ہے، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ میرے پاس اتنا روپیہ ساری عمر میں کبھی جمع نہیں ہوا۔ پھر اتنی رقم میں ایک دن میں کیسے مہیا کر سکتا ہوں؟ برائے خدا ایک مہربانی کرو اور وہ یہ کہ مجھے گھر ہونا ہے ورنہ سب سے آخری ملاقات کو لوں اور جس قدر میری جائداد ہے وہ میں تمہاری سپرد کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اسے تقسیم کر دینا۔

صالح نے منصور کی یہ درخواست منظور کر لی۔

یہ غم انگیز اطلاع منصور کے گھر پہنچی تو شور و فغاں سے منصور کے گھر کھرام مچ گیا۔

صالح منصور کو قتل کے لیے لے جانے والا ہی تھا کہ منصور نے مایوسی کی حالت میں

کہا کہ اے صالح بیچنی کا گھر راستے میں واقع ہے مجھے وہاں لے چلو، شاید وہ میری حالت زار دیکھ کر رحم کرے، صالح اس بات پر راضی ہو گیا اور منصور کے ساتھ بیچنی کے مکان پر پہنچا۔ بیچنی نماز سے ابھی فارغ ہوا ہی تھا۔

بیچنی نے منصور کی مصیبت اور بے چینی دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ جب سارا

حال معلوم ہوا تو خزانچی کو بلوایا۔ معلوم ہوا کہ جتنا روپیہ چاہیے اتنا خزانہ میں موجود نہیں

ہے۔ آخر فضل اور جعفر اپنے دونوں بیٹوں کے یہاں سے روپیہ منگوا کر ستر لاکھ درہم جمع کر

دیا۔ باقی کے لیے بیچنی نے کل کا اقرار کیا۔ صالح نے بیچنی سے کہا ہارون نے قطعی حکم دے

دیا ہے کہ آج ہی سب مطالبہ منصور سے وصول کر لیا جائے اور اگر وصول نہ ہو تو سر

کاٹ ڈالا جائے۔

جعفر نے جب یہ حال سنا تو اپنی ایک معتمد کنیز کو ہارون کی بہن فاطمہ کے پاس بھیج

کر جس قدر کہ روپیہ منصور کے مطالبہ میں کم تھا اس سے مستعار منگوا یا۔ یہ شہزادی فاطمہ بڑی

فیاض خاتون تھی۔ اس نے ایک پیش قیمت ہار کنیز کو دیا جس کی قیمت اس قدر تھی جتنی

جعفر نے مستعار منگائی تھی۔ بیچنی نے اس طرح ایک کروڑ درہم مہیا کر کے یہ سب روپیہ

منصور کے ہمراہ جمالوں کے سر پر رکھوا کے بھیج دیا۔ خلیفہ نے صالح سے دریافت کہ یہ

سب روپیہ کس طرح وصول ہوا؟

جب اسے تمام کیفیت معلوم ہوئی تو حکم دیا کہ روپیہ خزانے میں داخل کر دیا جائے اور منصور کو رہا کر دیا جائے۔

یہی کو اپنے حضور میں بلوایا جب یہی حاضر ہوا تو اس نے دریافت کیا امیر المؤمنین منصور پر آپ کی اس قدر خفگی کا کیا باعث ہے؟

ہارون الرشید نے جواب دیا کچھ تو یہ وجہ تھی کہ مجھے اس پر یہ شبہ ہو گیا تھا کہ وہ باغی ہو گیا ہے، لیکن خاص وجہ یہ ہے کہ منصور تم سے بہت خراب سلوک کیا کرتا تھا حالانکہ تم نے اب بھی اس کی خبان بچائی۔

پھر خلیفہ نے خود ہی یہی سے کہا کہ تم نے شہزادی فاطمہ سے پار منگایا۔ یہ بہت بڑی بات ہوئی۔

یہی نے جواب دیا امیر المؤمنین! جب اللہ تعالیٰ انسان پر مصیبت ڈالتا ہے تو وہ اس سے خلاصی پانے کے لیے کسی سے مدد چاہا کرتا ہے۔

یہ سن کر ہارون سنس پڑا شہزادی فاطمہ کو بلا کر اسے بہت برا بھلا کہا کہ تم نے اس کام میں کیوں شرکت کی؟

فاطمہ نے جواب دیا میں یہی بڑی کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں اس لیے اس کی فرمائش میں رو نہیں کہہ سکتی۔

خلیفہ کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور وہ بار شہزادی فاطمہ کو واپس دے دیا۔ لوگوں کا اڑدھام جو ایوان خلافت کے باہر جمع ہو گیا تھا یہی اور منصور کو زندہ آنے دیکھ کر بہت ہی متعجب ہوا۔ اور مسرور بھی۔

داستان زوال

یہ تو تھی داستان عروج۔ اب اُفتاب اقبال ڈھلتا ہے۔ قسمت کا ستارہ گردش میں آتا ہے اور ارباب زوال کا دور شروع ہوتا ہے۔

حکیم جبرئیل بن بختیشوع کہتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن قصر خلد میں بیٹھا

ہوا تھا کہ میں بھی وہاں جا نکلا۔ وسط میں دریائے دجلہ کا منظر عجب لطف سے رہا تھا۔ سامنے نے
آل برمک کی رفیع الشان عمارتیں منظر آ رہی ہیں۔ یحییٰ برمکی کے دروازے پر سوار اور پیادوں
کا ہجوم ہو رہا تھا۔ رشید نے دیکھا تو کہا:

”خدا یحییٰ برمکی کا بھلا کرے، غریب ہمارے واسطے کیسی سخت محنت اٹھاتا ہے، ہم
اس کی بدولت آرام سے عیش کرتے ہیں۔“

حکیم مذکور کہتا ہے کہ ایک زمانے کے بعد پھر مجھے قصر خلد میں جانے کا اتفاق ہوا
اور وہی گزشتہ سال آنکھوں کے سلسلے تھا۔ اس روز میں نے رشید کو یہ کہتے سنا:

”حقیقت میں یحییٰ خلافت کرتا ہے میں تو برائے نام ہوں۔“

میں اسی وقت سمجھ گیا کہ بس اب برمک کی خیر نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بادشاہ جب کسی وزیر یا بااقتدار شخص کو بدلتا ہے تو کسی
ہارون کا طرز عمل دفعۃً بیک جنبش لب اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اور

کبھی یہ عمل رفتہ رفتہ انجام پاتا ہے۔ یحییٰ کا زوال اسی طرح ہوا۔

ہارون الرشید کے طرز عمل اور روزانہ معاملات میں یحییٰ کو اپنی تباہی کے آثار نظر
آئے تھے اور دن رات اسی ادھیڑ میں رہتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ کے قوی بالکل
منحصر ہو گئے اور حزن و ملال کی علامتیں اس کے چہرے پر نظر آنے لگیں جب رشید نے
یحییٰ کو دیکھا کہ وہ بالکل تھک گیا ہے اور ہر وقت اس پر اسی چہناق رہتی ہے تو
ایک دن یحییٰ سے پوچھا کہ میں ان دنوں آپ کو بحالت پریشان دیکھتا ہوں اس کا باعث
کیا ہے؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ ”اس شخص کا حال نہ پوچھے جس کے سانسے موت کا فرشتہ
کھڑا ہو۔“

خلیفہ نے تجاہل عارفانہ سے یحییٰ کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میری حیات میں
آپ کو اس قسم کے واقعات پیش آویں، آخر وہ ہے کون جس کی طرف سے آپ کو غم ہے؟
یحییٰ نے کہا کہ سوائے امیر المؤمنین کے اور کون ہے؟ جس سے مجھے خوف ہو سکتا ہے
میری مشکلات کی انتہا اتنا نہ خلافت تک ہے، خود سلطنت ہمارے خاندان کی دشمن ہے۔

یہی باعث میری پریشانی کا ہے۔

یہی کی تقریر سن کر خلیفہ نے بہت سی قسمیں کھائیں اور کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی قسم کی برائی نہ کروں گا۔

یہی نے کہا کہ مجھے زبانی باتوں کا اعتبار نہیں، کیونکہ جب غضب کی آگ بھڑکتی ہے تو اس وقت معاہدہ اور حلف کا خیال نہیں رہتا۔ تب خلیفہ نے ایک کاغذ پر ان قسموں کو جن کا زبانی اقرار کیا تھا، لکھا اور بطور معاہدہ کے کچھ اور بھی اضافہ کیا۔ تکمیل کے بعد عبداللہ بن علی، عباس بن محمد، محمد بن ابراہیم اور موسیٰ بن عیسیٰ جو بنی ہاشم سے تھے، اس معاہدہ پر دستخط ہوئے، علاوہ اس شہادت کے ارکان فوج کی بھی مہریں ہوئیں اور دستاویز یہی کے حوالے کر دی گئی۔ اور دستاویز دیتے وقت ہارون نے کہا:

بگڑتے لایزال میرے دل میں کبھی خاندانِ برامکہ کی برائی کا خیال بھی نہ آئے گا، ہارون کی اس کارروائی سے یہی بہت خوش ہوا اور اپنے بیٹے فضل سے کہا کہ:

”اس کاغذ کو بہ احتیاط رکھنا کسی وقت ختم آئے گا۔“
 فضل نے کہا کہ: اگرچہ ہارون میرا بھائی دیر رضاعت ہے لیکن انتقام کے وقت اپنی تحریر کا وہ کچھ بھی خیال نہ کرے گا بلکہ اس کا جو جی چاہے کر گزرے گا۔“
 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خانہ کعبہ کے سامنے کچھ روز بعد یہی حج کرتے گیا حرم کا پردہ پکڑ کر یہ مناجات کرتا ہے:

”اے خدا میں گنہ گار ہوں، اور میرے گناہ بھی بے شمار ہیں جس کو تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر تیری یہی مرضی ہے کہ مجھ کو سزا دی جائے تو میں راضی ہوں لیکن یہ سزا مجھ کو دنیا ہی میں دی جائے مجھے کچھ افسوس نہ ہوگا۔ اگرچہ میری دولت اور میرے اہل و عیال مجھ سے چین لیے جائیں لیکن اے خدا میری عزت باقی ہے۔“

یہ دعا کر کے دروازہ مسجد حرم تک پہنچا تھا کہ پھر لوٹ آیا اور کہا اے خدا

اپنی عزت کو میں نے دعایں مستثنیٰ کیا ہے۔ نہیں۔ تو یہ بھی سلب کر لے۔ میں
راضی ہوں۔“

آل برماک پر مظالم

جعفر کو قتل کرنے کے بعد ہارون نے یحییٰ اور برمکی خاندان کے تمام سربراہ اور وہ
اصحاب کو حوالہ زنداں کر دیا۔

آخر ۱۹۰ھ (۸۰۵ء) میں بمقام رقعہ فوت ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال کی تھی
فضل برمکی نے جنازے کی نماز پڑھائی اور نہر فرات کے کنارے ریض ہرثمہ میں دفن کیا گیا
ابن خلکان کی روایت ہے کہ انتقال کے
وقت یحییٰ کو کسی قسم کا عارضہ نہ تھا۔ لیکن
متواتر صدقات اور بڑھاپے کی وجہ سے وہ تحلیل ہو گیا تھا۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ جب
یحییٰ کی موت کا وقت قریب آ گیا تو اس نے اپنے فلم سے ایک رقعہ لکھا اور فضل کو وصیت
کی کہ میرے بعد اس کو خلیفہ ہارون الرشید کے پاس بھیج دینا۔

مضمون اس کا یہ تھا:

”مداعی و ادخوابی کے واسطے عدالت کے کٹہرے میں جاتا ہے اور تو بھی پیچھے

آنے والا ہے۔ خدا عادل اور منصف ہے۔ پیشی کے وقت وہاں معلوم ہو جائیگا۔“

خاندان برمکہ کے زوال کے بعد ہارون الرشید نے تمام شاعروں کو
ہارون کے سامنے ممانعت کر دی کہ کوئی ان پر مزنیہ نہ پڑھے اور نہ لکھے جو شخص ایسا
کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اتفاقاً ایک رات نگہبانان شب برمکہ کے مسما شدہ
مکانات اور کھنڈروں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ ان کو وہاں ایک شخص ملا جس کے ہاتھ
میں ایک کاغذ تھا اور اس میں آل برماک کے لیے مرثیے لکھے ہوئے تھے۔ ان مرثیوں کو
وہ شخص پڑھتا اور روتا جاتا تھا۔

سپاہیوں نے اس شخص کو گرفتار کر لیا اور ہارون الرشید کے حضور میں لے گئے۔ خلیفہ

کے سامنے جاتے ہی اس شخص نے مرثیہ پڑھنے کا اقبال کر لیا۔ خلیفہ نے کہا اس بارے میں میں نے ممانعت کر رکھی ہے کیا وہ تم نے نہیں سنی؟ میں تم کو ایسی سزاؤں کا جو دوسروں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔ اس شخص نے کہا کہ امیر المومنین! اول میرا قصہ آپ سن لیں بعد ازاں آپ کا جو دل چاہے وہ سزاؤں۔ خلیفہ نے کہا اچھا کہو۔

اس شاعر نے کہا:

میں ابتدا میں یحییٰ برمک کا ایک ادنیٰ محرر تھا۔ ایک دن یحییٰ نے مجھ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم کسی روز میری دعوت کرو۔

میں نے جواب دیا۔ وزارت پناہ میں ایسی عزت کے حصول کے قابل کب ہوں۔ اور یہ میرا مکان اس قابل ہے کہ آپ جیسا ذمی شان شخص وہاں رونق افروز ہو کر دعوت تناول فرمائیے۔ یحییٰ نے میرا عذر منظور نہیں کیا۔ چنانچہ میں نے دعوت کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ جب میں حتی الوسع ان کو پورا کر چکا تو میں نے وزیر اعظم سے عرض کیا کہ اب آپ کسی دن اس خادم کے مکان پر قدم رنج فرمائیں۔ دوسرے دن یحییٰ مع اپنے دونوں بیٹوں فہر و جعفر اور چند خدمت گاروں کے میرے مکان پر آیا۔ اور دروازے پر گھوڑا اٹھا کر اتر پڑا۔ اور کہا کہ میں بھوکا ہوں۔ جلد میرے لیے کچھ کھانا لاؤ۔ اتنے میں اس کے بیٹے فضل نے مجھ سے اہستہ سے کہا کہ یحییٰ کو جانوروں کے گوشت کا زیادہ شوق ہے لیکن جو حاضر ہو، وہ جس قدر جلد ممکن ہو لے آؤ۔ میں گیا اور جو کچھ جلدی میں ہو سکا کھانا لا کر اس کے آگے دسترخوان پر رکھا۔ یحییٰ کھانا کھا کر کھڑا ہو گیا اور میرے مکان میں ٹہلنے لگا اور مجھ سے کہا کہ تم مجھے اپنا پورا مکان دکھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میرا تو یہی مکان ہے جس میں آپ رونق افروز ہیں اور وہ آپ کے پیش منظر ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی میرا مکان نہیں ہے۔

اس نے کہا نہیں تمہارا ایک مکان اور بھی ہے۔ میں نے یحییٰ کو یقین دلایا کہ میرا تو

صرف یہی ایک مکان ہے۔

اس نے پھر چند محاروں کو بلایا اور جب وہ آگے آئے تو اس نے حکم دیا کہ اس دیوار کو لوٹ

کر جو میرے مکان سے ملحق تھی ایک دروازہ بنا دو۔

اس بات پر میں نے سبھی سے عرض کیا کہ وزارت پناہ میں ہمسایہ کی دیوار توڑوانا کس طرح گوارا کر لوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کی عزت اور لحاظ کرو۔
سبھی نے جواب دیا کوئی بات نہیں۔

اسی اثنا میں مزدوروں نے دیوار توڑ کر ایک دروازہ بنا دیا۔ سبھی اور ہم سب اس دروازہ کے اندر ہو کر اس طرف گئے۔ وہاں ایک باغ میں پہنچے جہاں طرح طرح کے میوہ دار درخت اور قسم قسم کے پھول کھل رہے تھے، ذرا بے متصل جاری تھے۔ غرض کہ جس چیز پر نظر پڑتی تھی دل کو اس نظارہ سے بے انتہا انبساط اور فرحت حاصل ہوتی تھی۔ مکانات، فرش و فرش اور شیشہ و آلات سے نہایت آراستہ اور سجے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر، لونڈی غلام سب موجود تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی بڑے امیر کا مکان ہے۔ ہم سب وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں سبھی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ تمہارا مکان ہے اور یہ کل سامان مع لونڈی غلام سب تمہاری ملکیت ہے۔ میں نے بطور اولیٰے شکریہ سبھی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کے لیے دعائے خیر مانگی۔ سبھی نے جعفر کو مخاطب ہو کر کہا کہ (نور چشم) یہ شخص غریب ہے اس سے اس قدر نوکر چاکر اور لونڈی غلاموں کا خرچ کیسے اٹھ سکے گا جعفر نے عرض کیا کہ میں اس کو اپنے جاگیر دوں گا اور اس کا قبلاہ ابھی اس کے پاس بھیج دوں گا۔ پھر سبھی اپنے دوسرے بیٹے فضل کی طرف رخ کیا اور کہا کہ نور چشم من جاگیر اور جائداد کی آمدنی تو ایک عرصے میں آسے گی۔ اس وقت تک استراحت کا کہاں سے کیل ہو گا۔

فضل نے کہا میں اس کے خرچہ کے لیے دس ہزار دیناروں کا اور خود آکر دے جاؤں گا۔ سبھی نے اسے بیٹوں سے کہا جلدی جاؤ میں یہاں بیٹھ رہوں تمہیں تر کچھ کہتا ہے اسے پورا کر دو چنانچہ جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ میں نے اس کو بگاڑا اور جائداد پر قبضہ کر لیا۔ اور زر نقد اپنے تصرف میں لے آیا۔ ان کے طبیب سے مجھے بڑی دولت مل آئی۔ میں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا اور اب تک اٹھارہ ہزار ہوں۔ امیر امومنین، خدا گواہ ہے کہ میں نے ہر موقع پر ان کی شکر گزاری اور اپنی ممنونیت ظاہر کی، لیکن میرا خیال ہے کہ مجھ سے ان کا احسان کبھی ادا نہ ہو سکے گا۔ اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے جو دل چاہے کیجئے۔

یہ حکایت سن کر ہارون بہت متاثر ہوا اور اس کے آنسو رواں ہو گئے۔ اس شخص کو

جھوٹا اور تمام شاعروں کو اجازت دے دی کہ ہر دلعزیز لیکن بد قسمت خاندانِ ابرامک پر اگر کوئی مرتبہ
کے پاپڑے تو اس سے کوئی باز پرس نہ کی جائے۔

یہ تھی بیچی کی بیوی اور جعفر کی ماں

محمد بن عثمان حاکم کو فہ کا بیان ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن میں اپنی والدہ کی خدمت میں
حاضر تھا کہ اس کی مجلس میں میں نے ایک ضعیف عورت کو دیکھا جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے
نہایت فصاحت و بلاغت سے بول رہی تھی میری ماں نے کہا کہ بیٹا اپنی خالہ کو سلام کرو۔

میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟

انہوں نے کہا یہ عتابہ ام جعفر برمکی ہیں۔

یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور انقلابِ زمانہ پر مجھے نہایت تعجب ہوا۔ پھر میں نے سلام

کیا اور پوچھا کہ یہ کیا حال ہے بیان فرمائیے!

کہا: اے بیٹا کیا پوچھتا ہے۔ دنیا ایک آنے جانے والی چیز ہے۔ کل کی بات ہے کہ عید
کے دن میرے سر ہانے چار سو کنیزیں کھڑی ہوتی تھیں، باوجود اس کے میرا خیال تھا کہ جعفر میری
خدمت میں کوتاہی کرتا ہے اور ایک دن یہ ہے کہ میرے صرف دو پوستین ہیں جن میں سے
ایک میرا اوڑھنا ہے اور ایک بچھونا۔

ماخذ

الاعانی، ہارون الرشید و پامر، ابرامک، کامل ابن اثیر، ابن خلدون، ابن خلکان،
المستطرف، اعلام الناس، حدیقہ الاتالیم، طبقات الاطباء، جامع الحکایات،
روضۃ الصفا، تاریخ الخلفاء، عتبہ الفرید، مستودعی۔

فضل برہمی

یہ بچہ کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ دانا و پینا، ذکی و عاقل، سعاد مند و عادات و خصائل خوش اطوار، لکھ لٹ اور غنی دل، سراپا رحم و کرم، سراپا بخشش و عطا، سراپا جو و سخا، بیچہ کو اس پر ناز تھا۔ یہ صحیح معنی میں آلِ برہم کا گلِ سرسید تھا۔ باپ کا عصائے پیری، بھائی کا قوت بازو، خاندان کا سہارا، قوم و ملت کا پشتیبان، اسلام پر مضحکہ، جذبہ اسلام سے مہمور اور مجبور۔

صاحبِ سیف و قلم فضل نے اپنے باپ کی ساری خوبیاں ورثہ میں پائی تھیں۔ اس کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف بھی!

۷ رجب ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۸۷۵ء فضل کی تاریخ ولادت ہے۔ خیرزاں (مادر ہارون الرشید) کی گود میں ایک طرف فضل جوٹا تھا، دوسری طرف ہارون دونوں ایک ساتھ دودھ پیتے اور کھیلتے تھے۔ غرض کہ زمانہ ولادت سے سن رشد تک فضل کی پرورش شہزادگانِ خلافتِ عباسیہ کی طرح ہوئی اور فضل کے بچپن کا زمانہ حقیقت میں اس کے آئندہ زمانہ کا آئینہ تھا۔ بصرین بخوبی سمجھتے تھے کہ کچھ دنوں بعد یہ ہمال تک میں بدر بن کر چمکنے والا ہے۔ اور دراصل ایسا ہی ہوا۔

طبقت و نژاد میں جس قدر مشہور خاندان دنیا میں گزرے ہیں ان میں سے یہ خصوصیت برہم

کے حصے میں تھی کہ خلافتِ عباسیہ کی ایک بانو نے محترم فضل کی دایہ بننے کی۔ فضل کے واسطے خصوصاً اور برامکہ کے واسطے عموماً اس سے زیادہ اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ خیزراں اس کی ماور ہربان اور ہارون جیسا جلیل الشان خلیفہ اس کا برادر رضاعی تھا۔

عقل اور ہوش کی آنکھیں کھولنے کے بعد ہی فضل نے ان ہارون کا رضاعی بھائی گراں بار ذمہ داریوں میں حصہ لینا شروع کر دیا جو خاندان کی طرف سے اسے تفویض ہوئی تھیں۔ جس طرح فضل کے سوا شاید کسی اور شخص کو یہ شرف حاصل نہیں تھا کہ وہ خلیفہ وقت کا برادر رضاعی ہے اسی طرح شاید کوئی شخص اس شرف میں شریک و سہیم نہیں تھا کہ وزارتِ عظمیٰ اسے ورثہ میں ملی، اور جو اقتدار سبھی کو ہارون پر حاصل تھا اس سے زیادہ فضل کو حاصل ہو گیا۔

سب سے پہلا وزیر ہارون الرشید کا بیٹا برمکی تھا، لیکن جب سبھی ضعیف ہو گیا تو ۱۷۴ء میں ہارون نے فضل کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ تاہم سبھی کا اقتدار بدستور تھا اور اہم معاملات کا تصفیہ ہمیشہ سبھی کی رائے پر ہوتا تھا۔ فضل کے چند روزہ عہدہ وزارت کا مشہور کارنامہ امین کی ولی عہدی ہے۔

فضل اپنے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے نہایت رحم دل اور بامروت تھا۔ لیکن بعض مورخین کہتے ہیں اسے غصہ جلد آتا تھا لیکن جس قدر جلد آتا تھا اسی سرعت سے ختم ہو جاتا تھا اور پھر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا تھا۔

فضل کے ہارون سے کتنے گہرے روابط تھے۔ اور خاندانِ خلافت ہارون سے روابط سے اس کے ذاتی تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔ اس کا اندازہ خود اس کی بیان کردہ ایک دلچسپ اور نتیجہ خیز حکایت سے ہو گا۔ یہ حکایت فضل نے اپنے والد یحییٰ برمکی سے بیان کی تھی۔

فضل نے یحییٰ سے کہا:

امیر المؤمنین ہارون ایک دفعہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کوٹھری میں لے گئے۔ وہاں سے

راستہ ایک اور کمرے میں جاتا تھا۔ اس دروازہ پر قفل لگا ہوا تھا۔ جب قفل کھولا گیا تو جس قدر غلام اور خادم اٹھتے تھے امیر المومنین نے سب کو رخصت کر دیا۔ اس کمرہ کے اندر میں اور امیر المومنین رہ گئے۔ وہاں ہمیں ایک اور مفضل دروازہ ملا جس کو خلیفہ نے خود اپنے ہاتھ سے کھولا۔ جب ہم اس میں داخل ہو گئے تو خلیفہ نے دروازہ اندر کی جانب سے بند کر کے تالا لگا دیا۔ پھر ہم ایک قبہ دار کمرے میں پہنچے اور وہاں ایک کوٹھری کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ہم کو اس کوٹھری میں سے آواز سنائی دی۔ امیر المومنین وہاں بیٹھ گئے اور آہستہ سے اپنی دونوں ہتھیلیاں سجائیں۔ تالی بجاتے ہی ایک خوش الحان آواز ایک بانسری پر غزل گاتے ہوئے سنائی دی۔ وہ غزل میری ہی بنائی ہوئی تھی، میں اس غزل کو سن کر ایسا مسرور اور متاثر ہوا کہ امیر المومنین وہاں نہ ہوتے تو میں دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر پھوڑ ڈالتا۔ پھر یہ لہجہ تبدیل ہو گیا اور کمرہ کے اندر سے علیہ کے لہجے میں گانے کی آواز آئی۔ یہ لہجہ سن کر امیر المومنین پر اور مجھ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ امیر المومنین نے کہا کہ اب یہاں سے چلو ورنہ ہمارا برا حال ہو جائے گا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔ جب ہم محل کی ڈیورٹی پر پہنچے تو امیر المومنین نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے کہا کہ تم جانتے ہو یہ کون عورت گارہی تھی۔

میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین میں نہیں جانتا، خلیفہ نے کہا کہ اگر میں تم کو اس عورت کا نام نہ بتاؤں گا تو میں جانتا ہوں کہ تم ہر کسی سے اس کا نام دریافت کر لو گے۔ اس لیے میں ہی تم کو بتاتے دیتا ہوں کہ وہ علیہ میری بہن تھی اور واللہ! اندر میں بارہ اگر تم نے ایک حرف بھی زبان سے کہیں نکالا تو یقین رکھو کہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔

داود ہمش فضل ہیں داود ہمش، شرافتِ نفس اور حاجت مندوں کی دستگیری کا جذبہ عام تھا۔ ممکن نہ تھا کہ اس کے پاس کوئی سائل آئے اور یا یوس لوٹ جائے جن عالی مرتبت لوگوں کو وہ پریشان حال اور آشفتنہ روزگار دیکھتا تھا ان کے لیے خاص طور پر جو زیادہ سے زیادہ کر سکتا تھا گزرتا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

امام محمد بن ابراہیم جو محمد بن علی عبداللہ بن عباس کے پوتے تھے ایک دن فضل کے پاس آئے۔ ایک صندوقچہ جس میں جو اہرات بھرے ہوئے تھے ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے

فضل سے کہا کہ میری آمدنی میری ضروریات کے لیے کافی نہیں ہے اس وجہ سے میرے اوپر دس لاکھ درہم قرض ہو گئے ہیں اور مجھے اپنا حال بہر کسی سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ گو میں کافی ضمانت دے سکتا ہوں مگر میں کسی سوداگر کو بھی اپنے حال سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارا سوداگروں سے لین دین ہے۔ اس لیے یہ اتنا سہ ہے کہ یہ جو ابھر کسی سوداگر کے پاس رہن رکھ کے دس لاکھ درہم منگوا دو۔ فضل نے جواب دیا یہ سو روپے منظر ہے مگر ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ آج تمام دن میرے پاس رہیں۔ محمد اس بات پر رضامند ہو گئے۔ فضل نے وہ صندوق خرید لے کر اسی طرح بند اور سر مہر کر کے جس طرح کہ آیا تھا محمد کے مکان پر مع دس لاکھ درہم کے چیک سے بھجوا دیا۔ اور ہر کارہ سے کہہ دیا کہ اس کی رسید لے آنا۔ فضل نے محمد کو اپنے پاس شام تک رکھا۔ جب شام کو محمد اپنے مکان پر واپس آئے تو دس لاکھ درہم اور صندوق جو ابھرات دونوں چیزیں دیکھ کر بہت ہی خوش اور متعجب ہوئے۔ دوسرے دن علی الصبح فضل کے مکان پر محمد اس کا شکریہ ادا کرنے گئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فضل ابھی ہارون کے پاس چلا گیا ہے۔

محمد پھر ہارون کے محل کی طرف گئے، لیکن جو نہی فضل کو ان کا آنا معلوم ہوا وہ دوسرے دروازہ سے نکل کر اپنے باپ بیچی کے مکان پر چلا گیا۔ اس کا وہاں جانا معلوم کر کے محمد بھی بیچی کے مکان پر گئے اور اب فضل سے ملاقات ہوئی۔ محمد نے فضل کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں آپ کی فیاضی کا شکریہ ادا کرنے صبح حاضر ہوا تھا مگر آپ نہ ملے۔ فضل نے جواب دیا کہ دس لاکھ درہم میں نے آپ کو بھیجے تھے لیکن میں نے پھر خیال کیا کہ یہ سب تو آپ اپنے قرض خواہوں کو دے دیں گے اور پھر خرچ کے لیے آپ کے پاس کچھ نہ بچے گا تو آپ کو دوبارہ قرض لینا پڑے گا۔ اس لیے میں نے آج صبح امیر المومنین کی خدمت میں گیا اور آپ کی حالت بیان کی امیر المومنین نے دس لاکھ درہم آپ کو عطا کیے ہیں۔ خلیفہ کے محل پر آپ سے میں نہیں ملا اور دوسرے دروازہ سے چلا آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ روپیہ بھی آپ کے مکان پر نہ پہنچ جاتا اس وقت تک میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن اب وہ روپیہ پہنچ گیا ہو گا۔ محمد نے کہا تمہارا احسان مجھ سے کس طرح ادا ہو سکے گا۔ صرف اظہارِ شکریہ کا ایک طریقہ ہے

اور وہ یہ ہے کہ میں نہایت ہی پاک قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے سوائے تمہارے نہ کسی کے پاس جاؤں گا اور نہ سوائے تمہارے کسی سے کچھ طلب کروں گا۔ محمد نے اس بات کی درحقیقت قسم کھالی اور پھر یہ قسم تحریر بھی کر دی اور بعد ازاں ہمیشہ اس قسم کے پابند رہے۔

فن کاروں کے ساتھ بھی اس کی دریا دلی اور ہود و عطا اسحاق موصلی پر انعام کی بارش کا عالم یہی تھا:

اسحاق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے ایک نہایت خوبصورت کینز خریدی اور اس کے لکھانے پڑھانے میں محنت کر کے اس کو ہر علم میں طاق کر دیا اور اس کو فضل بن یحییٰ کو بطور ہدیہ کے پیش کرنا چاہا۔ لیکن فضل نے مجھ سے کہا کہ اے اسحاق گورنر مصر کا سفیر بھی میرے پاس سے گیا ہے اور مجھے وہ کچھ ہدیہ دینا چاہتا تھا، تم اس کینز کو اپنے پاس رکھو۔ میں اس سے کہوں گا کہ میں نے سنا ہے کہ اسحاق کے پاس ایک نہایت حسین کینز ہے وہ میری یہ خواہش پا کر یقیناً مجھے اس کینز کو تحفہ منظور کرنے کے لیے کہے گا میں اس کی درخواست منظور کر لوں گا۔ وہ جب تم سے خریدنے آئے تو اس کی قیمت پچاس ہزار دینار سے کم نہ لینا۔

اسحاق کہتا ہے کہ میں اپنے گھر چلا گیا۔ سفیر مصر نے اس کینز کو دیکھ کر دس ہزار قیمت لگائی۔ میں نے اس سے انکار کر دیا اس نے قیمت اور بڑھائی اور بیس ہزار کہی پھر تیس ہزار دینار کہے۔ اس قدر رقم عظیم قیمت کی سن کر مجھ سے تو صبر نہ ہو سکا اور میں نے یہ قیمت منظور کر کے کینز کو اس کے حوالے کر دیا۔ دوسرے دن فضل کے پاس جا کر یہ سب واقعہ اس سے دہرایا۔ فضل مسکرایا اور کہا کہ سفیر روم بھی مجھے ایک تحفہ دینا چاہتا ہے میں اس سے بھی اس کینز کا تذکرہ کروں گا۔ تم یہ کینز اپنے مکان پر لے جاؤ اور سفیر روم کے آنے کے منتظر رہو۔ مگر پچاس ہزار دینار سے کم قیمت ہرگز نہ لینا۔

اسحاق کہتا ہے کہ میں اس کینز کو اپنے گھر لے آیا۔ اتنے ہی سفیر روم میرے گھر آیا۔ المختصر اس کے ہاتھ بھی میں نے اس کو تیس ہزار دینار پر بیع کر دیا۔ پھر جو میں فضل کے پاس گیا تو اس نے مجھے وہی کینز دے دی اور کہا کہ سفیر خراسان بھی اسی طرح مجھ کو تحفہ

دینا چاہتا ہے اُس سے بھی میں نے اس کینز کی بابت کہہ دیا ہے۔ میں گھر گیا، تھوڑی دیر میں سفیر خراسان میرے پاس آیا لیکن اس دفعہ میں نے چالیس ہزار دینار پر اس کو فروخت کیا۔ دوسرے دن فضل کے پاس گیا۔ اس نے کہا کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس دفعہ میں نے چالیس ہزار دینار پر بیچا ہے۔ خدا کی قسم جب میں نے اس قدر رقم عظیم سنی تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ اب آپ کے طفیل میں نے اس کینز سے ایک لاکھ دینار پیدا کر لیے ہیں اور اب زیادہ کی ہوس نہیں ہے۔

یہ سن کر فضل نے اس کینز کو بلوا کر مجھے پھر بخش دیا اور کہا کہ اس کو گھر لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ یہ کینز تو دنیا میں سب سے زیادہ خیر و برکت والی ہے۔ اسحاق کہتا ہے کہ میں نے پھر اس کینز کو آزاد کر دیا اور آزاد کر کے اس سے شادی کر لی اور اب اس سے میری کئی اولادیں ہیں۔

ہجو کو کو انعام جو لوگ فضل کی بدگوئی اور ہجو کیا کرتے تھے وہ بھی سزا کے بجائے انعام پاتے اور مال مال ہو کر واپس جاتے۔

ابوالہول حمیری شاعر نے ایک مرتبہ فضل کی ہجو لکھی اور پھر دربار میں حاضر ہوا۔ فضل نے پوچھا کہ اب کس منزل سے میرے سامنے آئے ہو؟ حمیری نے کہا کہ اسی منزل سے جس سے خدا کے سامنے جاتا ہوں۔ حالانکہ جتنا خدا کا کنگار ہوں اتنا آپ کا نہیں۔

یہ برہنہ جو اب سن کر فضل نے لگا اور اس کو ایک معقول انعام دے کر رخصت کر دیا۔ فضل کے دروازہ پر ہر طرح کے لوگ امداد و اعانت کی امید میں آیا۔ مسافر نوازی کرتے تھے۔ مایوس اور دل گرفتہ آتے تھے شاد کام اور مسرور واپس جاتے تھے۔

ایک غریب سندھی آوارہ وطن، پریشان حال بغداد پہنچا۔ چونکہ سخت حاجت مند تھا ہر شخص سے پوچھتا تھا کہ کوئی ایسا فیاض ہے جو میری اعانت کر سکتا ہو۔ بزرگان بغداد سے مجھے کسی قسم کی نسبت نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ مجھے عرب و عجم سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ پھر کون میری امداد کر سکتا ہے؟
 لوگوں نے اس کو صلاح دی کہ بجز فضل برمکی کے اور کوئی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔
 عرض کہ وہ سندھی فضل کے در دولت پر حاضر ہوا۔ جب حاجب نے لے جا کر پیش کیا
 تو اس نے اپنی زبان میں ہزاروں دعائیں دے کر یہ عرض کیا کہ صرف آپ کی فیاضی کو وسیلہ
 قرار دے کر آپ کے غلاموں کا غلام اس دربار میں جس کا مثل آج تمام دنیا میں نہیں ہے،
 حاضر ہوں اور اپنی حاجت روائی کا امیدوار ہے۔
 فضل نے ترجمان سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔

ترجمان نے کہا،

یہ شخص امیر کی مہربانی اور فیاضیوں کی تعریف اور اپنی حاجت ظاہر کرتا ہے۔
 فضل نے اس کی پریشانی پر منظر کر کے حکم دیا کہ دو ہزار دینار سرخ اور ایک سُرخ بالوں
 کا اونٹ جس کے دو کوہان ہوں دیا جائے اور ایک ہزار دینار سرخ اور ایک گھوڑا مترجم کو
 مرحمت کیا۔ اور باوجود اس مہربانی کے اس سندھی سے معذرت کی کہ تمہاری مسافت اور
 سفر کے لحاظ سے قلیل رقم ہے لیکن سندھی اس عطیے کو دیکھ کر متحیر رہ گیا اور عرض کیا:
 حضور والا یہ عطیہ نہ صرف میرے واسطے بلکہ میرے عیال و اطفال کے واسطے تمام عمر
 کافی ہے۔ اور دعائیں دینا ہوا رخصت ہو گیا۔

علوم و فنون سے فضل برمکی کو کتنا لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا
 ترو و بیچ علوم ہے کہ اس نے ترویج و ترویج علوم کے لیے وہ تمام وسائل اور ذرائع
 استعمال کیے جو اس کے بس میں تھے۔

فضل برمکی نے اپنے اہتمام اور توجہ سے کاغذ بنانے کا کارخانہ جاری کیا۔ اس کارخانے
 کے کھلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون گھر گھر پھیل گئے اور ہر علم پر جداگانہ تصنیفیں ہونے
 لگیں اور مذہبی تصانیف تو اس کثرت سے ہوئیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔
 حد یہ ہے کہ فضل کے کانوں تک اگر کوئی شخص
 سفارش کرنے والے کی مدد کسی حاجت مند کا حال زار پہنچاتا تو نہ صرف اس

حاجت مند کو مال کر دیا جاتا بلکہ سفارش کرنے والا بھی انعام و اکرام سے محرم نہ رہتا۔
ایک ہاشمی خلفِ مصری سے روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن یحییٰ بن معاذ کی ڈیورٹھی پر حاضر
ہوا تو خلافِ معمول دروازہ بند پایا۔ کوئی دربان بھی نہ تھا۔ لیکن میں دروازہ کھول کر اندر گیا اور یحییٰ
سے حالات دریافت کئے تو فرمایا کہ قرض خواہوں کے خوف سے خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ میں نے
پوچھا قرضہ کس قدر ہے تو کہا تین لاکھ درہم۔

اس کے بعد میں چلا آیا اور فضل برمکی سے یحییٰ بن معاذ کی حالت بیان کی۔ یحییٰ کا حال
سن کر فضل چپ ہو رہا لیکن جب میں مکان پر پہنچ گیا تو فضل کا خط ملا جس کا مضمون یہ تھا۔
آپ نے مجھے یحییٰ بن معاذ کے حالات کی اطلاع دی، اس کے صلے میں ایک لاکھ درہم
آپ کو اور تین لاکھ درہم یحییٰ کو بھیجتا ہوں تاکہ وہ اپنا قرضہ ادا کریں۔

فضل کا جذبہ مذہبی اتنا محکم تھا کہ تو مسلم ہونے کے باوجود سابق مذہب کے
جذبہ مذہبی خاندانی آثار و نقوش اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔

مورخین نے فضل کے تذکرے میں اس واقعہ کو نہایت استعجاب کی منظر سے دیکھا ہے
جب فضل خراسان کا دورہ کرتے ہوئے بلخ میں پہنچا تو آتش کدہ رنو بہار کے کھنڈرات
موجود تھے اور یہ وہ مقدس عبادت خانہ تھا جس کے متولی فضل کے ابا و اجداد تھے۔ لیکن
فضل نے اس کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور کل عمارت کے مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن سبب
استحکام کل آتش کدہ تو مسمار نہ ہو سکا تاہم ایک گوشہ اس کا کھل گیا اور وہاں پر مسجد تعمیر کر دی گئی۔
اس واقعے سے فضل کی دینداری اور مذہبی جوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جیل کی زندگی

جعفر کا افتابِ اقبال جب گھن میں آیا تو اس کا اثر بے گناہ یحییٰ اور فضل پر بھی پڑا۔ جعفر
قتل کر دیا گیا، فضل اور یحییٰ جیل میں ڈال دیے گئے اور وہاں انہیں طرح طرح کی اذیتوں اور
تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا۔

خالد بن عثمان فضل کا ایک مصاحبِ راوی ہے کہ :

جعفر کے قتل کے بعد فضل کا کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا تھا اور اس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اسی حالت میں اس دُنیا سے رخصت ہوں گے، جب ہارون نے یہ حال سنا تو رات کے وقت فضل کے پاس گیا اور جب فضل نے ہارون کو آتے دیکھا تو تعظیم کے واسطے کھڑا ہو گیا اور ہارون کو سلام کر کے بے ساختہ رونے لگا۔

ہارون نے فضل کو مخاطب کر کے کہا کہ:

جعفر کے قتل کا تم کو اس قدر افسوس کیوں ہے؟ وہ تو فاسق اور بدکردار آدمی تھا۔ تم سے اس کو دلی رنج تھا کیونکہ مجھے اکثر جعفر نے اس پر آمادہ کیا تھا کہ میں تم کو مصرت پہنچاؤں، علاوہ ازیں تمہاری ماں اور ہے اور جعفر کی ماں اور؟

ہارون کی تقریر سن کر فضل سے ضبط نہ ہو سکا اور رونے لگا۔ تب ہارون نے گلے لگا لیا۔ اور جو چاہا اور اٹھے تھا وہ فضل کو اوڑھادی، پھر کھانا منگایا اور قسمیں دلا کر کسی قدر کھلایا اور پھر فضل سے کہا کہ:

تم جعفر کا غم دیکھو وہ تم سے نہ صرف عداوت ہی رکھتا تھا بلکہ تم کو معزول کرنا چاہتا تھا فضل نے جواب دیا:

میں نے مانا جعفر کبھی ہی تھا لیکن اس کا قصور ایسا نہ تھا جس پر اسے قتل کر دیا جاتا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اب: جیسا وزیر آپ کو میسر نہیں آسکتا اور وہ بے گناہ قتل کیا گیا ہے۔ جب اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا تو نہیں کہا جاسکتا کہ بیچہ اور نیز میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

فضل کی تقریر سن کر ہارون چپ ہو رہا اور خفا ہو کر چلا گیا۔

بعد ازاں قیدیوں پر جو سختی کی گئی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔

ابوالحسن احمد بن حسین عدالت میں مقرر تھا، راوی ہے کہ فضل پر قید میں سختیاں ایک دن مسرور نے چند غلاموں کو طلب کیا اور ان کو جیل میں روانہ کیا اور پھر چند غلام اپنے ساتھ لے کر خود روانہ ہوا۔ منڈیل سر پر بندھی ہوئی تھی اور ایک تازیانہ ہاتھ میں تھا، میں سمجھ گیا کہ نفس کو سزا دینے جانا ہے۔ ضرورت میں بھی چلا اور مسرور

کو سلام کیا مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ تم بھی چلو دیکھو تو آج فضل کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔
یہ سن کر میرے ہوش جاتے رہے، کیونکہ میں فضل کا پرورد تھا۔ اور بروز دومرتبہ جا کر
دیکھ آتا تھا۔

مسرور نے جیل خانہ میں جا کر فضل کو بلایا اور نہایت حقارت آمیز کلمات سے مخاطب ہوا
فضل نے کہا:

”مسرور ہم پر یہ عتاب کیوں ہے؟“

جواب دیا کہ ”امیر المومنین نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال و دولت کی تصدین کروں
کہ کس قدر ہے اور جو کچھ ہے وہ پیش کیا جائے، کیونکہ امیر المومنین کو روپے کی سخت ضرورت
ہے۔ اگر صحیح صحیح نہ بتاؤ گے تو دو سو تازیانے لگائے جائیں گے،“ فضل نے کہا:

”اے مسرور تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ میں تجھے اس کے قہر سے آگاہ کروں، جو تجھے حکم ہے
اسے پورا کر، البتہ اس قدر التجا ہے کہ کوڑے کی آواز لیجی کے کانوں تک نہ پہنچے۔ ورنہ اس کے
دل کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ دوسرے یہ کہ امیر المومنین سے کہہ دے کہ تمہارے پاس جو دولت
تھی وہ سب صرف ہو چکی ہے بلکہ اس ایشاد و کرم سے امیر المومنین رضامند تھے اور فرمایا کرتے
تھے کہ تم پر خدا کی رحمت ہو کیا اچھی زندگی بسر کرتے ہو اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نہ ہم نے
جو رسی کی ہے نہ خیانت، جو مال تھا وہ سب فی سبیل اللہ صرف ہو چکا ہے اور مسرور تو خوب
جانتا ہے کہ ہم اپنی عزت کو مال سے بچاتے ہیں اور جان تو مال سے کہیں زیادہ عزیز ہے
بجائے ایک کوڑا کھانے کے جان سے دینا زیادہ آسان ہے۔“

مسرور نے فضل کی باتیں سنیں تو غصے سے آگ ہو گیا اور چاروں غلاموں کو جو اس کے
ہمراہ تھے حکم دے دیا کہ ہر ایک سچاس سچاس کوڑے فضل کی پیٹھ پر مارے۔

چنانچہ ان ظالموں نے نہایت بے دردی سے مسرور کا حکم پورا کیا۔

شدتِ ضرب سے فضل بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب مسرور چلا گیا تو میں نے فضل کا سر
گود میں لے لیا۔

مختصر سی دیر میں فضل نے آنکھ کھولی، میں نے تسلی دی اور کہا کہ ہارون الرشید پر خدا

کی لعنت ہو جس نے تم کو صدمہ پہنچایا۔

فضل نے کہا کہ اس کی جواب دہی قیامت میں ہوگی اور مجھے حکم دیا کہ ایک ہوشیار جراح کو لاؤ کیونکہ میرے جسم کا اکثر حصہ پھٹ گیا ہے اور زخموں کی ٹوکونی انتہا نہیں ہے۔ میں نے جراح کو حاضر کر دیا اور علاج شروع ہو گیا۔ جب سچی کو فضل کی خبر ہوئی تو خود کشتی پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن پہرہ کے سپاہیوں نے اس کو اس ارادہ سے روکا۔

جس وقت بغداد میں یہ خبر منتشر ہوئی تو اس وقت لوگوں کا بُرا حال تھا مگر ہارون کے خوف سے سب دم بخود تھے۔ میں روزانہ مزاج پررسی کو جاتا تھا چنانچہ چند روز میں فضل کو صحت ہو گئی۔ غسلِ صحت کے دن ایک دوست سے قرض لے کر بیس ہزار دینار اس جراح کو انعام دیے اور مجھ سے کہا کہ :

برادرِ من! دیکھتے ہو ہارون نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میرے باپ نے ہارون پر بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ خلیفہ ہادی ہارون کے قتل پر تلا ہوا تھا، صرف میرے باپ کی سعی کا نتیجہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہماری ہی کوشش سے ہارون کو تختِ سلطنت پر بٹھانا نصیب ہوا۔ میری ماں کا اس نے دو چھپا ہے اور جس قدر ممالک فتح ہوئے ہیں وہ ہماری ہی جانفشانی کا نتیجہ ہیں۔ جو خدمت ہمارے سپرد تھی اس میں نیز جاگیرات میں ہم نے کوئی خیانت نہیں کی ہے نہ کبھی بدخواہی کا خیال ہمارے دل میں آیا ہے۔ ہمارے ساتھ ہارون نے بڑے بڑے وعدے اور عہد نامے کیے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس نے اس وقت سب کو بھلا دیا ہے۔ مال کے حیلے سے ہم کو قید کر دیا ہے۔ نہ اس کو خدا کا خوف ہے نہ لوگوں کی شرم ہے کہ آخر اس ظلم کو دیکھ کر خلقِ خدا اس کو کیا کہے گی؟ ہارون الرشید کی بے وفائی اور عہد شکنی لوگوں کو یاد ہے گی۔ اور ہم تو اب چند روز کے مہمان ہیں۔ لیکن یاد ہے کہ ہمارے بعد ہارون کو بھی بقا نہیں ہے۔

فضل کے کردار کا ایک روشنی اور ناقابلِ فراموش باب کی خدمت جیل میں بھی رُخ یہ ہے کہ جیل کے دورِ ابتلا میں بھی باپ کی ہر خدمت دل و جان سے انجام دیتا رہا۔

فضل کو سچی سے جو محبت تھی وہ اس واقعے سے ظاہر ہوتی ہے کہ سچی کو زمانہ قید

میں بوا سیر کا عارضہ تھا اور اس زمانہ میں جاڑا شدت کا پڑتا تھا۔ قیدیوں کو بجائے گرم پانی کے سرد پانی دیا جاتا تھا۔ سچی کو بھی مجبوراً اسی پانی سے وضو کرنا پڑتا تھا۔ جب فضل نے دیکھا کہ سچی کو اس سے تکلیف ہوتی ہے تو اس نے یہ ترکیب نکالی کہ آفتاب قذیل کے پاس رکھ دیتا تھا، صبح کی نماز تک حدتِ قذیل سے پانی میں گرمی آجاتی تھی۔ سچی اس پانی سے وضو کرتا تھا۔ سچی نے جب اپنے بیٹے کی یہ خدمت دیکھی تو بہت خوش ہوا اور دعائیں دینے لگا۔ جب داروغہ جیل کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اس کم بخت نے قذیل کمرہ سے علیحدہ کرادی۔ تب فضل نے یہ ترکیب کی کہ ابتدائے شب سے آفتاب کو اپنے پیٹ سے لگا لیتا جس میں بمقابلہ سرد پانی کے گرمی آ جاتی۔ اس حال کو دیکھ کر زخراہ کار داروغہ کو بھی رحم آگیا اور سزائیں بند کر دیں۔

پس ہے نہ ایسا باپ ہو گا نہ ایسا بیٹا!

وفات

آخر مصیبتوں کے ختم ہونے کا وقت اُن پہنچا اور ایک دن دنیائے فانی سے عالمِ باقی کی طرف فضل کا قافلہ حیات روانہ ہو گیا۔

صبح کے وقت ماہ اکتوبر ۱۸۸۸ء (ماہ محرم ۱۲۹۳ھ) میں بمقام رقبہ فضل نے انتقال کیا عزیزوں نے مکان کے اندر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر دوسری مرتبہ مجمع عام میں جماعت سے نماز پڑھی گئی۔ ناصر بن خلیل کہتا ہے کہ فضل اپنی بیماری میں بار بار ہارون الرشید کے مرنے کی خبر پوچھا کرتا تھا۔ ایک بار میں نے سوال کیا کہ آپ بار بار ہارون کی موت کو کیوں دریافت کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میری اور ہارون کی ولادت ایک ہی وقت اور ایک ہی ساعت کی ہے۔ اجرامِ فلکی کا اثر جو بڑا اعتبارِ علمِ نجوم کے ہے وہ ہم دونوں پر یکساں ہے۔ یعنی اگر وہ مر چکا ہے تو میری موت بھی قریب ہے۔

اور واقعہً ہوا بھی ایسا ہے۔

ماخذ

اللاغانی، ہارون الرشید (پامر)، ابراہیم، روضۃ المناظر فی اخبار الاولیاء والاولیاء، ابن خلکان، یعقوبی، ابن خلدون، ابن عساکر، کامل ابن اثیر۔

جعفر برہمی

ہارون اور جعفر اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ بڑھتے تھے کہ ان کے درمیان دوئی اور جدائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ہارون کی شخصیت اور ہارون کی حکومت اپنے عروج، قیام اور استحکام میں رہیں منت تھی جعفر کی، جعفر کے بھائی کی اور جعفر کے باپ کی، جعفر نے اس سلطنت کو عروجِ کمال پر پہنچا دیا۔ یہ بات کہ ساری کامیابیاں اور ترقیاں جعفر اور اس کے خاندان کے اخلاص اور بے لوثی کا نتیجہ تھیں اپنا ثبوت بھی رکھتی ہے اور وہ ثبوت یہ ہے کہ جب جعفر قتل کر دیا گیا اور آلِ برمک کا نشان مٹا دیا گیا تو ہارون بھی ختم ہو گیا۔ اس کی حکومت بھی رو بہ زوال ہو گئی۔ گویا جعفر اور ہارون، آلِ برمک اور سلطنتِ عباسیہ لازم و ملزوم تھے کہ ایک کے مٹنے کے ساتھ دوسرے کا مٹنا اور ایک کے عروج کے ساتھ دوسرے کا فروغ پانا لازم آیا۔

ملوک و سلاطین نہ کسی اصول کے پابند ہوتے ہیں نہ ضابطہ کے نہ وہ اصولِ ملوکیت کسی کے سامنے جواب دہ ہیں، نہ ان کے اقدام و عمل پر قدغن لگائی جاتی ہے وہ غیر مسئول طور پر جو چاہتے ہیں زمین پر کوئی ان سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ آسمان پر ہونے والی باز پرس کا انہیں کوئی احساس نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ ملوک و سلاطین کے اشارہ چشم و ابرو پر لوگوں کی، خاندان کی، حکومتوں کی قسموں کا فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ آج ایک شخص گردشِ ایام کا شاکھی ہے، فقر و فلاکت کی زندگی بسر

کر رہا ہے، نہ سر چھپانے کو گھر، نہ پیٹ بھرنے کو روٹی، کل وہی شخص اگر بادشاہ کا منظورِ نظر بن جاتا ہے تو اس کے دروازہ پر ہاتھی چھوٹنے لگتے ہیں۔ پیم وزنہ کی قیلیاں اس کے اوپر بچھاؤ ہوتی ہیں۔ وہ خود دوسروں کا حاجت روا اور مشکل کشا بن جاتا ہے اور عین اس وقت جب قوت و اقتدار کی باگ اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو اگر کسی وجہ سے بادشاہ کی نظر پھر جائے تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو ستا افسانہ تھا!

نہ وہ خدم نہ حشم، نہ اقتدار و اختیار، نہ جاہ و جلال، نہ داد و پیش، نہ شامروں کے قصیدے، نہ معاحبوں کے ترانے، گوشتہ زنداں یا پھانسی کا تختہ۔

جعفر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اگر جعفر اور ہارون کا تعلق صرف بادشاہ جعفر اور ہارون اور وزیر کا ہوتا تو نہ جعفر کا عروج حیرت انگیز تھا۔ نہ اس کا زوال تعجب خیز نہ اس کی وزارتِ عظمیٰ کوئی حادثہ تھی، نہ اس کا قتل کوئی المیہ۔ ملوکیت کی دنیا میں یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، نہ ان میں کوئی ندرت ہے نہ جدت۔ یہ اتنے عامہ الورد واقعات ہیں کہ نہ ان پر کب افسوس ملنے کے لیے کوئی تیار ہوتا ہے نہ انہیں غیر معمولی اہمیت دینے پر کوئی آمادہ ہوتا ہے۔

لیکن جعفر اور ہارون کا معاملہ بالکل جداگانہ نوعیت کا تھا۔ ہارون نے جعفر کا مرتبہ جعفر کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا۔ جہاں تک کوئی بادشاہ کسی وزیر کو نہیں پہنچاتا، جعفر نے ہارون کو وہ مرتبہ عطا کر دیا تھا، جو اس سے پہلے کسی شاہ اور شہریار کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ جعفر کی شخصیت رہیں منت تھی تمام تر ہارون کے فضل و کرم کی، اور ہارون کی شخصیت نتیجہ تھی تمام تر جعفر کے اخلاص اور بے لوثی کی۔ ان دونوں کے درمیان من و توکا کا فرق مٹ گیا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے ناگزیر بن گئے تھے کہ جب تک دونوں موجود نہ ہوں دونوں کی شخصیت ناقص اور نامکمل رہتی تھی۔

جعفر کے زوال اور اوبار کی داستان بے انتہا رقت خیز اور ہولناک داستانِ اوبار و زوال ہے۔ لیکن بہر حال اسے بیان کرنا ہے۔

یہ داستان سلسلہ بیان میں خود بخود اُجائے گی، ہم تو جعفر کا سراپا پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔ جعفر کی ولادت ۱۵۱ھ مطابق ۶۶۸ء میں ہوئی۔

ہارون نے جب مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو یحییٰ برمکی وزیرِ عظم جعفر مسندِ وزارت پر تھا۔ اس کا بڑا بیٹا فضل اس کا دست و بازو تھا۔ اور جملہ مہماتِ سلطنت میں اس کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب چھوٹا وزیر پڑ گیا۔ ایک دفعہ ہارون الرشید نے یحییٰ سے دریافت کیا کہ لوگ فضل کو چھوٹا وزیر کہتے ہیں اور جعفر کو نہیں کہتے۔ اس کا کیا سبب ہے؟

یحییٰ نے عرض کیا امیر المومنین! فضل میری نیابت میں کام کرتا ہے اس وجہ سے عوام الناس اس کو وزیرِ ثور کہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے کہا جس طرح تم نے فضل کو سلطنت کا کام دے رکھا ہے اسی طرح جعفر سے بھی کچھ کام لیا کرو۔

یحییٰ نے عرض کیا کہ امیر المومنین جعفر کی توجہ زیادہ تر آپ کی خدمت اور صحبت میں رہنے کی جانب مائل ہے پھر اسے کام بھی کیا دیا جائے؟ اس کے بعد یحییٰ نے جعفر کو بھی منصب سیکرٹری اور محلات کے خزانچی اور محاسب کا عہدہ دے دیا۔ اب عوام الناس نے جعفر کو بھی اسی لقب سے پکارنا شروع کر دیا جس سے فضل کو پکارا کرتے تھے۔

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہارون الرشید جعفر کو کس درجہ عزیز جعفر کی قابلیت اور محبوب رکھتا تھا، اور جعفر تھا بھی اسی قابل، وہ ہمہ صفت موصوف شخص تھا۔ شاعری، فلسفہ، نجوم سے اُسے غیر معمولی شغف تھا۔ دوسرے علوم و فنون پر بھی وسیع نظر رکھتا تھا۔ علماء اور شعراء سے جو مباحثے ہوتے وہ اسی قسم کے ہوتے تھے۔

بیتِ الحکمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا، فنونِ حکمت کی تصنیفات اور ترجمے پر خود سلطنت اور علماء کا رجحان تھا، چنانچہ جعفر کو بھی فلسفہ سے خاص رغبت تھی اور اس ذوق میں وہ یحییٰ برمکی سے کچھ کم نہ تھا۔ چنانچہ اس فلسفہ پسندی نے یحییٰ اور جعفر کو زندگہ سے منسوب کر دیا تھا

چنانچہ صحیحی کے یہ شعر مشہور ہیں:

جب کسی مجلس میں شرک کا ذکر چلتا ہے،

تو بریکیوں کا چہرہ چمک اٹھتا ہے؛

لیکن اگر ان کے سامنے کوئی آیت پڑھی جائے،

تو وہ مزدک کی حکایتیں بیان کرنے لگتے ہیں،

فضل نسبتاً تیز طبع شخص تھا، اگر غصہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا تھا

جعفر کا علم و عقو لیکن جلد آجاتا تھا، اس کے برعکس جعفر نہایت حلیم اور بردبار

شخص تھا، خطا کاروں کو بخش دینا، مجرموں کو معاف کر دینا، بلڈیشنوں سے درگزر کرنا ان کی

سرشت تھی۔ اشتعال انگیز سے اشتعال انگیز موقع پر بھی ضبط و تحمل کا دامن اس کے ہاتھ

سے نہیں چھوٹتا تھا۔ وہ اپنی خوش اخلاقی اور فیاعنی کے سبب مقبول بن گیا تھا۔ یہی وجہ

تھی کہ ہارون الرشید بہ نسبت فضل کے جعفر کو ترجیح دیتا تھا۔ جعفر اور ہارون میں غایت درجہ

کی محبت اور دوستی ہو گئی خلیفہ کے سیر و تفریح کے وقت جعفر ہمیشہ اس کے ہمراہ ہوتا۔

اکثر ازلوں کو ایسا ہوتا تھا کہ عیش و عشرت کے جلسوں میں جعفر اور ابوالو اس جو ایک ظریف

شاعر تھا اور مسرور جو ہارون الرشید کا غلام اور جلاوت تھا اور حبشی نسل تھا یہ سب شریک ہوا

کرتے تھے، ایسے جلسے سر شام سے شروع ہو کر اکثر صبح کی نماز تک منعقد رہا کرتے تھے

لیکن خلیفہ کی عنایتیں اور توازشیں بزمِ شنبہ کی یہ رنگینیاں اور

فرض شناس وزیر و چسپیاں، قصر شاہی کی دربارداریاں اور مجلس طرازیوں سے اپنے

فرض سے غافل نہیں رہنے دیتی تھیں۔ فرض بہر حال فرض تھا۔ اور اس کی بجائے اور میٹر

کسی طرح کی کوتاہی وہ روانہ رکھتا تھا۔

جعفر کا عمدہ بڑی ذمہ داری کا تھا۔ اس کا فرض منصبی یہ تھا کہ تمام سلطنت کے امور

اور عمدہ داروں کے نام جس قدر شاہی احکام اور فرامین صادر ہوتے تھے ان کو جعفر

تحریر کرتا تھا اور ان پر دستخط کرتا تھا۔ خلیفہ کے حضور میں جتنے عرائض، استغاثے،

یادداشتیں اور رپورٹیں گزرتی تھیں جو روزانہ ہمیشہ سینکڑوں کی تعداد سے بھی متجاوز

ہوتی تھیں۔ ہر روز ان پر احکام اور تجاویز اور فیصلے جعفر خود ہی لکھا کرتا تھا۔

ادب اور انشا میں مہارت رکھتا تھا۔ ادب اور انشا کے فن میں جعفر اپنا جواب نہیں

علامہ عصری نے زیر الادب میں اس روایت کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ جعفر برہمکی تقریر کے وقت کسی موقع پر نہ رکتا تھا، نہ سلسلہ کلام میں الفاظ و معنی کی تکرار ہوتی تھی اور لغو و فضول باتوں کا تو ذکر کیا ہے۔ جس فن پر گفتگو کرتا تھا جب تک اس کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے دوسرے پہلو پر بحث نہ کرتا تھا۔ اور ایک گفتگو کے بعد جب دوسری شروع کرتا تھا تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ متاثر اور دلکش ہوتی تھی، غمگین کو ہنسادیتا، عابد و زاہد کے دل پر قیضہ کر لینا اس کے باتیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اعلیٰ درجے کے اشعار، نوادرات، ضرب المثل، قصص و حکایات میں اس کی معلومات انتہائی درجے پر تھیں، باوجود اس کے فصاحت کا نمبر بڑھا رہتا تھا۔ اور سہل بن ہارون کا قول ہے کہ اگر کلام کو موتی اور گفتگو کو جواہر فرض کیا جائے تو خدا کی قسم یحییٰ و جعفر برہمکی کا کلام ہے۔ میں نے اس زمانے کے بڑے بڑے شیوہ بیان لوگوں کو دیکھا ہے، وہ سب اس کے قائل تھے کہ بلاغت کی ابتدا انہی دونوں سے ہوتی ہے اور انہی پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے اگر دنیا ان کے عہد زندگی پر فخر کرے تو کچھ نازیبا نہیں ہے، اور اسی فصاحت و بلاغت کا اثر تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ماموں اور امین کو قبائل عرب میں نہیں بھیجا، بلکہ جعفر و فضل کے سپرد کر دیا تھا جن کی تعلیم سے ان کی فصاحت آج تک ضرب المثل ہے۔ ابو عثمان عمرو جاحظ لکھتا ہے کہ جعفر برہمکی جب کسی مضمون پر گفتگو کرتا تھا تو کسی عالم کو حیرت نہ ہوتی تھی کہ اس کے مقابلے میں لم ولا نسلم کہہ سکے بلکہ محویت طاری ہو جاتی تھی اور نہایت خاموشی سے اس کی تقریر سنا کرتے تھے۔

جعفر برہمکی کے تو قیعات اور خطبے اگرچہ کمیاب ہیں لیکن اس کے بعض اقوال جو کتب ادب میں پائے جاتے ہیں ان کے ہر فقرے سے شہادت بیانی کی شہادت ملتی ہے۔ ایک موقع پر کسی نے ایک عامل کی شکایت میں درخواست پیش کی۔ اس پر حکم

لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں :

”تیرے شاکی بہت ہیں اور شکر گزار کم، یا تو اعتدال اختیار کر یا الگ ہو جا،“
تمامہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے جعفر برمکی سے سوال کیا کہ بیان کی کیا تعریف ہے؟
اس نے جواب میں لکھا :

”لفظ مطلب پر احاطہ کرنے اور مقصود کو بتانے اور دوسرے پہلو کا احتمال نہ رہنے
ونے اور تفکر سے اعانت نہ لی گئی ہو“ (یعنی آواز نہ ہو)

جعفر کے عہد میں ادب و انشاس کے جو ماہر گزرے ہیں ان میں جاحظ کا ایک
جاحظ خاص مقام ہے۔ ابو عثمان عمر بن بحر بن محبوب الجاحظ بصری علما ادب میں
بہت بڑا فصیح و بلیغ گزرا ہے۔ ابواسحاق نظام معززل کا شاگرد تھا اور خود بھی ائمہ معتزلہ
میں تھا۔ اس کی مفید تصنیفات میں سے کتاب البیان والقبین نہایت مشہور ہے۔ مگر
افسوس یہ ہے کہ یہ اول درجے کا بدشکل تھا، آنکھیں باہر کونکلی ہوئی تھیں جس کو دیکھ
کر بچے سہم جاتے تھے۔ آخر عمر میں مفلوج ہو گیا تھا۔ ۹۰ سال کی عمر میں بمقام بصرہ
۲۵۵ھ مطابق ۸۶۸ء میں فوت ہوا۔ ایام مرض میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔
ترجمہ: جیسا تو عالم شباب میں تھا کیا پیری میں بھی ویسا ہی ہونے کی امید رکھتا ہے۔
تیرے نفس نے اب تجھ کو فریب دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پرانا کپڑا نئے کے برابر
نہیں ہوتا۔

جعفر نے خود بھی علوم عصری کی طرف پوری توجہ کی تھی
علوم عصری میں بہارت اور جملہ علوم متداولہ میں اُسے غیر معمولی عروج حاصل تھا۔
علم فقہ کے متعلق ابن خلکان نے بروایت علامہ ابن القادوسی (مصنف کتاب الوزراء)
ایک مختصر جملہ لکھا ہے جس سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یحییٰ برمکی نے فقہ کی تعلیم کو قاضی
امام ایوسف سے دلوائی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جعفر کے احکام اور فیصلے اصول فقہ کے
مطابق ہوتے تھے۔ اگرچہ فقہ میں جعفر کو قاضی صاحب کی شاگری کا فخر حاصل ہے،
جمعہ کاروانت و فطانت جعفر کی ذہانت و فطانت کا اندازہ اس سے ہو

سکتا ہے کہ وہ جتنا بڑا مکالمہ تھا اتنا ہی بڑا زور و نویں بھی تھا مگر مجال نہ تھی کہ اس کے قلم سے نکلا ہوا لفظ ادب و انشا کے معیار سے فروتر ہو۔

علامہ ابن خلیکان لکھتے ہیں کہ:

ایک شب ہارون کے دربار میں ایک ہزار سے زائد توجیحات لکھنے کا جعفر کو اتفاق ہوا لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی اصول فقہ کے خلاف نہ تھا۔ اگرچہ جعفر کے فضل و کمال اور معاملہ فہمی کی یہ ظاہر مثالیں ہیں۔ لیکن بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہارون دربار عام کرتا تھا (ایسے دربار اکثر ہوا کرتے تھے) اس وقت ہر شخص کو زبانی عرض کرنے اور تحریری درخواستوں کے پیش کرنے کا حکم عام سے دیا جاتا تھا اور اس قسم کی عرضیاں دینے والوں کی تعداد کثیر ہوتی تھی لیکن جعفر کے قلم سے جو احکام نکلتے تھے وہ علاوہ علم و ادب اور علم انشا کے اعلیٰ نمونے کے اصول شرح اور قانون فقہ کے موافق ہوتے تھے۔ اور حسن کتابت کا جو سران کو چمکا دیتا تھا۔

اصحاب علم کی قدردانی اصحاب علم کی قدردانی میں وہ پیش پیش رہتا تھا۔ ریح بن سلیمان امام شافعی کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر عید کے دن امام صاحب کے پاس کچھ نہ تھا اور ضرورتاً اس دن ستر دینار قرض لیے تھے کہ قبیلہ قریش کا ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی حاجت ظاہر کی۔ چنانچہ امام صاحب نے بھی اپنا حال سنایا اور کہا کہ:

”میرے پاس اس وقت ستر دینار موجود ہیں ان میں سے بقدر ضرورت لے لو، قریشی نے کہا کہ کل رقم بھی میری ضرورت کو کافی نہیں۔ چنانچہ وہ سب دینار اس کو دے کر رخصت کیا اسی وقت جعفر کا ایک اور خادم آیا اور عرض کیا کہ حضور کو وزیر سلطنت نے یاد فرمایا ہے۔ امام صاحب تشریف لے گئے، جعفر نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ کیونکہ رات کو میں نے یہ آواز سنی ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے اشافعی اشافعی۔ چنانچہ امام صاحب نے سارا قصہ بیان کیا، رخصت کے وقت پانچ سو دینار دیے۔ پھر پوچھا کہ اور اضافہ کروں یہاں تک کہ خود ہی سوال کرتا جاتا تھا اور رقم بڑھاتا جاتا تھا۔ جب پوری دو ہزار کی رقم

ہو گئی تو اجازت رخصت کی دی گئی۔ اس واقعے سے جعفر کی بزرگانِ دین سے ارادت مندی اور جوشِ محبت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

جعفر کی وسعتِ قلب کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ دوستانہ تھا۔ بداندیشوں اور بد زبانوں کو بھی وہ نوازا کرتا تھا۔ حدیث ہے کہ جو لوگ اس کی ہجو سے اپنی زبان آلودہ کرتے تھے وہ بھی انعام اگر اہم سے محروم نہ ہوتے تھے۔

سیوطی اپنے رسالہ مشتمی العقول فی منتهی العقول میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شاعر نے جعفر کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ سن کر قصور معاف کر دیا اور پانچ ہزار دینار صلوات کر رخصت کیا اور اسی موقع پر علامہ موسوف لکھتے ہیں کہ علماء و حکماء و عظیماء اور ندما میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو جعفر کی فیاضی سے محروم رہا ہو، جعفر ان کے حق میں ابر رحمت تھا جو ہمیشہ فیاضی کی بارش کیا کرتا تھا۔

جعفر کی مجلس طرازیوں اور شاعروں سے حسن سلوک کی داستانیں عام ہیں۔ ایک مشہور **حسن سلوک** شاعر صریح النوا فی ایک یگانہ روزگار شاعر فقر و فلاکت کی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ وہ خود اپنا حال بیان کرتا ہے کہ میں نے سکینہ کے واسطے سے عتاباً تک اپنی داستانِ درد پہنچائی۔ عتاب نے دس ہزار درہم سکینہ کو دیے اور کہا کہ میری طرف سے یہ حقیر بدیہ اس کو لے دینا اور کہہ دینا کہ اگر بیچو اور جعفر کو تمہاری اطلاع ہوتی تو وہ بھی امداد کریں گے۔ چنانچہ اس عطیے میں نے اپنی حالت درست کی اور درباری لباس مرتب کیا اور سہیل بن عبد اللہ کے ہمراہ دربارِ وزارت میں جانے کی تیاری کی۔ اتفاق سے راستے میں ایک موقوف شدہ عامل سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرا قدیم ملنے والا تھا، دیکھتے ہی کہا کہ:

”اگر جعفر بر مکی کی مدح میں چند شعر کہو اور مجھے عہدے پر بحال کر دو تو پانچ ہزار درہم شکرانہ میں ادا کروں گا۔“

میں نے اقرار کر لیا اور چند مدحیہ اشعار لکھے جن کا مضمون مطابق اس حدیثِ نبوی تھا۔ اطلبوا لہما جانتا عندہا ان الوجوہ حاجت براری اچھے ہی لوگوں سے ہوا کرتی ہے۔

دربار میں پہنچ کر وہی اشعار میں نے جعفر کو پیش کیے۔ اس سے قبل مجھے جعفر نے نہیں دیکھا تھا لیکن اشعار سنتے ہی بول اٹھا کہ صریح القوانی تیرا ہی نام ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں یہی خادم ہے۔ چنانچہ فوراً بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر پوچھا کہ خاص مطلب کیا ہے؟

میں نے اس عامل کی سفارش کی چنانچہ فوراً درخواست منظور ہوئی جب دیوان عام اٹھ گیا تو مجھے بھی مجلس خاص میں طلب کیا۔ منتخب احباب کا مجمع تھا، مجلس کی ستھرائی اور آرائستگی کا کیا کہنا ہے شاید قیصر و گنہگار کی ایسی مجلس میسر نہ ہوتی ہو۔ وہ رنگ دیکھا کہ میں حیرت زدہ ہو گیا۔ چونکہ بے تکلف دوستوں کا مجمع تھا اس لیے بنا زحیم چھٹرا گیا اور دور شراب پینے لگا جعفر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنا کلام سناؤ۔ میں نے حسبِ حال پڑھنا شروع کیا۔ چند ہی بیت پڑھے تھے کہ چاروں طرف سے نعرہ ہانگے تختیوں بلند ہونے لگے۔ اس صحبت کے ساتھ دور برابر جاری تھا۔ جب ساتی بچھ تک پہنچا میں نے عرض کیا:

”معافی چاہتا ہوں، کیونکہ میں نے آج تک پی نہیں ریسے۔“

جعفر نے کہا: ”خوب! شراب کی تعریف میں ساحری دکھانا اس کے خواص اور اندرونی اثرات کا بیان کرنا کیونکر ممکن ہے جب تک وہ منہ نہ لگائی گئی ہو کچھ ہی ہو آج تو ایک گلاس پینا پڑے گا۔“

چنانچہ جعفر کے اصرار سے طوعاً و کرہاً ایک ساغر چڑھ گیا

میرے اس فعل سے جعفر کو تہایت شرمندگی ہوئی اور کہا کہ ”ابو مسلم میں تمہارے حسنِ ادب سے خوش ہوا، اس کا صلہ ملے گا۔“

جب سب لوگ چلے گئے صرف جعفر اور میں رہ گئے اس وقت جعفر نے کہا کہ اب تم کو ایک کتیز دکھانا ہوں جس کی مثال نہیں ہے اور ایسی راگنیاں سنو تاہوں جو تم نے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ چنانچہ ایک کتیز کو طلب کیا جس وقت وہ میرے سامنے آئی تو معلوم ہوا گویا سورج نکل آیا۔ اس کے حسنِ کارِ عالم تھا کہ شعرِ دیوان کے دیوان مدح میں لکھ ڈالیں تاہم اس کے حسن کی تعریف نہ ختم ہو سکے۔

جعفر نے حکم دیا کہ بربط پر کوئی عمدہ غزل سناؤ۔ اس کتیز نے اس کمال سے بربط بجایا کہ جعفر نے خود ہو گیا۔ اس پر خوبی قسمت یہ طرہ ہوا کہ یہ غزل بھی میری ہی تھی۔ جب جعفر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ یہ کس کی غزل تھی؟

میں نے عرض کیا کہ بندہ صریح الفوائی کی۔ لیکن اس کی راگنیوں نے مجھے بھی بے چین کر دیا تھا۔ اس لیے جعفر نے حکم دیا کہ مسلم اس کنیز کو دختر کہہ کر پکارو تا کہ تم کو اس کا دیکھنا مباح ہو جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ مجھ سے ہمکلام ہوتی۔ میں اس کی طباعی اور ذہانت کی تعریف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تقوڑی دیر میں میری بہت سی غزلیں یاد کر لیں اور جعفر کے سامنے جس پر غشی کی نوبت آپہنچی تھی۔ موسیقی کے کمال طرز پر لگایا لیکن اتفاق سے اس غزل میں چار ہی بیت تھیں۔ جعفر نے خوش ہو کر حکم دیا کہ صریح الفوائی کو اس غزل کا صلہ چار سو دینار دیا جائے۔ یہ سن کر مجھے اپنی تقدیر پر افسوس ہوا کہ کاش یہ غزل طولانی ہوتی۔

جب مجھے یہ انعام مل چکا تو کنیز نے عرض کیا کہ اے دزر عالم پناہ اشاعر کو چار سو دینار اس غزل کا صلہ دیا گیا اور جس نے ان اشعار کو سوطح پر لگایا اس کو بھی اسی قاعدے کے مطابق صلہ ملنا چاہیے۔

جب میں رخصت ہوا تو چلتے وقت کنیز نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی اپنے باپ کی خدمت کروں؟ جعفر نے کہا کہ مناسب ہے۔

چنانچہ اس کنیز نے ایک ڈبہ گراں بہا جو ہرات کا اور قیمتی لباس اور ایک خوبصورت لونڈی پیش کی۔ میں نے یہ تحفے لیا اور رخصت ہوا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس کنیز کا نام ایمان تھا چنانچہ میں نے بھی ایمان کو عمدہ تعلیم دی اور نہایت عمدہ اشعار اس کو یاد کرائے۔ پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ نہایت عمدہ شعر کہنے لگی اور مجھ سے بہت کچھ سلوک کیا۔ چنانچہ علاوہ عطیہ جعفر کے میں نے حساب کیا تو دوسو قیمتی جوڑے، ۲۳ ہزار مثقال چاندی، ۲۰ دانہ مروارید گراں بہا اور ایک ڈبہ قیمتی جو ہرات کا ایمان کے وصول ہوا تھا۔

یہی برہمکی کی آغوش تربیت میں ہارون نے
مامون جعفر کی آغوش تربیت میں اپنے شعور کی آنکھیں کھولیں۔ پھر ہارون کے بیٹوں کی تربیت پچی کے بیٹوں کے سپرد ہوئی۔

جس طرت امین الرشید نے فضل برہمکی کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور تعلیم تربیت حاصل کی اسی طرح مامون الرشید جعفر برہمکی کے سپرد کیا گیا۔ کسائی اور یزیدی جیسے مجتہد اس کی تعلیم

پر پانچ برس کی عمر سے مقرر تھے۔ اور عام اخلاق و عادات کی نگرانی بھی کرتے تھے لیکن مکمل تربیت جعفر کے سپرد تھی۔ اگرچہ باضابطہ اتالیقی سلسلہ میں ہوتی لیکن خاص کر بچپن ہی سے ماموں پر جعفر کی توجہ تھی بمقابلہ دیگر خلفاء اور شہزادگان عباسیہ کے جو علمی کمالات ماموں الرشید نے حاصل کیے وہ حقیقت میں جعفر کی اغوش تربیت میں پلنے کا صدمہ تھا جس کا ثبوت خود ماموں الرشید کے حالات ہیں۔

بعض مرتبہ ہارون اور جعفر کی بے تکلفی بہت ہی
جعفر اور ہارون کی بے تکلفی دلچسپ صورت اختیار کر لیتی۔

ایک دفعہ جعفر برمکی اور خلیفہ کے درمیان فیصلہ کے لیے ابو یوسف حاکم مقرر ہوئے تھے ایک رات جعفر برمکی اور ہارون دونوں نے ہمید کا جلسہ قرار دیا۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک کینز تم نے خریدی ہے جس کے خریدنے کا میں مدت سے شائق تھا تم اس کینز کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ جعفر نے کہا میں تو اس کو بیع نہیں کر سکتا۔ خلیفہ نے کہا اگر بیچتے نہیں تو مجھے ویسے ہی دے دو۔ جعفر نے کہا کہ میں اس کو ہدیہ بھی نہیں دے سکتا۔

یہ سن کر ہارون غصے میں چلا اٹھا کہ تم اس کینز کو میرے ہاتھ بیع کر دو یا ہدیہ دو ورنہ زبیرہ پر طلاق باتن ہے۔ یہ الفاظ منہ سے نکلے ہی ہوں گے کہ ان کے مطلب پر جعفر اور خلیفہ آگاہ ہوئے اور دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر خلیفہ نے کہا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ان پر ہے جس کو قاضی ابو یوسف کے سوا اور کوئی فیصل نہیں کر سکتا۔

قاضی صاحب کو فرمایا گیا۔ قاضی صاحب یہ سمجھ کر کہ خلیفہ نے مجھ کو اس وقت ادھی رات جو بلوایا ہے تو ضرور کوئی بہت ضروری معاملہ پیش ہو گا۔ اس لیے وہ اٹھے اور اپنے خچر پر سوار ہوئے۔ سائیس سے کہا تو بڑھ میں دانہ ڈال کر لیتا چل، وہاں مجھے بہت دیر لگے گی اور تو اس عرصے میں خچر کو دانہ کھلا دینا۔

جب قاضی صاحب وہاں پہنچے تو خلیفہ ہارون الرشید تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور ان کا استقبال کر کے ادب سے اپنے برابر مسند پر بٹھایا اور پھر وہی گفتگو دہرائی جو اس میں اور جعفر میں ہوتی تھی۔ قاضی صاحب نے پرسن کر اول تو رہی ترکیب بتائی جس کا ذکر اوپر کی حکایت میں گزرا ہے لیکن ہارون کو

اس سے تسکین نہ ہوئی چونکہ خلیفہ اس کنیز کو فوراً اپنے قبضے میں بغیر اپنی قسموں کے کفارہ کے پورا کرنا چاہتا تھا، ابولوسف نے کہا کہ اس سے زیادہ کوئی حجت شرعی نہیں ہو سکتی کہ اس کنیز کا اپنے غلاموں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر دو اور پھر وہ غلام اس کو طلاق دے دے تب وہ کنیز آپ کے لیے جائز ہو سکتی ہے۔

خلیفہ نے ایک غلام کو بلا کر اس کنیز کا اس سے وہیں اسی وقت نکاح کر دیا اور پھر اس غلام کو حکم دیا کہ تو اس کنیز کو طلاق دے دے مگر اس غلام نے طلاق دینے سے بالکل انکار کر دیا۔ گو اس کو لالچ بھی بہت دیا گیا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ اس بات سے خلیفہ کو نہایت درجہ غصہ اور طیش آیا۔ قاضی صاحب نے اب اور زیادہ مشکل مسئلے میں پھنس گئے۔ آخر انہوں نے یہ صلاح دی کہ کنیز کے خاوند کو بطور غلام کے اسی کنیز کو دے دیا جائے جب ان کے اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو قاضی صاحب نے پھر یہ فتویٰ دیا کہ اس کنیز کا نکاح اس غلام سے جو ہوا تھا وہ اب منسوخ ہو گیا اس لیے کہ یہ غلام اب اس کنیز کی ملکیت میں آ گیا ہے۔

خلیفہ اور جعفر قاضی صاحب کی اس ہوشیاری اور آگاہی علوم سے اس قدر خوش ہوئے کہ جب قاضی صاحب حضرت ہو کر گھر جانے لگے تو ان کے خچر کے توپڑے کو دونوں نے سونے سے بھر دیا۔

ہارون الرشید پر جعفر کو کتنا اقتدار حاصل تھا اس کا اندازہ

ہارون پر جعفر کا اقتدار ذیل کے واقعے سے ہو گا۔

ایک مرتبہ جعفر نے اپنے مخصوص ندیموں اور خاص دوستوں کو جمع کر کے ایک جلسہ شراب ترتیب دیا۔ مکان کو نہایت آراستہ کر کے ظروف نقرہ اور فرش وغیرہ سے بغایت پیراستہ کیا تمام مہمان اور دوست احباب موجود تھے۔ ایسے موقع پر جیسا کہ دستور ہے سب نے نہایت زرق برق اور شہمی کپڑے پہن رکھے تھے۔ شراب کا آرا دارانہ طور سے دہرا چل رہا تھا۔ مغنیوں کے نغموں، ساز اور تاروں کے ترنم سے تمام مکان گونج رہا تھا مگر ابھی تک جعفر کا ایک مہمان عبد الملک بن صالح نہیں آیا تھا۔

جعفر نے دربانوں کو سخت تاکید کر دی تھی کہ سوائے عبد الملک بن صالح کے اور کوئی شخص چاہے کیسی ہی ضرورت کا کام ہونے آئے پاس نہ آئے۔

اتفاقاً ہارون الرشید کا ایک قریبی رشتہ دار جس کا نام عبد الملک بن صالح بن علی بن عبد اللہ

بن عباس تھا ایک ضروری کام سے جعفر کو ملنے کے لیے آئے۔ دربانوں نے نام کی مشابہت سے دھوکا کھا کر ان کو اندر جانے دیا۔ یہ عبد الملک بن صالح نہایت بد مزاج تھے اور بڑے پابندِ شریعت تھے جعفر نے ان سے اصرار کیا تھا کہ آپ بھی جلسہ عیش و عشرت میں شریک ہو جایا کیجئے لیکن عبد الملک ہمیشہ اصرار انکار کرتے رہتے تھے۔ اس وقت عبد الملک جب اندر گئے اور جعفر اور ان کی منظر چار ہوئی۔ جعفر نہایت نادم اور پریشان ہوا لیکن عبد الملک اس جلسہ سے کچھ ایسے خوش ہوئے کہ انہوں نے فوراً ہی اس جلسے کی شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ کسی کے بارِ خاطر نہ رہے اور جعفر کی تسلی اور خاطر اور اطمینان کے لیے اس نے اس جلسے کے دستور کے موافق خادموں سے ریشمی پوشاک منگوا کر پہن لی اور جلسہ نشاط میں شامل ہو کر نہایت سرگرمی سے ہمکلام ہوئے اور دو چار ساغر شراب کے بھی چڑھا گئے۔

خلافِ عادت یہ واقعہ دیکھ کر جعفر بہت خوش ہوا۔ خوب قہقہے لگائے پھر ہکمالِ ادب عرض کیا کہ حضرت میں آپ پر فدا ہوں۔ یہ تو فرمائیے کہ آخر اس تکلیف اور زحمت کا باعث کیا ہے؟ اگر کوئی حاجت ہے تو بیان کرو بندہ خدمت گزار ہی کو حاضر ہے۔ عبد الملک نے سہف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ موقعِ عرض کرنے کا نہیں ہے، رفعِ حاجت کے وقت اور ہی ہوا کرتے ہیں، آخر اس کی جلدی کیا ہے؟

لیکن جعفر نے نہ مانا اور پھر اصرار سے پوچھا تب بہ مجبوری عبد الملک نے کہا کہ میری طرف سے جو کہرتیں امیر المومنین کے دل میں ہیں وہ جاتی رہیں اور وہ آئندہ مجھ سے مہربانی سے پیش آئیں۔ دوسری یہ کہ چار ہزار دینار کا قرض دانیوں سے شاہی خزانے سے ادا کر دیا جائے۔ تیسری یہ کہ محمد ابراہیم اپنے بیٹے کی شادی امیر المومنین کی دختر سے کرنا چاہتا ہوں تاکہ سلسلہ قرابت اور بھی مستحکم ہو جائے اور بعد شادی کے کوئی معزز خدمت اس کے سپرد کی جائے۔

جعفر نے عبد الملک کی درخواستوں کو سن کر کہا یہ تو معمولی امور ہیں۔ امیر المومنین آپ سے بہت خوش ہیں، کوئی ملامت ان کو نہیں ہے، اطمینان رکھئے، قرض کی تعداد قلیل ہے، پر رقم حاضر ہے، مگر آپ کا مرتبہ اتنا عالی ہے کہ میں یہ نہیں عرض کر سکتا کہ آپ اس رقم کو بطور عطیہ کے قبول فرمائیں لیکن آپ کی خدمت میں خزانہ شاہی سے پر رقم پہنچ جائے گی اور ابراہیم کا عقد میں نے عالیہ بنت یارون الرشید سے کر دیا۔ کل بعد نکاح حکومتِ مصر کی سند بھی مل جائے گی۔ آپ اول وقت دربار میں تشریف لائیں۔

اسحاق کہتا ہے کہ پہلی اور دوسری درخواست کا جواب تو معمولی تھا لیکن تیسری درخواست

کا جواب سن کر مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا یہ نشہ کی لہن تو انہیں ہیں، کیونکہ خلیفہ کی خوشنودی مزاج سہل، قرضہ کا ادا ہونا آسان اور حکومت کا ملنا بھی ممکن، لیکن وزیر کو یہ قدرت کب کہ اختیار خود بادشاہ کی جس دستر کا چاہے عقد بھی کر دے، یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ مجھے اس کا خیال رہا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔ عبد الملک بھی رخصت ہو گیا۔ لیکن رفع خمار کے بعد نہایت شرمندہ اور نام ہوا اپنے ناشائستہ الفاظ پر بہت رویا۔ اور توبہ کی صبح کو غسل کر کے دربار میں حاضر ہوا کہ دیکھتے جعفر کے وعدوں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اور میں بھی علی الصبح ایوانِ خلافت میں حاضر ہوا جس وقت میں پہنچا ہوں اس وقت قاضی ابو یوسف و محمد بن الحسن اور دیگر ائمہ کبار اور معارف بغداد ایک وسیع کمرے میں جمع تھے۔ ہارون تخت پر بٹھٹھا تھا اور جعفر عیش و عشرت کی داستان بیان کر رہا تھا جب ان معابدوں کا ذکر آیا جو عبد الملک سے کیے گئے تھے تو ہارون نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اور عبد الملک سے علی رؤس الاشهاد اپنی خوشنودی مزاج ظاہر کی۔ اور قرض کا وزیر خزانہ کو حکم دیا گیا اور عالیہ سے ابراہیم کا عقد کر دیا اور مصر کی حکومت کی سند عطا فرمائی اور خوشی خوشی مسرت ہوئے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر تمام دربار حیرت زدہ ہو گیا اور جعفر کے اختیارات اور زور حکومت کی شہرت ہو گئی۔

سازشیں اور مخالفتیں جعفر کی بارگاہِ خلافت میں یہ عزت اور محبوبیت رنگ لائے بغیر نہ رہی، خلیفہ کو جعفر سے بدگمان کرنے کے لیے سازشوں اور دراندازیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

تمامہ بن ابی اسیر نے روایت احمد بن یوسف روایت کرتے ہیں کہ محمد بن ابی اسیر نے جو عہد ہارون میں ایک باوقار عالم تھا، خلیفہ کو ایک طویل خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”امیر المؤمنین! تو قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دے گا کہ تو نے یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کو مسلمانوں پر حاکم مقرر کر رکھا ہے جو کام اہل اسلام کا تھا وہ زندیقیوں کے سپرد کیا ہے۔“

ایسا بھی ہوتا کہ خلیفہ کے سامنے دوران گفتگو کوئی شخص کسی ناگوار بحث کا جعفر کی حیرت انداز کر دیتا اور جعفر کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا تاکہ خلیفہ بھی مشتعل ہو جائے اور معاملہ فیصلہ کن صورت اختیار کر لے۔

ایک مرتبہ ہارون کے دربار میں فضل بن ربیع نے جعفر سے الجھنا شروع کر دیا۔ اس کی کج بختی سے تنگ ہو کر جعفر نے غصے سے ہو کر فضل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے نقیض چپ رہ۔
یہ سن کر فضل بن ربیع جھلا اٹھا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! آپ گواہ رہیں جعفر نے بڑی سخت کلامی کی ہے۔

جعفر نے خلیفہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ملاحظہ کیجئے، معلوم نہیں کہ یہ جابل آپ کو گواہ بنا کر کس عدالت میں کھڑا کرے گا، حالانکہ یہ نہیں سمجھتا کہ حاکم الحکام تو حضور ہیں۔
جعفر کے برحسبہ جواب پر زور سے قہقہہ لگا اور فضل بن ربیع چپ ہو رہا۔ خلیفہ ہارون نے کہا کہ جو شخص اپنا مرتبہ نہ جانتا ہو اور جس کو اپنے علم کا بھی علم نہ ہو، اس کو ہمیشہ ایسی ہی تجالٹ ہوگی جیسی آج سردار فضل بن ربیع کو ہوتی۔

رفتہ رفتہ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ ہارون جعفر سے بدگمان ہوتا جعفر اور عباسہ گیا۔ بدگمانی نے نفرت کی صورت اختیار کر لی اور نفرت اس کے قتل پر منتج ہوئی۔ قتل جعفر کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:
علامہ ابو جعفر جریر الطبری المتوفی ۳۲۰ھ (۶۲۲ء) نے زوالِ برامکہ کے جو اسباب لکھے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے:

دراحمد بن زبیر بروایت اپنے چچا زبیر بن عرب کے کہتا ہے کہ جعفر برہمی اور اس کے خاندان کی ہلاکت کا سبب یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو بغیر اپنی بہن عباسہ اور وزیر جعفر کے ایک دم بھی چین نہ آتا تھا۔ جب بے نوشی کے جلسے ہوتے تو یہ دونوں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ اس لیے جعفر سے خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں تم دونوں کا عقد کر دوں تاکہ شرعاً ایک کو دوسرے کا بھینسا مباح ہو جائے، لیکن زن و شوئی کے تعلقات نہ ہوں اور اس شرط پر جعفر کا نکاح عباسہ سے کر دیا گیا۔

لیکن اس شرط پر شرعی حیثیت سے نہ عمل ضروری تھا
عباسہ سے جعفر کی اولاد نہ کیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک جشنِ طرب کے سلسلے میں جعفر

کئی روز تک قصر شاہی میں مقیم رہا۔ یہاں عباسہ سے بے حجابانہ ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک بے تکلفی کی ملاقات کے بعد چوری چھپے بھی کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ اس واقعہ کی اگرچہ کسی کو خبر نہ ہوئی لیکن عباسہ کے حمل نے اس راز کو طشت از بام کر دیا اور وضع حمل کے بعد یہ خیال بدنامی عباسہ نے اس لڑکے کو مکہ معظمہ روانہ کر دیا اور سوائے عباسہ کی کنیزوں کے اور کوئی اس حال سے واقف نہ ہوا، لیکن آخر کب تک یہ واقعہ چھپ سکتا تھا، اتفاق سے عباسہ کی ایک کنیز زبیدہ خاتون سے مل گئی اور اس نے یہ تمام حالات زبیدہ سے بیان کر دیے۔

آخر کار یہ واقعات ہارون کے علم میں آئے اور جب ایک روز زبیدہ نے زبیدہ یہ بتایا کہ عباسہ ایک بچے کی ماں بن چکی ہے تو یہ واقعات سن کر وہ سنائے میں رہ گیا اور زبیدہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ جعفر نے ایسا کیا ہے؟ زبیدہ نے کہا کہ ہاں عباسہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے پوچھا کہ وہ لڑکا کہاں ہے؟

زبیدہ نے کہا کہ وہ یہاں موجود تھا لیکن جب اس کے ظاہر ہونے کا خوف ہوا تو عباسہ نے مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ ہارون الرشید یہ سن کر چپ ہو گیا اور زبیدہ سے کہا کہ خبردار محل کی کوئی کنیز بھی اس سے واقف نہ ہونے پائے۔ زبیدہ نے جواب دیا کہ اس محل میں ایسی کون کنیز ہے جو اس حال سے واقف نہیں ہے، تب ہارون الرشید خاموش ہو رہا اور اپنے دلی خیالات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کو اپنے وزیر سے رنج ہے۔ لیکن برا مکہ کی تباہی و بربادی کے خیالات اس کو اسی وقت سے پریشان کرنے لگے اور دل ہی دل میں منصوبے باندھنا شروع کر دیے۔

یہ واقعات جو اوپر بیان کیے گئے ان کا منبع اور مصدر ابن خلدون کی تردید طبری ہے۔ لیکن ابن خلدون نے نہایت زور شور سے اس ساری کہانی کی تردید کی اور عقلی اور تسلی دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ یہ محسن من گھڑت داستان ہے۔ جسے حقیقت اور واقعہ کے دور کا بھی تعلق نہیں۔ عباسہ کی شادی خاندان ہی کے

ایک فرد سے ہو گئی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ عرب کا گروہ برا مکہ کی شان و شوکت اور اقتدار کو حسد کی نگاہ
اصل سبب سے دیکھتا تھا اور ہارون کو بات پر برا لگنے لگتا کرتا تھا اور چھوٹی چھوٹی
معمولی خبریں ہولناک اور واقعاتِ عظیم کے پیرایہ میں دکھلائی جاتی تھیں جس سے ہارون کا
اشتعالِ طبع روز بروز بڑھتا گیا۔

برامکہ کی تباہی و بربادی کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں ایک
اسبابِ زوالِ برامکہ سبب یہ بھی ہے کہ جعفر کا میلان علویوں کی طرف تھا اور وہ
ان کے ہر اڑے وقت میں مدد کرتا باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔ حالانکہ ہارون ان لوگوں کے
وجود کو اپنی سلطنت کے لیے ایک خطرہ سمجھتا تھا۔

عہدِ ہارون الرشید میں جس قدر بغاوتیں حصولِ خلافت کے لیے ہوئیں منجملہ اس کے
یہیحی بن عبداللہ الحسینی (برادرِ محمد ہمدانی لقب بہ نفسِ ذکیہ) کی بغاوت بھی مشہور ہے۔ ہارون
کے مقابلے میں بمقام طبرستان یہیحی نے علمِ بغاوت بلند کیا چنانچہ فضل برمکی کی حکمتِ عملی سے
ہارون الرشید کو کامیابی ہوئی اور یہیحی دار الخلافہ میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے بہ منظر احتیاط و اعتبار
جعفر کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس قیدی کو اپنی نگرانی میں رکھے اور جہاں تک ممکن ہو حفاظت کی
جائے چنانچہ جعفر نے یہیحی کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

ایک دن جعفر نے یہیحی کو اپنے پاس بلایا اور سب حالات دریافت کیے چونکہ یہیحی کو
یقین تھا کہ ہارون الرشید آلِ ابوطالب کا سخت جانی دشمن ہے اس لیے نہایت
عاجزانہ لہجے میں کہا:

”اے جعفر باوجود اس فضل و اہمیت کے کیا تو مجھے ہلاک کرے گا؟ کیا تجھ کو معلوم
نہیں ہے میں غلی کا فرزند ہوں۔ خدائے عزوجل سے ڈرا اور رسولِ مقبول کی دشمنی سے
محترز رہ۔ میں بے گناہ ہوں، ہارون نے مجھ سے فریب کیا ہے اور پناہ دے کر خلافِ
معاہدہ مجھ کو قید کیا ہے۔“

جعفر نے رحم کھا کر اس علوی کو چھوڑ دیا اور کہا ”جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔“

یہ سچی نے کہا مجھے گرفتاری کا خوف ہے۔
 تب بہ ہمراہی ایک خاص شخص اس کو ایک محفوظ مقام میں بھیج دیا گیا لیکن جعفر کے
 ایک خادم نے جو فضل بن زبیر کا مخبر تھا یہ حال فضل سے کہہ دیا۔
 چنانچہ خلیفہ نے بعد تحقیقات کے جب واقعہ کی تصدیق کر لی تو ایک دن آسمانے کلام
 میں کھانے کے وقت جعفر سے پوچھا کہ سچی حسی کا کیا حال ہے؟
 جعفر نے کہا امیر المومنین وہ بدستور سے اور پھاری زنجیروں میں جکڑا ہے یہ سن کر
 ہارون نے پھر پوچھا:

”تجھے میری جان کی قسم کیا سچی قید میں ہے؟“
 تب جعفر سمجھ گیا اور کہا امیر المومنین میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، کیونکہ میرے نزدیک
 خلیفہ برحق کو کوئی آزار اس کی ذات سے نہیں پہنچ سکتا ہے۔“
 ہارون الرشید کو اس بغاوت انگریز ملزم کو چھوڑ دینے کا بہت افسوس ہوا لیکن بظاہر خوش
 ہو کر کہا کہ بہت خوب کیا، میرا بھی یہی ارادہ تھا۔
 جب جعفر رخصت ہوا تو ہارون اس کو دیکھ رہا تھا اور کہتا جاتا تھا:

”قلنی اللہ ان لم يقتلك فكان من امرک ما کان“

طبری نے اس روایت کو ابو محمد بزیدی کی زبانی بیان کیا ہے جو ایک معتبر راوی ہے
 آخری مرتبہ جب ہارون حج کے ارادہ سے روانہ ہوا اور حوالی حجاز
 حجاز کے راستے میں ہیں پہنچا تو اسی مقدس مقام سے چھڑ چھاڑ شروع کر دی سبب
 سے پہلی چشمک یہ ہوئی کہ مقام عسفان میں جعفر بر مکی جو دعوت ہمیشہ کیا کرتا تھا وہ اس
 مرتبہ ہارون الرشید نے نامتطور کی جس سے جعفر کو یقین ہو گیا کہ بس اب میری خیر نہیں۔
 فیصلے کا وقت آگیا آخر وہ زمانہ آگیا۔ ہارون نے فیصلہ کر لیا کہ اب جعفر کو راستے
 سے ہٹا دینے کا وقت آگیا ہے۔ وہ ایک عرصے سے ذہنی
 کش مکش میں مبتلا تھا۔ ایک طرف جعفر کے خدمات تھے، کارنامے تھے، وفاداری تھی
 اخلاص تھا، دوسری جانب بدگمانی تھی۔ آخر بدگمانی کو فتح ہوئی اور اخلاص کا سر قلم کر

دیا گیا۔

ہارون نے مسرور کو حکم دیا کہ جعفر کا سر کاٹ لائے۔ جعفر اپنے جلسہ طرب میں بیٹھا تھا کہ مسرور تلوار لے کر پہنچا اور خلیفہ کا حکم سنایا۔ جعفر نے مسرور کی یہ گفتگو سنی تو اس کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا اور مسرور سے کہا کہ اچھا میرے قتل میں تھوڑا سا اور توقف نہ کر اور خلیفہ سے جا کر کہہ کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے، میں بھی خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سنتا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مسرور نے یہ منظور کر لیا اور خلیفہ کو جا کر اطلاع کی کہ میں نے جعفر کو قتل کر دیا ہے ہارون اس وقت غضبناک بیٹھا ہوا تھا پوچھا سر کہاں ہے؟ مسرور نے کہا کہ فلاں خمیے میں، جہاں قتل کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ فوراً پیش کر۔ چنانچہ مسرور جعفر کے پاس گیا اور کہا کہ اب تو میرے قول کی آپ کو تسدیق ہو گئی۔ اس وقت جعفر رونے لگا اور نہایت عاجزی کے ساتھ مسرور سے کہا۔

”مجھے اس قدر مہلت دو کہ میں حرم سرا میں جا کر جو وصیت کرنا ہو کر آؤں“ لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنتظر کی اور کہا کہ جو وصیت کرنا ہے یہاں کر لیجئے اندر جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔

تب جعفر نے کہا کہ اے مسرور میرے جس قدر حقوق تجھ پر ہیں کیا اس کے مکانات میں ایک ساعت کی مہلت دینے کی تجھ کو قدرت نہیں ہے۔ مسرور نے کہا کہ میں مجبور ہوں، امیر المؤمنین کے حکم کے خلاف کیوں کر کروں۔

جب جعفر کو یقین ہو گیا کہ کم بخت مسرور کسی طرح ان کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا اس وقت کلمہ طیبہ با آواز بلند پڑھا اور حاضرین جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم گواہ رہو میرے جس قدر لونڈی غلام ہیں وہ آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہیں اور جس قدر مال ہے وہ مساکین پر وقف ہے۔ جس قدر امانتیں اور قرضہ میرا لوگوں پر ہے میں اس کو بھی معاف کرتا ہوں حاضرین جلسہ کا اس وقت بُرا حال تھا۔ سب زار زار روپے بکتے۔ جبرئیل کی روایت ہے کہ پھر ہر تمہ بن اعبین نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور جعفر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اے فاسق

اٹھ کھڑا ہو۔“

سننے میں ہارون کا ایک اور خادم آیا اور کہا کہ جلد لے چلو۔

چنانچہ جعفر کو اس کے خیمے سے ہارون کے خیمے تک بڑی طرح گھسیٹ کر لے گئے اور اسی جگہ مسرور نے ایک ہاتھ تلوار کا جعفر کی گردن پر ایسا مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔

چھتیس برس کی عمر میں سترہ برس سات مہینے گیارہ دن وزارت کر کے محرم کی اتھری تاریخ سینچر کی رات ۲۹ جمادی ۳۳ھ بمقام عمر نہایت حسرت و بے کسی کے عالم میں یہ بلند پایہ وزیر اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔

مسعودی کی روایت یہی واقعہ مسعودی نے مروج الذهب میں اس طرح بیان کیا ہے:

جعفر کو وزیر بنے ایک مدت گزر گئی تھی۔ اس کا باپ اور اس کے بھائی مملکت پر پورے طور پر حاوی ہو گئے تھے۔ زبیدہ ہارون کی نہایت عزیز بیوی تھی ہارون اس کے کہنے کو کسی صورت میں ٹالتا نہیں تھا۔ وہ برابر ہارون کو جعفر کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ آخر جب ہارون نے اس کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تو اس نے اپنے خاص الخاص خادم یا سر کو بلایا اور کہا:

”یا سر جس کام کے لیے میں نے تجھے اس وقت بلایا ہے میرے نزدیک اس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین) نہ عبد اللہ (مامون) اور نہ قاسم (مومن) میں ہے۔ اچھی طرح یاد رکھ میں جو حکم دیتا ہوں اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کیجو۔ ورنہ تیرے مرتبہ اور اعزاز میں فرق آجائے گا۔“

یا سر نے جواب دیا

”امیر المؤمنین اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں تلوار اپنے سینے میں پشت سے پار کر دو تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں، آپ مجھے جو حکم دینا چاہتے ہیں دیکھئے۔ میں انشاء اللہ فوراً اس کی تعمیل کروں گا۔“

ہارون الرشید نے کہا:

”کیا تو بچی بڑھکی کے بیٹے جعفر کو جانتا ہے؟“

یا سرنے جواب دیا

”رجی ہاں میں جانتا ہوں، ایسا کون ہے جو لے نہ جانتا ہو۔“

بارون نے کہا:

”اچھا اسی وقت جا اور جس حالت میں بھی تجھے جعفر ملے اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے

حاضر کر۔“

یہ سن کر یا سرنے پر گویا بجلی گری پڑی وہ حیران پریشان خاموش کھڑا تھا۔

بارون نے کہا:

”تجھے معلوم نہیں کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کا کیا نتیجہ ہوگا؟“

یا سرنے جواب دیا:

”امیر المومنین یقیناً مجھے پتہ ہے لیکن سخت مشکل کام ہے، میں اس کام کی نسبت

مرجانا بہتر سمجھتا ہوں۔“

بارون نے غصے میں کہا:

”تجھے یہ کام کرنا پڑے گا اب اگر توتے کوئی عذر کیا تو تیرا سر کاٹ لیا جائے گا۔“

مجبوراً یا سرنے کا نسلطت اور فوجی سپاہیوں کو لے کر جعفر کی رہائش گاہ کی

طرف چلا، جعفر کے ہاں مجلس جمی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر یا سرنے جعفر سے کہا:

”مجھے امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔“

جعفر نے کہا:

”یہ تمہاری غلط فہمی ہے، انہوں نے بنیذ کی ترنگ میں مذاقاً ایسا حکم دیا ہو گا۔ یہ ان

کا حقیقی حکم نہیں ہے۔“

یا سرنے جواب دیا

”آپ کا خیال غلط ہے، نہ امیر المومنین نے مذاق میں ایسا حکم دیا ہے

نہ بنیذ کی ترنگ میں، انہوں نے کئی روز سے بنیذ کی شکل تک نہیں دیکھی۔“

اب جعفر نے التجا امیر لہجے میں یا سر سے کہا:
 ”تجھ پر میرے ان گنت حقوق ہیں، جن کا تو نے آج تک کبھی بدلہ نہ اتارا، ان احسانات
 کا بدلہ اتارنے کا یہی وقت ہے۔“

یا سر نے جواب دیا:

”میں ضرور اپنا بدلہ اتار دیتا، لیکن امیر المومنین کا حکم کسی طرح نہیں ٹال سکتا۔“
 جعفر نے کہا:

”تب یوں کر دکھ اس وقت واپس جاؤ۔ اگر صبح کو امیر المومنین کو پشیمان پاؤ تو
 کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر قائم رہیں تب مجھے کوئی عذر نہ ہوگا
 رات بھر کی اس مہلت کا صلہ میں تمہیں اس قدر دوں گا جس کا حساب نہیں۔“

یا سر نے جواب دیا:

”یہ ناممکن ہے۔“

جعفر نے کہا:

”اگر تمہارے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے تو میرے قتل میں تھوڑا سا توقف اور کرو
 اور مجھے ایسی جگہ ملے چلو جہاں سے میں امیر المومنین کا حکم اپنے کانوں سے سن سکوں
 اگر تمہارا عذر کام نہ آیا اور انہوں نے میرے قتل پر اصرار کیا تو پھر تم بے شک ان کے
 حکم کی تعمیل کر دینا۔“

یا سر نے یہ بات مان لی اور جعفر کو لے کر ہارون کے محل میں آیا، جعفر کو باہر ہی چھوڑا
 اور خود اندر کمرہ میں جا کر خلیفہ سے کہا:

”امیر المومنین میں جعفر کا سر لے آیا ہوں۔“

ہارون نے کہا:

”اسی وقت حاضر کرو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔“

یا سر باہر نکلا اور جعفر سے کہا:

”اب آپ نے خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سن لیا؟“

جعفر نے کہا:

”ہاں بے شک اب اپنا کام سمرانجام دو۔“

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا رومال نکالا اور اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔
یاسر نے تلوار چلائی اور اس کا سرتن سے جدا کر کے ہارون کے پاس لے آیا۔ جب ہارون
نے جعفر کا سر اپنے سامنے دیکھا تو اپنی گردن اس پر جھکالی اور اس کے گناہوں کا ذکر
کرنے لگا۔ اس کے بعد یاسر سے کہا کہ فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ۔ جب یاسر ان لوگوں کو
لے آیا تو ہارون نے ان سے کہا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر
سکتا کہ جعفر کے قاتل کو اپنے سامنے زندہ دیکھوں۔“

جعفر کے قتل کے بعد ہی اگرچہ ہرثمہ بغداد روانہ کر دیا تھا کہ برامکہ
املاک کی ضبطی کے مکانات اور مال و اسباب کو ضبط کرے۔ لیکن اس ابتدائی
حکم کے بعد سختی سے اس پر عملدرآمد ہوا۔ سہل بن ہارون کہتا ہے کہ برامکہ کے کل
مال و اسباب و نقدی جاگیرات کی ضبطی سے تین کروڑ چھہتر ہزار دینار وصول ہوئے
منجملہ اس کے ایک کروڑ تیس لاکھ روپے کی رقم کی آمدنی صرف خرچ کی تھی جو برامکہ
کی جاگیرات سے وصول ہو کر داخل خزانہ ہوتی تھی۔

برامکہ کے مال و منال اور املاک و جاگیر کی ضبطی
ہارون کی برہمی قائم رہی
میں بھی ہارون نے اتنی ہی تعجیل سے کام لیا تھا
جتنا جعفر کے قتل میں لیا تھا۔

محمد بن اسحاق (بروایت جعفر بن محمد حکیم) راوی ہیں کہ مجھ سے سندی بن شاہک
نے بیان کیا کہ جعفر کے قتل کی صبح کو میرے پاس ہرکارہ آیا اور ایک لفاظ میرے حوالے
کیا۔ جب میں نے اس کو کھول کر پڑھا تو معلوم ہوا کہ ہارون نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے
جس کے الفاظ یہ تھے:

”سندی! جس وقت تم اس خط کو پڑھو پس اگر بیٹھے ہو تو اٹھ کھڑے ہونا اور
اگر کھڑے ہو تو پھر نہ بیٹھنا یہاں تک کہ مجھ تک پہنچ جاؤ۔“

چنانچہ ہارون الرشید اس وقت موضع عمر میں تھا جس قدر جلد ممکن ہوا میں بھی پہنچا
اول عباس بن فضل بن ریح سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ خلیفہ میرے ہی انتظار
میں اس وقت دریائے فرات کے کنارے بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے فوراً اپنی حاضری
کی اطلاع کرائی۔ چنانچہ اسی وقت حضور میں طلب ہو گیا۔ جو لوگ بیٹھے تھے وہ رخصت
کر دیے گئے۔ جب خلوت ہو گئی تو فرمایا میرے قریب آکر بیٹھو۔ جب میں قریب
ہو گیا تو پوچھا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں خط لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین
مجھے کیا علم ہے؟ تب کہا کہ ایک امر میں مشورہ کرنا ہے۔ لیکن وہ ایک ایسی بات
ہے کہ اگر اس سے میری متعلقہ واقعہ ہو تو میں اسی وقت اس کو فرات میں ڈال
دوں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ معتد افسران فوج اور خدام میں سے کون کون موجود
ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہر تمہ اور مسرور الیکبر، کہا ہاں سچ ہے۔ پھر مجھے حکم دیا
کہ ان دونوں کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ اسلام بغداد کو روانہ ہو، اور برامک کے کل
مکانات ضبط کر کے ہر ایک پر پہرہ مقرر کر دو، تاکہ کوئی شے مکان سے نکلنے نہ پائے۔
اور جعفر کی لاش کے تین ٹکڑے کر کے ایک ایک بغداد کے پلوں پر لٹکا دیا جائے اور سر
جداگانہ جسر اوسط پر آویزاں کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے بہ ہمراہی ہر تمہ بن اعبین اور
ابراہیم بن حمید المزوری کے سر کو روانہ کر دیا اور خود بغداد پہنچ کر برامک کی تمام جاگیریں
ضبط کر لیں۔ میرے پہنچنے کے بعد ہر تمہ بھی آگیا تھا اور جعفر کی نعش ایک اونٹ
پر تھی جس پر پالان تک نہ تھا اور سر جسر اوسط پر عبرت للناظرین لٹکا دیا گیا تھا، اس
کے بعد میں نے جعفر کے مکان پر مسرور کو، فضل کے مکان پر ابراہیم بن حمید اور
حسین خادم کو بھٹی اور محمد کے مکان پر، یحییٰ بن عبدالرحمان اور رشید کو بحیثیت ذمہ دار
افسر کے نگر ان مقرر کیا اور متعلقہ ضبطی دیگر جاگیرات کے اسی قسم کے احکام تمام
شہروں میں جاری کر دیے کہ کل مال و اسباب برامک کا ضبط کیا جائے۔

یحییٰ کا ایک کاتب بیان کرتا ہے کہ: میں یحییٰ
یحییٰ نے یہ خبر کس طرح سنی کے پاس بیٹھا ہوا لوگوں کے عرض پر حکم لکھ

رہا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور یحییٰ کے پاؤں پر گر پڑا۔ یحییٰ نے سر اٹھا کر پوچھا کہ
 کم نجت بتاؤ سہی کیا خبر لایا ہے۔ اس نے کہا ہارون نے ابھی جعفر کو قتل کر دیا ہے۔
 جب وہ کہہ چکا تو پھر پوچھا کہ کیا فی الحقیقت جعفر قتل ہو گیا؟
 اس نے کہا ہاں، یہ سن کر یحییٰ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ کر گر پڑا۔ اور کسی قسم کا تغیر
 نہیں ہوا اور کہا کہ قیامت بھی یگانگ اسی طرح آئے گی
 ایک محرز کا بیان ہے کہ میں نے ہارون الرشید کے دفتر کے جمع خرچ کو دیکھا
 عبرت تو ایک فرد حساب میں لکھا تھا کہ جعفر ربیعہ کی کو نقد اس قدر اور عطیات
 اور کپڑا اس قدر مرحمت کیا گیا جس کی کل میزان تیس ہزار درہم تھے۔ دوسری فرد کو
 دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیمت فقط اور بوریہ جس میں جعفر کی نقش جلائی گئی چار درہم
 اور نیم درنگ تھی۔

ہارون نے جعفر کی نالی کے پاس ایک خط بھیجا
 ہارون کے خط کا جواب جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ
 جعفر واجب القتل تھا۔ اس خط کا جواب فوراً یہ ملا :

امیر المومنین کا فرمان گزار کینز کے پاس پہنچا۔ یہ مقتضائے بزرگی جو شفقت امیر
 کلمات لکھے ہیں وہ معلوم ہوئے، لیکن امیر المومنین کی عالی ہمتی پر مجھے سخت تعجب
 ہے کہ جعفر مرحوم کے سوگ میں میرے دل کے زخم کو تازہ کر دیا۔ جعفر کی خیانت اور
 عدول ٹھکی جو بیان کی گئی ہے امیر المومنین کو اپنی فیاضی سے سزاوار تھا کہ مجھ تک ان
 باتوں کا ذکر نہ آتا، کیونکہ جو الزام تھے اس کی سزا دی گئی اور اگر ناکردہ گناہ جعفر پر
 ظلم کیا گیا ہے تو اس کی بھی امیر المومنین کو خبر ہے، مجھ کو دکھانے سے
 کیا فائدہ؟ امیر المومنین کو اچھی طرح یاد ہے کہ میرا بیٹا جعفر کس رتبے کا شخص تھا۔
 ہنر، عقل، فیاضی اور شجاعت میں کوئی اس کا مثل نہ تھا۔ افسوس کہ جب ایسا فرزند
 جواں اور وہ بھی مظلوم مارا جائے تو اس کی ماں کا کیا حال ہوگا اور وہ کیونکر زندہ رہ
 سکتی ہے۔ میری زندگی یا سعادت جو کچھ سمجھو اس میں ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں

جو معاملہ اب چھپا ہوا ہے روزِ عشر میں کیسے چھپا رہے گا؟ امیر المومنین نے اپنی مہربانی، ذرہ نوازی اور فیاضی سے حکم دیا ہے کہ جو آرزو ہو لکھو اس دنیا میں میری آرزو اور امید وہی میری ہے جیسا تھا جس کو امیر المومنین نے مجھ سے جدا کر دیا۔ خداوند کریم سے یہ تضرع و زاری اب یہی دعا ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں وہو الماحول للہ جابۃ والقادر علیہ اگر امیر المومنین مجھ کو ضعیف کی خدمت سابقہ پر لحاظ فرمائیں تو صرف ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ جاگیرت منضبط میں سے تھوڑی سی اراضی واگزار فرمائی جائے جو میرے یتیم بچوں کی پرورش کے واسطے کافی ہو۔ اور گدائی کی ذلت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ یہ صدر میرے لیے مرنے کے بعد بھی موت سے زیادہ ہوگا۔ امیر المومنین کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ مجھ جیسا مصیبت زدہ نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ کیونکہ جیسا خدا نے مجھ کو عدیم المثال بیٹا دیا تھا اب ویسی ہی عدیم النظر مصیبت بھی دی ہے۔ جس نے میرے بیٹے کو ہلاک کیا اس کے حقوق بھی مجھ پر ہیں اس لیے میرے دل سے بددعا نہیں نکلتی ہے اور یہ مردت اور حق شناسی کا نتیجہ ہے کہ بدگوئی سے میری زبان بند ہے اور قیامت میں بھی میری طرف سے کوئی دعویٰ پیش نہ ہوگا۔

خلیل بن مینم کہتا ہے کہ ہارون نے جب یہ خط پڑھا تو بہت روپا اور کہنے لگا کہ مجھ پر خدا کی پٹھکار ہو اور اس دن پر بھی کہ جس دن میں نے جعفر کو قتل کیا تھا اور فاطمہ سے کہلا بھیجا کہ مجھ کو اور آپ کے خدام جو جعفر کا صبر و محنت فرماتے جو حالِ فراقِ جعفر میں آپ کا ہے وہی میرا ہے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

مسرور کی روایت ہے کہ ہارون نے اس خط کو دوبارہ پڑھا۔ میں اپنے دل میں ڈرتا تھا کہ اس حالتِ بےقراری میں کہیں میرے قتل کا حکم نہ دے دے کیونکہ جعفر کا قاتل تو میں ہی تھا۔ جب کسی قدر تسکین ہوئی تو مجھے حکم دیا کہ خزانہ سے زر نقد، ظروف، کل اسباب واپس کر لے اور حکم دیا کہ جعفر کی ماں سے کہو کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ مجھے اپنے حال سے اطلاع دیا کریں۔

جعفر کا کٹا ہوا سر جبرئیل بن بختیشوع طبیب کا قول ہے کہ جعفر کو قتل ہونے آدھا

گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک خادم آیا کہ چلتے امیر المومنین یا دفرار ہے ہیں۔ چنانچہ میں فوراً حاضر ہوا۔ جعفر کا سر ایک طشت میں ہارون کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہا کہ جبریل تم مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ غذا کیوں گسٹ گئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، کہا مجھے اسی کی فکر تھی جو اس وقت دیکھ رہے ہو اب میں اچھا ہوں، چنانچہ اسی وقت کھانا منگایا اور مثل تندرست آدمیوں کے خوب سیر ہو کر کھایا۔

ابو نواس نے جعفر کا بڑا درد انگیز مرثیہ لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے

ابو نواس کا مرثیہ اے وہ شخص کہ خاک میں گم ہو گیا اور لوگ اس کی خوبیوں کا وظیفہ پرستے ہیں۔

خدا تجھ کو معفرت اور احسانِ شہیت فرمائے۔

اگر تو نے موت کا ایک پیالہ پیاسے

تو ہم لوگ ہر روز طرح طرح کی موت چکھتے ہیں۔

تلافی مافات ۱۳۰۰ء میں ماموں الرشید مستقل خلیفہ ہوا اور فضل بن سہل جس کو ماموں الرشید نے ذوالریاستین کا لقب دیا تھا وزارتِ عظمیٰ کے درجے پر ممتاز ہوا۔ جب اس وزیر کو جو بلحاظِ اقتدار حقیقت میں خلافت کرنا تھا ان خانہ جنگیوں سے فرصت ہوئی اور ملک میں امن امان کی عام مناوی ہو گئی تب اپنے قدیم سرپرست اور محسن خاندان کا خیال آیا۔ یعنی آل برک کو قید سے رہا کرانا چاہا۔ چنانچہ ماموں الرشید سے تمام موجودہ قیدیوں کا قصور معاف کرا کر قید سے رہا کر دیا۔ اور ماموں نے اپنی فیاضی سے سب کو گرانمایہ خلعت اور انعامات سے مالا مال کر دیا۔ اور جو جاگیریں اس وقت تک ضبطی میں تھیں وہ سب بحق برامکہ واکر کر دی گئیں اور جوانوں اس خاندان میں باقی رہ گئی تھے ان کو خلیفہ کے روبرو پیش کر کے حسب استعداد ملکی عہدوں پر مقرر کرا دیا۔

ماخذ

الہارون (عمر ابوالنضر) ہارون الرشید (پامر) البرامکہ، تحت ظلال الخلفاء (مطبوعہ مصر)

اعلام الناس ببارق للبرامكة مع بني العباس (مطبوعه مصر)

عصر المأمون - ڈاکٹر رفاعی (مطبوعه مصر)

البرامكة - طبری، ابن خلکان، ابن خلدون

تاریخ القی، کامل ابن اثیر، تاریخ الخلفاء (سیوطی)

معجم البلدان، روضۃ الصفا، طبقات اطباء

منظر بازگشت

جعفر قتل ہو گیا۔

بیچھی نے جیل کی تنگ دتاریک کو ٹھٹھریوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر داعی اہل کو لبیک کہا۔

فصل نے بھی جیل کے تنگنائے میں اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن کیا وہ ان کارناموں کو بھی مٹانے میں کامیاب ہو سکا جو رامک نے

انجام دیے تھے۔

بے شک ہارون برامک کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے ساتھیوں اور دوستوں

کو سخت سزا میں دینے میں کامیاب ہو گیا، لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام

اور ان کے عظیم الشان کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برامک قید خانوں میں

ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے، جعفر کا سر مدتِ دراز تک بغداد کے پلوں پر لٹکا رہا لیکن

برامک کے نام اب بھی تاریخ میں، شعروں کے دوا دین اور ادب کی کتابوں میں

زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

لازوال کارنامے برامک کے کارنامے اتنے لازوال اور ایسے لافانی ہیں، کہ ہمیشہ

ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

برامکہ نے علوم و فنون کی جو ترویج کی وہ تو رہتی دنیا تک ان کی یادگار ہے گا۔ انہوں نے صرف محلات ہی نہیں بنوائے علوم و فنون کی ترویج و توسیع کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ ان کی علم پروری کا حال سن کر ہر چہار طرف سے علماء و شعراء اور ادباء۔ ان کی خدمت میں آنے لگے اور بغداد نے ایک عظیم الشان دارالعلوم کی حیثیت حاصل کر لی۔

جس طرح ہارون علم و فن کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا اسی طرح برامکہ بھی اپنے اردگرد علماء، ادباء اور شعراء کو جمع رکھتے ہیں۔ اکثر علماء اور ادباء کے باہم مشورے ہوا کرتے تھے جن سے علوم کے نئے دروازے کھلتے تھے۔ برامکہ ان علماء اور ادباء پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اطباء پر تو برامکہ کی خاص عنایات تھیں اور انہوں نے ان کی پیش قدمیوں پر مقرر کر رکھی تھیں۔

برامکہ کے استیصال کے سلسلے میں کہا جاتا ہے:

سبب استیصال برامکہ فی نفسہ خاندان برامکہ کی تباہی کے اسباب ملکی ہیں ابتداءً جزئی واقعات سے ہارون کے اشتعال کو تحریک ہوئی۔ اور جب برامکہ حقیقتاً تمام ملک کے مالک بن گئے اور ہارون الرشید برائے نام خلیفہ رہ گیا، اس وقت سیاستِ ملکی کے قانون نے قطعی طور پر استیصال کر دیا۔ بہ لحاظ طرز حکومت زمانہ موجودہ ہارون پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے برامکہ پر بڑا ظلم کیا۔ لیکن جب عام طور پر شخصی سلطنتوں کے اختیارات اور ان کی مجبوریوں پر منظر ڈالی جاتی ہے اس وقت یہ سنگین جرم محض خفیف ہو جاتا ہے اور انصافاً ہی کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہوا مناسب تھا۔

لیکن یہ قول اگر سچ بھی مان لیا جائے تو بھی یہ برامکہ کے نقوش نہ مٹ سکے۔ امر واقعہ ہے کہ برامکہ کے استیصال کے بعد

ہارون کو ایک دن بھی اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ وہ ہر وقت متفکر اور پریشان رہتا تھا، کیونکہ اس کی سلطنت کا سارا نظام برامکہ کی وجہ سے قائم تھا۔ وہ انتہائی

اخلاص کے ساتھ سلطنت کے ہر شعبے کی نگرانی کرتے رہتے اور کوئی خرابی پیدا ہوتے ہی اس کی اصلاح کر دیتے تھے۔ براہمکہ ہی تھے جنہوں نے ہارون کو خلافت دلائی تھی۔ اور اس کی راہ سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کیا تھا، اگر وہ نہ ہوتے تو ہارون کی حیثیت ملک کے دوسرے عباسی امراء سے کسی طرح بہتر نہ ہوتی اور خلافت اس کے بھائی ہادی کے بیٹوں کی طرف منتقل ہو جاتی۔ ہارون بہت ہی رفیق القلب اور حیا دار انسان تھا۔ اس نے تو براہمکہ کو تباہ کر دیا لیکن وہ انہیں بھول کس طرح سکتا تھا اور ایسے شہر میں کس طرح رہ سکتا تھا جہاں ہر وقت اسے براہمکہ کی یاد تڑپاتی رہتی اور ان کی صورتیں اس کی آنکھوں کے آگے گردش کرتی رہتیں۔

ہمیں بات یہ بھولنی نہیں چاہیے کہ براہمکہ فارسی

براہمکہ کی ثقافتی سرگرمیاں

تھے۔ اسی لیے وہ فارسی تہذیب کے زبردست

دلدادہ اور فارسی ثقافت کی ترویج میں پیش پیش تھے۔ سلطنت کا تمام نظام انہوں نے ایرانی سانچوں میں ڈھالا ہوا تھا۔ فضل بن سہل کو (جو بعد میں "ذوالریاستین" کے لقب سے ملقب ہوا اور امین کا وزیر اعظم بنا) یحییٰ برمکی نے ایرانی کتب کا ترجمہ عربی میں کرنے پر مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے یہ کام بڑی عمدگی اور لیاقت سے کیا۔ یحییٰ اس کی لیاقت سے بڑا خوش ہوا اور اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ اس پر یحییٰ نے اسے اور اس کے لڑکے کو خراسان بھیج دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کو علم و حکمت کا درس دیں۔

لیکن براہمکہ نے اپنی کوشش صرف فارسی ثقافت کی ترویج تک ہی محدود نہیں رکھیں بلکہ دوسری ثقافتوں کی ترقی کے سلسلے میں بھی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔

ابن ندیم ذکر کرتا ہے کہ ہیئت کے بارے میں مجبلی کو عربی میں ترجمہ کرنے اور اس کی شرح لکھوانے کا خیال پہلے سے یحییٰ برمکی کو ہوا۔ اس نے علماء کی ایک جماعت اس غرض کے لیے مقرر کی کہ وہ اس کا ترجمہ کریں اور شرح بھی لکھیں۔ جب کتاب یونانی سے ترجمہ ہو کر اس کے سامنے آئی تو وہ مطمئن نہ ہوا۔ اور اس نے بیت الحکمت، کے دو اور عالموں ابو حسان اور مسلم کو دوبارہ اس کی شرح لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے

بڑی محنت سے کام کیا اور پہلے علماء کی لکھی ہوئی شرح میں جو خامیاں رہ گئی تھیں انہیں دور کیا۔ اسی طرح یحییٰ نے مشہور ہندوستانی طبیب منکہ کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور ایک آدمی کو خاص اس غرض سے ہندوستان روانہ کیا کہ وہ منکہ سے ان جڑی بوٹیوں کا مفصل حال پوچھ آئے جن کا ذکر اس کی کتاب میں تھا، منکہ کے نام جو خط اس نے تحریر کیا اس میں یہ درخواست بھی کی کہ وہ ہندوستان کے تمام مذاہب کا حال بھی اسے لکھ کر بھیجے، چنانچہ منکہ نے تمام جڑی بوٹیوں اور ہندوستان کے مذاہب کا حال مفصل طور پر لکھ کر یحییٰ کو بھیج دیا۔

دوست دشمن بن گئے۔ جعفر مرحوم کے بعد جو مصیبت اس خاندان پر نازل ہوئی وہ قیامت سے کم نہ تھی۔ ہارون الرشید کے خوف سے ہرامکہ کی قرابت والے بھی اپنے رشتے سے انکار کرتے جاتے تھے اور جن لوگوں کو ہرامکہ کی دوستی کا دعویٰ تھا وہ دشمن بن گئے۔

ہارون پر ہرامکہ کے احسانات اور جن ہارون نے ہرامکہ کے ساتھ یہ روارکھا تھا ان ہرامکہ کا ہارون کے ساتھ کیا برتاؤ رہا تھا، یہ بھی پیش منظر ہے تو بہتر ہے۔ ہارون الرشید کی تخت نشینی یحییٰ بن خالد کی اصابت رائے، فراست اور عقل مندی کی رہن منت ہے۔

جب ہادی نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو حقوق سلطنت سے محروم کرنے اور اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد اور جانشین مشہر کرنے کا خیال کیا تو سوچا سب سے پہلے یحییٰ کو اس رائے سے متفق کر لینا چاہیے۔

یحییٰ کو بلایا اور اس کو تخلص میں لے گیا اور بیس ہزار دینار انعام دے کر اور خلعت فاخرہ مرحمت کر کے یحییٰ سے گفتگو شروع کی۔

یحییٰ نے کہا: امیر المؤمنین اگر آپ اس طرح کریں گے تو گویا آپ اپنی رعایا کے لیے قول اور قسم توڑنے اور معاہدہ پر پابند نہ رہنے کی ایک منظر قائم کر دیں گے۔ پھر دوسرے لوگ

میں ایسا کرنے پر بے خوف ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ بجاتے اس کے یہ کریں کہ ہارون کو ولی عہدی کے خطاب سے محروم نہ کریں اور اس کے بعد جعفر کی تخت نشینی پر بیعت لیں تو یہ بات جعفر بن ہادی کے لیے مضبوط ضمانت بن جائے گی۔ ہادی نے کچھ عرصے تک یہ معاملہ اسی طرح ہی منے دیا۔ لیکن آخر کار محبت پدری کا جوش موجزن ہوا اور اس نے یحییٰ کو دوبارہ اپنے حضور میں بلا کر مشورہ کیا۔ یحییٰ نے اب یہ دلیل پیش کی کہ جعفر کی طفولیت ہی میں اگر امیر المومنین خدا نخواستہ آپ کا انتقال ہو جائے تو خاندان شاہی کے امراء اور سردار جعفر کو جائز تخت نشین بھی نہیں مانیں گے، ہادی نے اس بات کو تسلیم کیا۔ تب یحییٰ نے کہا کہ امیر المومنین آپ اس تجویز کو ترک کر دیں تاکہ آپ کی خواہش جو ہے وہ دوسری عمدہ تجویز سے پوری ہو سکے۔ آپ کے والد خلیفہ المہدی ہارون الرشید کو اگر آپ کا جائزین مقرر نہ فرماتے تو آپ کی جانب سے یہ تجویز عمل میں آسکتی تھی اور اب تو صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جو میں نے عرض کیا جس کی وجہ سے بنی ہاشم کی خلافت قائم رہ سکتی ہے۔ جب ہادی کو معلوم ہوا کہ یحییٰ کی رائے کو پلٹا نہیں جاسکتا تو اس نے یحییٰ کو قید کر دیا اور اپنے بھائی ہارون الرشید سے بھی اسی قدر دشمنی کا اظہار کیا کہ ہارون الرشید نے اپنی جان بچانے کی غرض سے اس سے علیحدگی اختیار کی۔

اب ہادی نے اپنا غصہ اپنی ماں خیزراں پر اتارا اور اس کو زہر دے کر مار ڈالنا چاہا لیکن خیزراں کو اس کی یہ نیت معلوم ہو گئی اور اس نے ہادی کی چند لونڈیوں کو رشوت دے کر ملا لیا جنہوں نے ہادی کا کلا گھونٹ کر لے سوتے ہوئے مار ڈالا۔ یہ واقعہ ۱۵ ستمبر ۷۶۶ء کو وقوع پذیر ہوا۔ اسی رات ہارون الرشید کا ایک خادم خنزیر بن خازم جعفر کے سر ہانے آیا۔ وہ سو رہا تھا، اس کو جگایا اور کہا کہ اگر تو اپنے تمام دعاوی خلافت ترک نہ کر دے گا تو تیرا سر بھی قلم کر دیا جائے گا۔ جعفر خور و سال تھا، جان کے خوف سے ترک دعاوی خلافت پر راضی ہو گیا۔

خنزیر دوسرے روز صبح کے وقت جعفر کو جمع عام کے روبرو لے گیا اور اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ عوام کو اپنے دعویٰ خلافت سے کنارہ کش ہو جانے پر آگاہ کرے اور

لوگوں نے جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی قسم کھائی تھی اس سے ان کو خلاصی دے چنانچہ جعفر نے ایسا ہی کیا۔

ہادی کے انتقال کے وقت یحییٰ بن خالد قید خانہ میں مقید تھا۔ ہارون الرشید کو جب ہادی کے مرنے اور اس کے تخت نشین ہونے کی خبر پہنچائی گئی تو ہارون نے یحییٰ کو فوراً قید خانہ سے بلوایا اور اسے اپنا وزیر اعظم بنایا۔ خلعت وزارت دیتے ہوئے ہارون نے یحییٰ کو کامل طور سے کلی اختیارات سلطنت تفویض کر دیے اور یحییٰ سے کہا کہ میں تم کو اپنی رعایا پر حکمرانی کے مکمل اختیارات عطا کرتا ہوں جس طرح تم چاہو ان پر حکومت کرو۔ جس کو چاہو معزول کرو اور جس کو چاہو مقرر کرو اور اپنے حکم کی تصدیق میں ہارون نے یحییٰ کو اپنی انگشتری بھی دے دی۔

ایک دوسری روایت ہے کہ ہارون الرشید سو رہا تھا، اتنے میں یحییٰ اس کے پاس آیا اور یہ کہہ کر جگایا کہ امیر المؤمنین بیدار ہو جائیے۔ ہارون نے کہا کہ تم تخت نشینی اور خلافت کا اشارہ کر کے کیوں جگاتے ہو، اگر ہادی یہ باتیں سن لے گا تو خیال کرو وہ کیا کہے گا۔

یحییٰ نے ہارون کو ہادی کی موت کی اطلاع دی اور متوفی خلیفہ کی انگشتری پیش کی۔ اب آخر میں ہرامکہ کے اسباب زوال پر ایک منظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

مورخین نے ہرامکہ کے زوال کے اسباب مختلف لکھے ہیں اور متاخرین نے جعفر و عباسہ کی لغو اور مہمل داستان کو افسانہ بنا کر اسے اور بدنام کر دیا ہے، اس کی تردید میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اب اہل نظر کی نگاہ میں یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اس پر زیادہ لکھنا بے کار ہے۔ تاہم چونکہ ہارون عہد کی تاریخ بغیر اس پر کچھ لکھے ہوئے ناقص رہ جاتی ہے اس لیے اس کی تردید میں صرف چند شہادتیں پیش کی جائیں گی۔

قدیم تاریخوں خصوصاً ان تاریخوں میں جو عباسیوں کے حالات میں زیادہ مستند ہیں

اس واقعہ کا کہیں اشارہ بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مورخ ابن
 قینبہ المتوفی ۲۶۹ھ نے اپنی کتاب میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ ہمدی کی اولاد کی
 تفصیل کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ ہارون نے عباسیوں کی پہلی شاخ محمد سلیمان عباسی
 کی تھی۔ اس کی موت کے بعد دوسرا عقدا برہم بن صالح بن علی سے کر دیا۔ اس کتاب کا
 مصنف زوال برامکہ کے محل ۲۵ سال بعد پیدا ہوا۔ اس لیے اس کی شہادت اس میں
 میں سب سے زیادہ معتبر ہے۔ قریب قریب اس انسانہ کا دوسرا مورخ محمد بن عبدوس
 جہشیری ہے جس نے اپنی کتاب کتاب الوزراء میں عباسی حکومت خصوصاً ہارون
 کے عہد اور برامکہ کے حالات نہایت وضاحت سے لکھے ہیں، یہ بھی اس واقعہ کا کوئی
 تذکرہ نہیں کرتا۔ یہ تادم کتاب دیا تا میں عکسی چھپی ہے۔ محمد بن عبدوس کا زمانہ تیسری صدی
 کا آخر اور چوتھی صدی کا اول ہے۔

اس کے بعد اس عہد کے تیسرے نامور مورخ احمد بن داؤد نبوری المتوفی ۳۸۰ھ
 نے بھی اپنی کتاب اخبار الطوال میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس عہد کا
 چوتھا مورخ احمد ابن ابی یعقوب بن واضح جو عباسی کاتب بھی تھا تاریخ یعقوبی میں
 اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ قدیم مورخین میں سب سے پہلے طبری نے یہ واقعہ لکھا ہے
 گو طبری مستند مورخ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک واقعہ
 کے متعلق جس قدر مستند اور غیر مستند روایتیں ہوتی ہیں بلا اظہار رائے سب کو نقل
 کر دیتا ہے۔ کسی پر نقد و تبصرہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے منجملہ اور واقعات کے جعفر
 عباسی کا واقعہ بھی مختصر الفاظ میں نقل کر دیا ہے لیکن اس میں کوئی حاشیہ آرائی اور افسانہ
 طرازی نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ طبری کا زمانہ اول الزکر مورخین کے مقابلے
 میں برامکہ کے بہت بعد میں ہے اور اتنی مدت میں ایک واقعہ کیا کیا شکلیں اختیار کر
 سکتا ہے۔

طبری کے بعد ابن اثیر اور ابوالفدا کی تاریخوں میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ لیکن ابن اثیر
 طبری کا اور ابوالفدا ابن اثیر کا خلاصہ ہے۔ اس لیے یہ بھی گویا طبری ہی کا بیان ہے۔

سب آخر میں ابن خلدون کا نمبر آتا ہے۔ گو یہ بھی اپنے پیش رو مورخین کا خوشتر چین ہے، لیکن محض متقیہ منہیں ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق تحقیق رائے رکھتا ہے اور ان کو فلسفہ تاریخ کی گسوٹی پر جانچتا ہے۔ اس لیے اس کی رائے مشتبہ واقعات کی تصدیق اور تردید میں زیادہ صائب مانی جاتی ہے۔ اس لیے اس واقعہ کے متعلق بھی اس کی رائے زیادہ صحیح اور محققانہ ہوگی۔

اس نے مقدمہ کے اس باب میں جہاں مورخین کے مغالطہ اور اوہام میں مبتلا ہونے کے اسباب پر بحث کی ہے وہاں اس نے بے اصل مگر مشہور واقعات کے سلسلے میں جعفر و عباس کے افسانہ پر تنقید کر کے اس کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ بحث لمبی ہے اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۶ تا ۱۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

زوالِ برامکہ کے حقیقی اسباب ^{شخصی حکومتوں کی تاریخ میں یہ نیا واقعہ نہیں}
ہے۔ اس کو ابتدا میں وہ حکومت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیتا ہے اور جب وہ رفتہ رفتہ اپنے حدود سے بڑھ کر تمام امور سلطنت پر حاوی ہو جاتا ہے اور بادشاہ اس کے مقابلے میں اپنے کو بے بس اور مسلوب الاختیار پاتا ہے۔ اس وقت وہ اس کے گرانے کی کوشش کرتا ہے، برامکہ بھی اس بے عنوانی کا شکار ہوتے یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ تھا۔ اسی نے اس کو سلطنت دلوائی تھی اس لیے ہارون نے اس کو مختار جزو کل بنا دیا تھا۔ فضل اور جعفر وزارت میں اس کے دست راست تھے۔ پھر جب یحییٰ بوڑھا ہوا تو پہلے فضل پھر جعفر کے ہاتھ میں قلمدان وزارت آیا تو ان کی زرباشیوں اور ارباب علم کی قدر دانیوں نے کل رعایا کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ ہارون صرف نام کا بادشاہ رہ گیا تھا۔ عملاً بادشاہت برامکہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس عروج نے ان کو اتنا خود سر بنا دیا تھا کہ ہارون کے احکام کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے اور یہاں تک نوبت بہت گئی تھی کہ اگر ہارون کو خزانہ سے معمولی رقم کی ضرورت ہوتی تو آسانی سے ملنا مشکل

ہو جاتا۔ دراصل کالیگہ خود بڑا بڑا محض نو دو غنائش کے لیے بے دریغ رو پہ لٹاتے تھے، اپنے
حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو بڑے بڑے انعامات عینتے تھے۔ مشرار اور سائلین پر
خلعت اور انعام و اکرام کی بارش کرتے تھے۔ ممالک و محروسہ کے تمام عمدہ علاقوں اور جاگیروں
پر وہ قابض ہو گئے تھے۔

ہارون رشید کی برہمی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ہرامکہ عباسیوں کے حریف مقابل اور
ان کے مخالف ائمہ اہل بیت کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک سے آتے تھے بلکہ ہارون
کے علی الرحمہ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ یحییٰ بن عبد اللہ نفس زکیہ کے بھائی حکومت
کے باغی تھے، رشید نے ان کو گرفتار کر کے قید کرتے کے لیے جعفر کے حوالے کیا،
اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ فضل بن یسوع کو جو ہرامکہ کا سخت دشمن تھا اس کی خبر
لگ گئی۔ اس نے ہارون سے کہہ دیا۔ دوسرے دن جب جعفر دربار میں آیا تو ہارون
نے پوچھا کہ جعفر یحییٰ کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا وہ اب تک قید خانہ میں بند ہے
اس نے کہا۔

پس کہتے ہوا

اس مکرر سوال پر جعفر تار کیا کہ ہارون کو اس کی خبر ہو گئی۔ عرض کی:
آقائے من! وہ امیر المومنین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لیے
میں نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ ہارون نے جواب دیا، اچھا کیا، میں بھی ان کو چھوڑ دینا
چاہتا تھا۔

لیکن جب جعفر چلا گیا تو ہارون نے کہا کہ میں تجھ کو قتل کر کے چھوڑوں گا۔
صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ عجمیت کی وجہ سے عام طور پر ہرامکہ کا
سلوک اہل بیت رسول کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ گواخلاقی نقطہ نظر سے یہ کوئی قابل
اعتراض فعل نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اسے مستحسن ہی کہا جائے گا۔ لیکن نبی عباس
کی سیاست کے بالکل خلاف تھا، اس لیے اس سے ہارون کی برگشتگی میں اور
اضافہ ہو گیا۔

برامکہ کے اثر و اقتدار نے ہارون کو نہ صرف مسلوب الاختیار کر دیا تھا بلکہ رعایا بھی انہیں کہہ کر شاہ
 سمجھنے لگی تھی۔ سلطنت کے تمام عمائد ہارون کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ سلاطین و
 اہل ہدایہ و تحائف براہ راست برامکہ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ خراج کی کل رقم انہی کے
 پاس آتی تھی۔ اور انہی کے قبضے میں رہتی تھی جسے وہ ہر طرح کے جائز و ناجائز اخراجات
 سے صرف کرتے تھے۔ اور ہارون الرشید کے ضروری اخراجات کے لیے بھی مشکل سے رقم
 نکلتی تھی۔ برامکہ کے ایک محل پر دو دو کروڑ درہم صرف ہو جاتے تھے۔ حکومت کے تمام
 بڑے اور معزز عہدوں کی کتابت، قنات اور حمایت وغیرہ برامکہ کو اپنے خاندان
 کے سر پر دیا تھا۔

ان حالات نے ایک طرف ہارون الرشید کے دل میں ان کی جانب سے بدگمانی پیدا
 کر دی، دوسری طرف دوسرے عباسی متوسلین میں ایک جماعت ان کے خلاف ہو گئی۔
 جس نے ہارون الرشید کو ان کے خلاف درغلانا شروع کیا جس میں خود جعفر کے ناہمالی
 رشتہ دار بھی تھے۔

لیکن ہارون الرشید پر برامکہ کا اثر اتنا غالب تھا کہ ابتداء میں اس نے ان شکایتوں
 کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔ مگر ان کی خود سری نے ہارون کے دماغ میں بھی رفتہ رفتہ یہ
 بات جمادی کہ سب اس کو عضو معطل بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔
 یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ صرف نقطہ نظر بدل جانے سے وہ شے جو کبھی ممدوح
 ہوتی ہے مذموم نظر آنے لگتی ہے۔ اس کا یہ عبرت انگیز واقعہ سننے کے لائق ہے کہ
 دجلہ کے ساحل پر قصر شاہی کے بالمقابل برامکہ کے محلات و قصور تھے۔ ہارون
 کے طبیب خاص بختیشوع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ہارون کے پاس گیا۔ اس
 وقت برامکہ کے محلات کے سامنے سوار و پیادہ حاجت مندوں کا ہجوم تھا۔
 ہارون نے کہا۔

خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے۔ اس نے مجھ کو کتنی رحمتوں سے بچا کر عیش و آرام دیا ہے۔
 کچھ عرصے کے بعد پھر جانے کا اتفاق ہوا تو پھر وہی منظر تھا۔ لیکن ہارون برامکہ سے

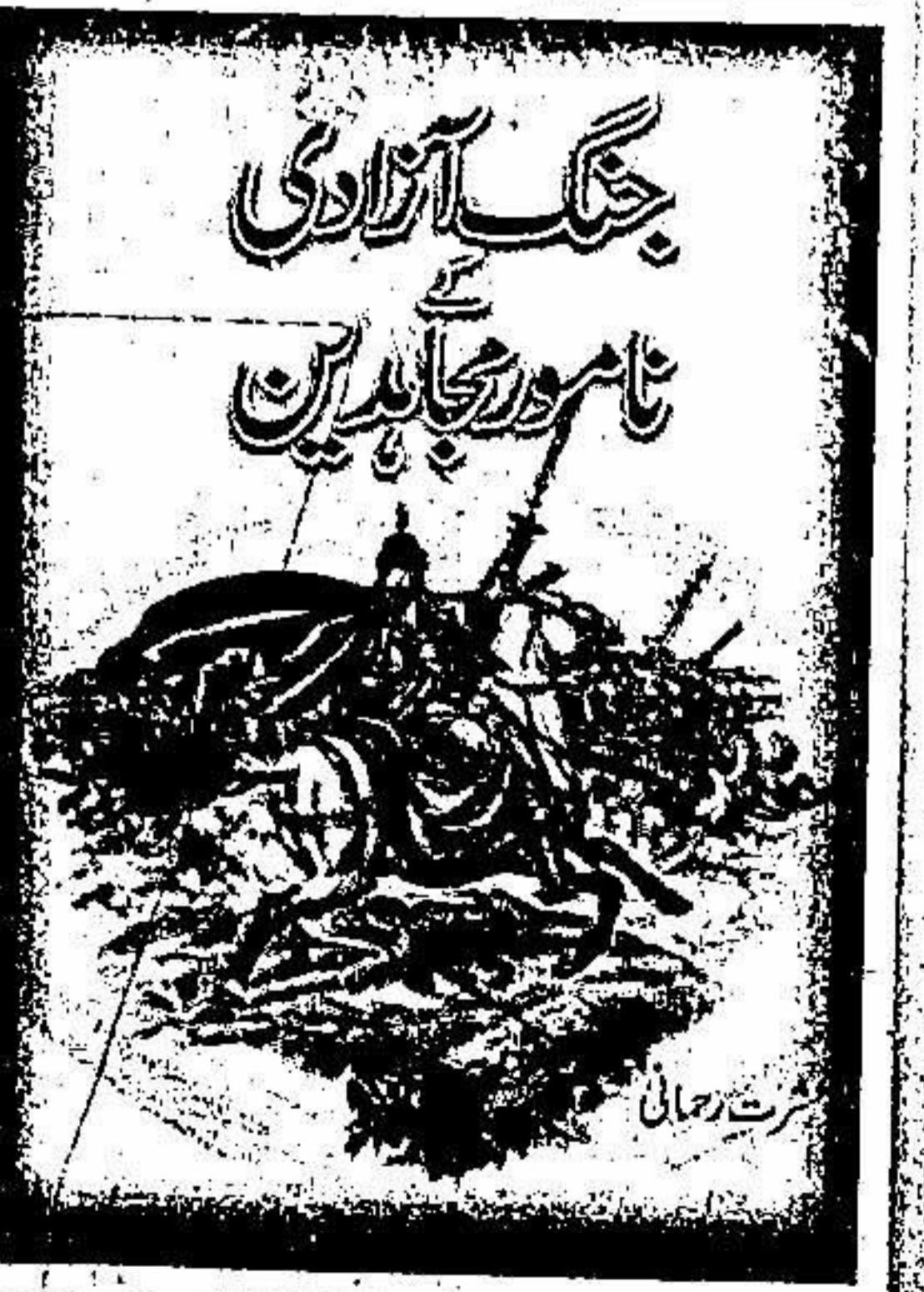
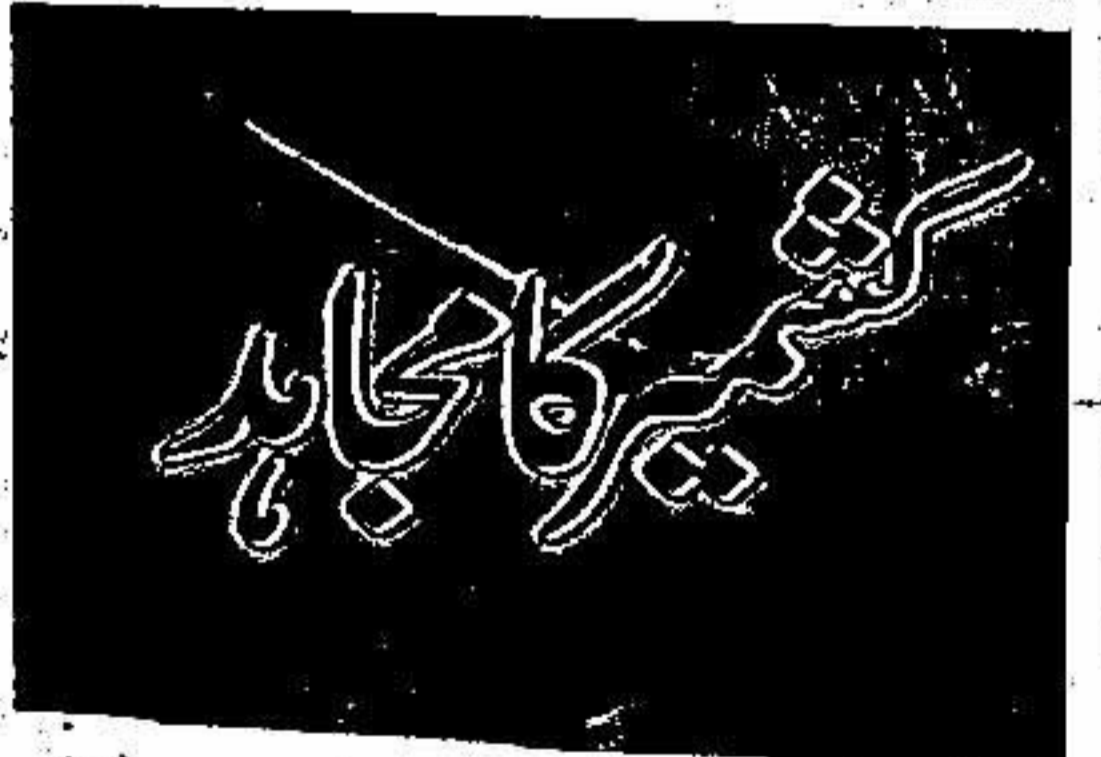
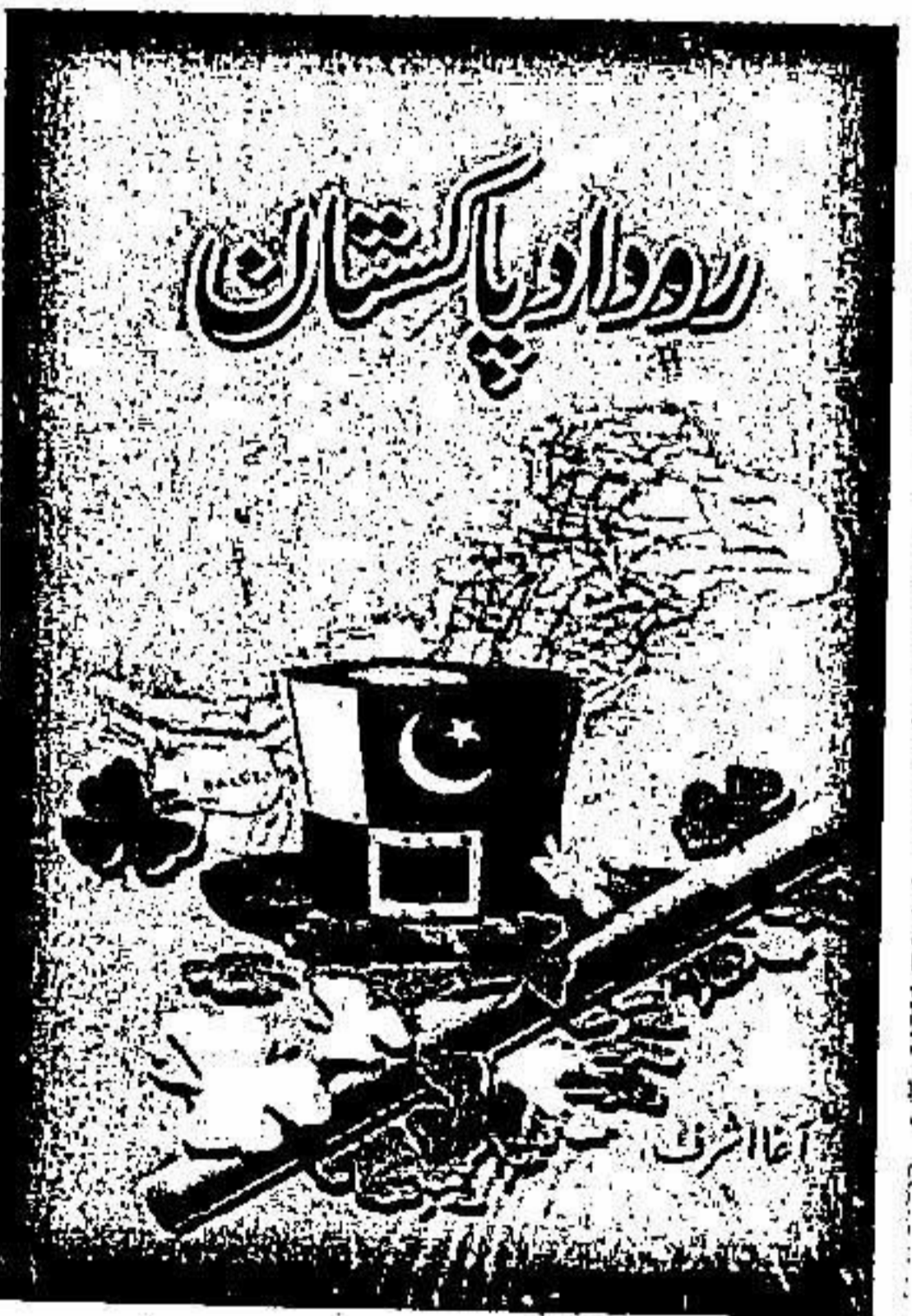
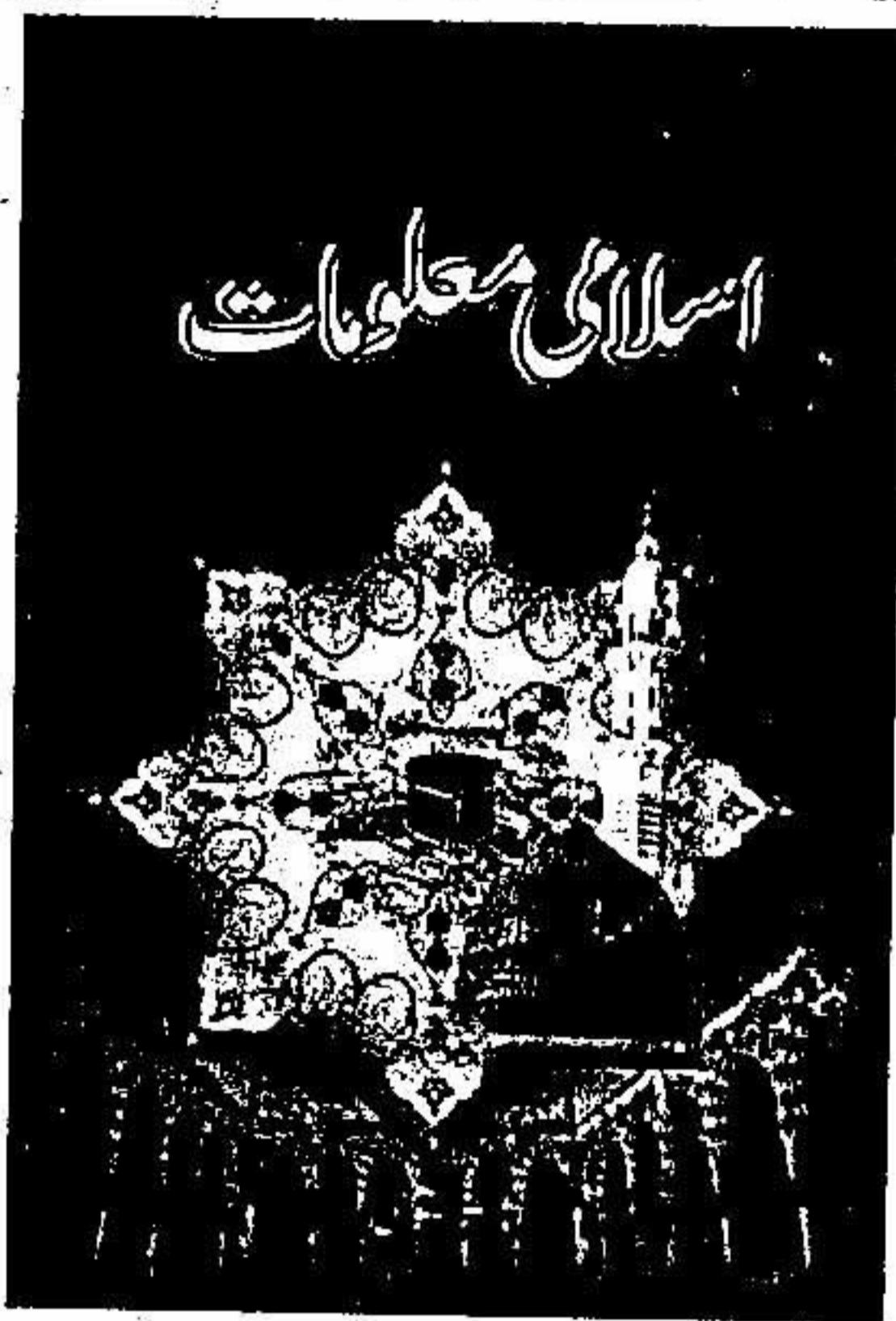
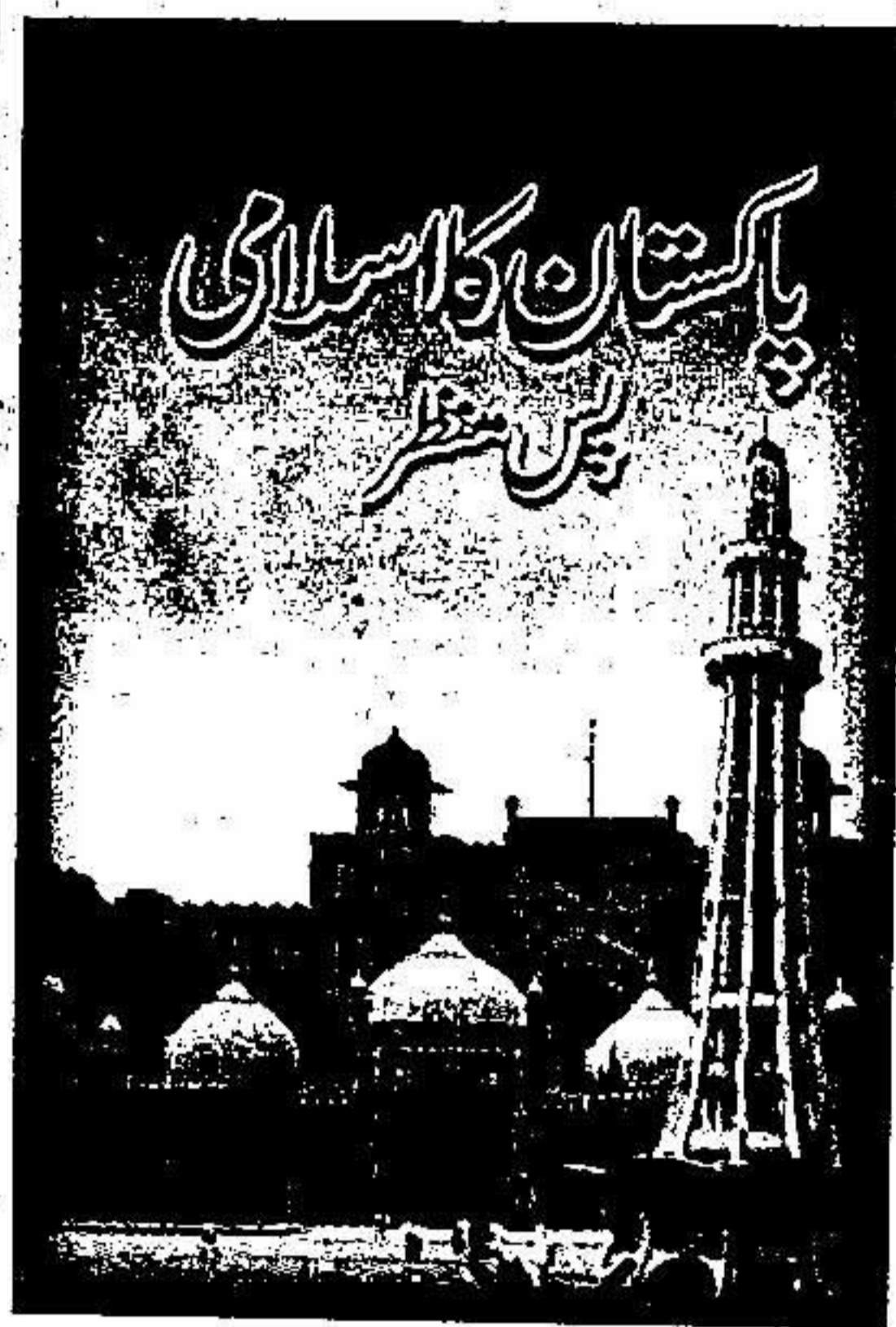
بدظن ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ اس نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ خدا کی پٹی سے سمجھے، حکومت کا مختار کل بن گیا ہے اور میرا صرف نام رہ گیا ہے۔

غرض مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر برا مکہ کے اقبال
برا مکہ کا قتل و جنس پر زوال آگیا۔ اور ۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو قتل

کرا دیا۔ اور جعفر اور یحییٰ قیدِ محسن میں ڈال دیے گئے۔ خاندانِ برا مکہ میں محمد بن خالد کے سوا کوئی فرد قید کی مصیبت سے تہ بچا۔ ان کے محلات، باغات، جائدادیں، نقد و جنس غرض کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا۔ یحییٰ اور فضل دونوں باپ بیٹے جیل کے مصائب اور سختیاں جھیلتے جھیلتے بالترتیب ۹۰ھ اور ۹۳ھ میں نہایت بیگسی کے عالم میں مرے۔ یا برا مکہ کا وہ اقبال تھا کہ بڑے امراء اور عمائد ان کی آستان بوسی کو فخر سمجھتے تھے۔ ان کی زرباشیوں نے دجلہ کے بالمقابل سونے اور چاندی کا دریا بہا دیا تھا۔ ان کا محل فقیروں اور حاجت مندوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ علماء، شعراء اور دوسرے اربابِ کمال ان کی فیاضیوں سے مالا مال تھے۔ یا یہ اوبار آ یا کہ جعفر کی ماں عبادہ جس کی خدمت میں چار چار سو کینزیں رہتی تھیں، عین عید کے دن پھٹے پرانے کپڑوں میں محمد بن عبدالرحمن امام مسجد کوفہ کے گھر معمولی امداد کے لیے نظر آتی ہے اور اس کے پاس بکری کی دو کھالوں کے سوا جن میں سے ایک اور ہستی اور ایک بچھاتی بنتی اور کچھ نہیں ہے۔ جعفر کے قتل کے بعد ہارون کی مسترتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کے چہرے پر خوشی کی جھلک نظر نہ آئی اور وہ ہمیشہ ان کے غم میں سوگوار رہا۔

ماخذ

ہارون الرشید (پار) الہارون (عمر ابوالنصر) البرامک، ابن خلدون،
کامل ابن اثیر، اعلام الناس، روضة الصفا، تاریخ الفی، البرامک تحت ظلال الخلفاء
(مطبوعہ مصر) تاریخ اسلام (عہد عباسیہ) مروج الذهب، ابن خلکان، ابن خلدون،
معارف ابن قتیبہ، طبری، العسکری۔



297.9924

25 ر



* 9 6 2 8 0 - U - 6 7 *

خلیفہ ہارون الرشید

اور

ان کا عہد

